محمد میڈیکل کالج کے طلباء کا میگزین

مسیحا

ایڈیشن 2009-2010

MMC Bringing out
4 Annual Edition Of Messiah

محمد پبلی کیشنز
میرپورخاص

MFT | MMC | MMCH
MIST | MIPT | ELC

ISSN 2075-7255

A Magazine of MMCians

MESSIAH

EDITION

2009-2010

MUHAMMAD MEDICAL COLLEGE

BUILD A BETTER PAKISTAN

MMC Bringing out

4 Annual Edition Of Messiah

محمد پبلی کیشنز

میرپورخاص

MFT MMC MMCH

MIST MIPT ELC

ISSN 2075-7255

مسیحا

2009-2010

محمد میڈیکل کالج کے طلباء و طالبات کا سالانہ مجلہ

سرپرست اعلیٰ : مسز علی محمد (چیئر پرسن محمد فاؤنڈیشن ٹرسٹ)

زیر سربراہی : پروفیسر ڈاکٹر سید رضی محمد (مینجنگ ٹرسٹی محمد فاؤنڈیشن ٹرسٹ)

سرپرست : ڈاکٹر مسز اے ایچ محمد (ٹرسٹی محمد فاؤنڈیشن)

انجینئر سید تقی محمد (ٹرسٹی محمد فاؤنڈیشن)

ڈاکٹر سید ظفر عباس (میڈیکل سپرانٹنڈنٹ۔ محمد میڈیکل کالج ہسپتال)

جناب ابراہیم سومرو (ٹرسٹی محمد فاؤنڈیشن)

ڈاکٹر شمس العارفین خان (وائس پرنسپل محمد میڈیکل کالج)

اردو سیکشن

مدیرہ خاص : ڈاکٹر سیدہ آسیہ بتول امام

مدیر : محمد رضوان جاوید (سال آخر)

نائب مدیران : عدنان احمد راجپوت (سیکریٹری)

سارہ احمد علی (سال آخر) ★ انیلا امبر (سال سوئم)

منظور احمد (سال سوئم) ★ فرح قاضی (سال اول)

کمپوزنگ : عدنان احمد راجپوت (سیکریٹری)

فہرست

مضامین	مصنف	صفحہ	مضامین	مصنف	صفحہ
مسیحا اور سر داہو کے دیس میں	پروفیسر ڈاکٹر سید رضی محمد	01	ایک پاکستانی کی نظم	ڈاکٹر سید رضی محمد	27
قرآن اور سائنس	سارہ احمد علی، فائنل ایئر	03	ہاسٹل نامہ	نادیہ امبرین، سال سوئم	28
تیرے رنگ رنگ	انیقہ نذر، سالِ آخر	06	G.R کا شکوہ طالب علم کی خدمت میں	ڈاکٹر غلام رسول بھرگڑی	28
سر رضی سے انٹرویو		08	غزل	منظور حسین، سال سوئم	28
اللہ تعالیٰ کی محبت	عذرا پروین، سال آخر	11	غزل	انجینئر سید تقی محمد (ٹرسٹی)	29
حضرت علیؓ کے فرامین	محمد رضوان جاوید، سال آخر	11	غزل	محمد رضوان جاوید، سال آخر	29
وہ کہتے ہیں (انٹرویوز)	کفایت اللہ، سالِ آخر	12	غزل	ڈاکٹر حبیب الرحمٰن چوہان	29
شکر	غلام مرتضیٰ زین، سال سوئم	16	صحت کا فارمولا	عاطف عزیز، سال آخر	29
اقوال حضرت ابوبکر صدیق	سیدہ طاہرہ شیرازی، سال دوئم	16	نظم	محمد عامر مستوئی، سال چہارم	30
زندگی کے کچھ لمحے	سلمٰی لغاری، انیلا امبر	16	دو شعر	حسان اصغر، سال اول	30
ایک گدھے کی آپ بیتی	ڈاکٹر عقیل الرحمٰن راجپوت	17	اور کیا دیتے	عمران سکندر، سال چہارم	30
خاتون و مرد کی ڈکشنری	مونا فاطمہ، ڈاکٹر شمس العارفین خان	19	غزل	سردار زوہیب، سال اول	30
میں ڈاکٹر ہوں	عبدالغفار، سال سوم	20	قطعہ	احسن رشید، سال سوئم	30
دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو	اسد محمود، سال اول	21	سوات یادداشتِ کربلا	محمد لطیف شہزاد، سال آخر	31
ہاسٹل کے شہزادے	محمد وسیم اعجاز	22	اور پھر یوں ہوا	احسن خالد، سال آخر	31
خیال	محمد اشفاق ثمر، سال آخر	23	غزل	ساجد وقاص عاصی، سال آخر	31
اللہ جھوٹ نہ بلوائے	ڈاکٹر جاوید راجپوت	24	رباعی	ڈاکٹر حبیب الرحمٰن چوہان	31
مناجات	سیدہ انیقہ نذر، فائنل ایئر	25	غزل	فرح قاضی، سال اول	32
نعتِ رسولِ مقبول ﷺ	ڈاکٹر حبیب الرحمٰن چوہان	25	تعلق	اشوک کمار راٹھور، سال آخر	32
شانِ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرہ	عذرا پروین، فائنل ایئر	25	غزل	اسماء بٹ، سال آخر	32
ایک فلسطینی کی نظم (شناختی کارڈ)	محمود درویش	26	غزل	سیدہ انیقہ نذر، فائنل ایئر	32

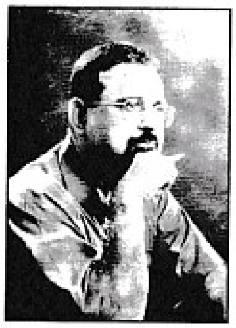

مسیحا اور سرد لہو کے دیس میں

آج پوری دنیا بالخصوص وطنِ عزیز میں جاری بحرانوں پہ نظر ڈالی جائے تو مختلف نظریوں اور عقیدوں کے حامل افراد واضح طور پر دو گروہوں میں تقسیم نظر آتے ہیں۔ ایک گروہ وہ جو روشن خیالی، برداشت اور حقِ اختلاف پر یقین رکھتا ہے اور اپنے خیالات اور اعمال کو اسی اصول کے تحت وضع کرتا ہے اور دوسرا گروہ وہ جو کسی کو ذرا سا بھی اختلاف رکھنے کا حق دینے پر تیار نہیں ہوتا۔ جب اوروں پر بس نہیں چلتا تو وہ اپنے گروہ میں تلاش شروع کر دیتا ہے کہ کس بہانے کن کن پر متشدد رویوں کا اطلاق جائز قرار دیا جائے۔ اس رویے کے شکار اکثر لوگ خود کو اعلیٰ و برتر سمجھ کر اس ہیجانی کیفیت کا شکار ہوتے ہیں، جس میں وہ اوروں کے لیے اور خود اپنے لیے بڑے پیمانے پر عدم اطمینان، بے چینی اور تکالیف کا باعث بنتے ہیں۔ ان کے لیے کسی نئے اور مختلف خیال کو برداشت کرنا اتنا ہی ناممکن ہوتا ہے جتنا اپنی کھال سے باہر نکل آنا۔

خدا کا شکر ہے کہ اعلیٰ شاعر اور فنکار ہمیشہ اور ہر قوم میں روشن خیالی اور برداشت کے حامل لوگ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے کے کچلے ہوئے طبقوں سے منسلک رہتے ہیں۔ شاید فطرت میں کوئی ایسی بات ہے کہ اعلیٰ فن اپنے دروازے روشن خیال لوگوں پر ہی کھولتا ہے۔ چنانچہ ایک اعلیٰ درجے کے خیال اور تصنیف کو اس کی قطعاً احتیاج نہیں ہوتی کہ وقت کے ساتھ دریافت ہونے والے حقائق اور سچائیوں کی زبردستی اس سے مطابقت جوڑی جائے اور اپنے نظریے کی وفاداری کے دھوکے میں دانش ورانہ تکذیب کا ارتکاب کیا جائے۔ اس طرح کی Misdirected loyalties ہمیشہ گزرتے وقت کے ساتھ ہونے والے انکشافات پر شرمندگی کا باعث بن جاتی ہیں۔ مختلف خیالات، نظریات اور تصانیف کا غیر متعصبانہ، گہرا، عالمانہ و دانش ورانہ تجزیہ کرنا اور پھر ان کا آپس میں تعلق اور ربط ڈھونڈنا ہی محقق اور سچے انسان کی ذمہ داری ہے۔ پھر اس تجزیے اور استنباط کو ایمانداری سے پیش کرنا اور آگے کی باتوں کو آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ دینا ہی وہ قرض ہے جو اشرف المخلوقات پر بوجہ ذہانت لاگو ہوتا ہے۔ اس رویے کی ایک extension دوسروں کے حقِ اختلاف کو قبول کرنا ہے جسے غالباً پہلی بار قرآن حکیم کی سورہ کافرون میں انتہائی بلاغت سے پیش کیا گیا۔ دنیا کے پہلے میثاق یعنی میثاقِ مدینہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۲۰ سالہ پرانی دشمنیوں کا خاتمہ کر کے مختلف مذاہب و قبائل کو باہمی افہام و تفہیم کے ساتھ رہنے کی بنیاد فراہم کی تھی۔ اسی میثاق میں مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کو ایک امت قرار دیا گیا تھا۔ آج مسلمانوں اور غیر مسلم اقوام کو دوسرے مذاہب کی طرف مزاجِ مذہب اسلام کو سمجھنے کے لیے اس میثاق کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔ ایک ہزار سال بعد دنیا کے دیگر علاقوں سے اسی عنوان پر Pluralism، Enlightenment, اور دیگر نظریے وجود میں آئے۔

بات یہ ہے کہ اصول متعین کر دیے گئے ہیں مگر سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں، چنانچہ بدلتے ہوئے وقت و حالات کے تحت متعین شدہ اصولوں کے نفاذ کو ممکن بنانا ہی ایک ایسا چیلنج ہے جس سے ہمیں نبرد آزما ہونا ہے۔ فروعی اختلافات نے امت کو دیمک کی طرح چاٹ لیا ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ یکجا ہو کر وسیع نظری اور کشادہ دلی کے ساتھ موجودہ اور آنے والے چیلنجز کا مقابلہ کیا جائے۔ اس اصول کو مذہب، فلسفہ، سائنس، میڈیسن اور شاعری میں شامل کرنا پڑے گا۔ یہی وہ آئینِ نو ہے جس سے ڈر کر عہدِ کہن پر اڑنے کو اقبال نے قوموں کی زندگی میں کٹھن منزل قرار دیا تھا۔

اس شمارے کی رو سے جہاں تک شعر و ادب کا تعلق ہے، ہمیں اس میں بھی تاریخی اصولوں کے ساتھ بدلتی ہوئی Dynamics کو سامنے رکھنا پڑے گا۔ شاہ لطیف، سچل سرمست، میر و غالب و انیس و اقبال وغیرہ کی

عظمت مسلم مگران کا زمانہ اور معمولات اور تھے اور آج کے اور۔ ہمیں مختلف ادوار میں انسانی جذبات ومحسوسات کی یکسانیت کے باوجود بدلتی ہوئی زندگی کے مناظر اور خیالات وافکار کو شاعری میں شامل کرنا پڑے گا۔

مجھے لگتا ہے کہ ہر انسان کے اندر ایک عجیب سا احساس تنہائی ہوتا ہے جس کی شدت کبھی کم ہوجاتی ہے اور کبھی زیادہ، مگر مکمل طور پر جاتی نہیں ہے۔ ادب کا ایک سبب لاشعوری طور پر اپنی ذات کے دریچوں کو کھول کے دوسروں کو خود میں شریک کرنا اور اس لامتناہی تنہائی کے احساس کو کم کرنا ہے۔ مگر تخلیقی ادب ذات کا مکمل اظہار ہوتا ہے۔ اور ذات اپنی تمام تر انفرادیت کے باوجود اپنے عہد کے مسائل، فلسفے، معاشرے، سائنسی ایجادات و تغیرات سے اثر پزیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اب اگر تخلیق کو خالق کے باطن کا مظہر ہونا چاہیے، تو باطن کے جس حصے میں شعوری رد و بدل انسان کے بس میں ہے، اس کی تزئین و آرائش کا اہم ترین ذریعہ علم ہے۔ اگرچہ ہر اہل علم اچھا ادب تخلیق نہیں کرتا مگر میرے خیال میں ایک تخلیقی ادیب اور شاعر کے لیے ضروری ہے کہ زندگی اور کائنات کی حقیقتیں اس پر عام لوگوں سے سوا منکشف ہوگئی ہوں۔ اس کے علم، مشاہدے، تجربے اور تفکر میں ان حقائق کا گہرا ادراک اتر چکا ہو۔ لہٰذا اوسط درجے کے علم سے قافیہ آرائی اور خوبصورت لفظوں کی جادوگری تو ممکن ہے۔ شاید مشاعرے بھی لوٹے جاسکتے ہوں اور کثیر الاشاعت مجموعہ ہائے کلام اور ادب کے انبار بھی لگائے جاسکتے ہوں۔ مگر وقت کے دھارے میں وہی ادب زندہ رہتا ہے جس کے لکھنے والے نے زندگی کی چکی میں خود کو پیس کر اور کائنات کے مختلف النوع رنگوں کو کشید کیا ہو۔

بلاشبہ زندگی کی کوئی بھی سعادت اس وقت تک نہیں ملتی جب تک خدا نہ بخشے۔ مگر خدا بھی زورِ بازو کو استعمال کرنے والے کو ہی سعادت بخشتا ہے اور فیضان نظر بھی ان ہی کے حصے میں آتا ہے جنہوں نے زندگی کے مکتب سے علم و ہنر اور دکھ کی کرامتیں حاصل کی ہوں۔

''سردلہو کے دیس میں'' میری شاعری کی پہلی کتاب ہے۔ شاعری میرے لیے ہمیشہ ایک پر اسرار اور پر کشش ''شے'' رہی ہے جو شعر کے تجزیے، تشریح اور ترجمہ کی سرحدوں سے ایک قدم پرے رہتی ہے۔ میں نے زندگی کے ہر دور میں ہر مشہور شاعر اور ہر زبان کی شاعری کے مطالعے کی کوشش کی ہے۔ البتہ میں خود رہینِ ستم ہائے روزگار اور کم گو رہا ہوں۔ اس پر مستزاد یہ کہ میری شاعری وقفے وقفے سے تعطل کا شکار ہوتی رہی۔ خصوصاً برطانیہ میں اپنے آٹھ نو سالہ قیام کے دوران میں نے بہت کم شاعری کی۔ اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ حصول تعلیم اور سرجری سیکھنے کے جس مقصد سے میں وہاں گیا تھا وہ اسی بات کا متقاضی تھا۔ میری غزل جس کی ردیف ہے ''سردلہو کے دیس میں'' اور کچھ نظمیں وہاں کا حاصل ہیں۔ کچھ لوگ پوچھتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے مجموعے کا نام ''سردلہو کے دیس میں'' کیوں پسند کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے جو تجربات مجھے اس دور میں حاصل ہوئے اور جو معانی مجھ پر اس زمانے میں منکشف ہوئے، انہوں نے میری زندگی کو ایک نیا زاویہ اور بہت بہتر طرزِ فکر عطا کیے۔ ان کا پرتو میری آج تک کی شاعری میں بھی جا بجا ملتا ہے۔

یہ محض حسنِ اتفاق ہے کہ ''سردلہو کے دیس میں'' اور مسیحا ساتھ ساتھ شائع ہو رہے ہیں۔ بہت سارے موجودہ اور سابق طلبا وطالبات اور ان کے اہالیانِ خانہ کا تقاضہ تھا کہ ''سردلہو کے دیس میں'' کی ایک کاپی ان کو بھی دی جائے۔ موجودہ وسائل کے تحت یہ ایک کار دشوار تھا۔ دوسری جانب اپنے طلبا وطالبات اور ان کے اہالیانِ خانہ کی پرخلوص محبت کو نظر انداز کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ چنانچہ محترم اوجِ کمال کی تجویز پر یہ طے پایا کہ پوری کتاب کو ایک condensed form میں مسیحا کا جزو بنا دیا جائے۔ ایک تیر سے دو شکار کرنے سے متعلق اردو وانگریزی محاورے اور اشعار آپ کے ذہن میں آگئے ہوں گے۔ بہر کیف یہ دونوں کتابیں آپ کے ہاتھ میں ہیں۔

مسیحا کے سندھی سیکشن میں بالخصوص ڈاکٹر فیض محمد میمن کی محنت قابلِ ذکر ہے۔ سندھی زبان ایک انتہائی ترقی یافتہ اور ادبی اعتبار سے فصیح و بلیغ زبان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سندھی سیکشن کا مطالعہ کر کے آپ کو روحانی خوشی نصیب ہوگی۔ اردو اور انگریزی سیکشن بھی آپ کی داد وصول کر ہی لیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر سید رضی محمد
مینجنگ ٹرسٹی، محمد فاؤنڈیشن ٹرسٹ

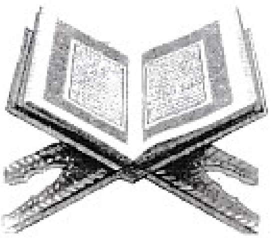

قرآن اور سائنس

سارہ احمد علی، فائنل ائیر، ایم بی بی ایس

جب سے زمین پر نوع انسانی کا ظہور ہوا ہے، تب سے انسان نے ہمیشہ یہ سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ نظامِ قدرت کیسے کام کرتا ہے اور اِس کی تخلیق کیسے ہوئی اور خود زندگی کا کیا مقصد ہے، سچائی کی اِس تلاش میں، جو صدیوں کی مدت اور متنوع تہذیبوں پر پھیلی ہوئی ہے، منظم مذاہب نے انسانی طرزِ حیات کی تشکیل کی ہے اور ایک وسیع تر تناظر میں تاریخ کے دھارے کا تعین بھی کیا ہے۔ مشہور ماہر طبیعیات اور نوبل انعام یافتہ سائنسدان البرٹ آئن اسٹائن نے کہا ہے کہ ''مذہب کے بغیر سائنس لنگڑی ہے اور سائنس کے بغیر مذہب اندھا ہے''۔

قرآن پاک جو اسلامی عقیدے کا مرکزی ماخذ بھی ہے اور مسلمان اسے مکمل طور پر خدائی ذرائع سے نازل شدہ تسلیم کرتے ہیں اس میں ہر زمانے، ہر عہد اور ہر دور کے لوگوں کے لیے پیغام ہے، لہذا اسے ہر دور کے مطابقت میں ہونا چاہیے۔ لیکن کیا قرآن پاک اس کسوٹی پر پورا اُترتا ہے؟

لہذا اب ہم قرآن پاک کا جائزہ لیتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا جدید سائنس اور قرآن پاک میں باہمی مطابقت ہے یا عدم مطابقت؟ جس کو ثابت کرنے کے لیے کچھ تسلیم شدہ حقائق کے بارے میں بات کرینگے۔

لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک کوئی سائنسی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ نشانیوں کی کتاب ہے، آیات کی کتاب ہے اور اس میں چھ ہزار سے زیادہ نشانیاں ہیں، جن میں ایک ہزار سے زائد خالصتاً سائنس سے بحث کرتی ہیں۔

۱۔ کائنات کی تخلیق:

آیت: کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے، غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا۔ (سورہ: 21، آیت: 30)

آج فلکی طبیعیات کے ماہرین ابتدائے کائنات کی وضاحت ایک ایسے مظہر کے ذریعے کرتے ہیں جسے وسیع طور پر قبول کیا جاتا ہے، جسے بگ بینگ (Big Bang) کے نام سے جانا جاتا ہے، اِس نظریے کے مطابق ابتدا میں یہ کائنات ایک بڑی کمیت کی شکل میں تھی، پھر ایک عظیم دھماکہ یعنی بگ بینگ ہوا، جس کا نتیجہ کہکشاؤں کی شکل میں ظاہر ہوا پھر یہ کہکشائیں تقسیم ہو کر ستاروں، سیاروں، سورج چاند وغیرہ کی صورت میں آئیں:

۲۔ چیونٹیوں کا طرز حیات اور باہمی روابط:

آیت: سلیمان علیہ السلام کے لیے جنوں وانسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے تھے اور پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے۔ (ایک مرتبہ وہ ان کے ساتھ کوچ کر رہے تھے) یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ (سورہ: 27، آیت 7 تا 18)۔

تحقیق سے انکشاف ہوا ہے کہ وہ جانور یا وہ حشرات (کیڑے مکوڑے) جن کا طرزِ حیات انسانی معاشرت سے غیر معمولی مماثلت رکھتا ہے وہ چیونٹیاں ہی ہیں۔ اس کی تصدیق ان باتوں سے بھی ہوتی ہے،

۔چیونٹیاں بھی اپنے مُردوں کو انسانوں کی طرح دفناتی ہیں،
۔اُن میں بھی کارکنان کی تقسیم کا پیچیدہ نظام موجود ہے،
۔کبھی کبھار وہ آپس میں ملتی ہیں اور گفتگو بھی کرتی ہیں،
۔ان کی کالونیوں میں باقاعدہ مارکیٹیں ہوتی ہیں جہاں وہ اشیاء کا تبادلہ کرتی ہیں۔
۔سردیوں میں وہ لمبے عرصے زیرِ زمین رہنے کے لیے اناج کے دانوں کا ذخیرہ بھی جمع کرتی ہیں۔

۳۔ شھد : نوع انسانی کے لیے شفا:

آیت: ہر طرح کے پھولوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہ پر چلتی رہ۔ اس مکھی کے (پیٹ کے) اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت

نکلتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے لیے۔ یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں (سورہ:16، آیت:69)

آج سے صرف چند صدیوں پہلے ہی انسان کو معلوم ہوا ہے کہ شہد اصل میں شہد کی مکھی کے پیٹ سے نکلتا ہے مگر یہ حقیقت قرآن پاک نے 1400 سال قبل درج ذیل آیت مبارکہ میں بیان کر دی تھی۔

اس کے علاوہ حال ہی میں یہ دریافت کیا گیا ہے کہ شہد میں شفا بخش خصوصیات پائی جاتی ہیں اور یہ Mild antiseptic کا کام بھی کرتا ہے، اس میں خاصیت ہے کہ یہ نمی کو برقرار رکھتا ہے، بافتوں پر زخموں کے بہت ہی کم نشان باقی رہنے دیتا ہے اور اس کی کثافت کے باعث جراثیم زخم میں داخل نہیں ہوسکتا۔ شہد کی مکھیاں ایک propolis نامی مادہ پیدا کرتی ہیں جس سے وہ اپنے چھتوں کو جراثیموں کے خلاف سربند کرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں اور اس سے سینے اور الزائیم کے عارضوں میں مبتلا مریضوں کا علاج کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ شہد vit: K اور fructose سے بھی بھرپور ہوتا ہے اور یہ الرجی سے نجات دلاتا ہے۔

٤. نشانات انگشت:

آیت: کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟ کیوں نہیں؟ ہم تو اس کی انگلیوں کے پور پور تک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں۔ (سورہ:75، آیات:3 تا4)۔

قرآن پاک اس آیت میں انسانوں کی انفرادی شناخت کی بات کرتے ہوئے، انگلیوں کے پوروں: کا خصوصیت سے تذکرہ کر رہا ہے۔ سائنسی تحقیق میں سر فرانس گالٹ کی تحقیق کے بعد 1880ء میں شناخت انگشت کو شناخت کے سائنسی طریقے کا درجہ حاصل ہوا اور آج پھر یہ جانتے ہیں کہ اس دنیا میں کوئی سے بھی دو افراد کی انگلیوں کے نشانات کا نمونہ بالکل ایک جیسا نہیں، حتیٰ کہ ہم شکل جڑواں افراد کا بھی نہیں۔

٥. جلد میں درد کے آخذنے:

آیت جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں، اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے۔ (سورہ:4، آیت:56)۔

پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ محسوسات اور درد وغیرہ کا انحصار صرف اور صرف دماغ پر ہوتا ہے، البتہ حالیہ دریافتوں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جلد میں درد کو محسوس کرنے والے آخذے ہوتے ہیں۔ اگر یہ خلیات نہ ہوں تو انسان درد کو محسوس کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔

٦. مردانہ اور زنانہ تولیدی اعضاء:

آیت: پھر ذرہ انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ ایک اُچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ (سورہ:86، آیت:5 تا7)

آج کے دور میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ جنسی مراحل میں مردانہ اور زنانہ تولیدی اعضاء ریڑھ کی ہڈی اور گیارہویں اور بارہویں پسلیوں کے درمیان سے نمو پذیر ہونا شروع کرتے ہیں اور بعد میں وہ نیچے اُتر آتے ہیں جس میں زنانہ تولیدی غدود پیڑو میں رُک جاتے ہیں، جبکہ مردانہ اعضائے تولید کے راستے خصیہ دانی تک جا پہنچتے ہیں، حتیٰ کہ اُنکی جگہ تبدیل ہونے کے باوجود ان کی خون رسانی اُس جگہ سے ہی ہوتی ہے جہاں وہ پہلے موجود ہوتے ہیں۔

٧. سورج اور چاند کی حرکت:

آیت: اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا، سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں (سورہ:21، آیت:)

حال ہی میں فلکیات نے چاند اور سورج کے انفرادی مداروں (orbits) کی موجودگی اور حرکت کرتے ہوئے خلا میں ان کے سفر کرنے کے بارے میں دریافت کیا ہے، آج اس حقیقت کو شامل کرلیا گیا ہے کہ سورج اپنے محور پر گردش کر رہا ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ سورج کی سطح پر دھبے ہیں جو اپنا ایک چکر تقریباً 25 دن میں مکمل کر لیتے ہیں، مطلب یہ کہ سورج کو اپنے محور کے گرد ایک چکر پورا کرنے میں تقریباً 25 دن لگ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ سورج تقریباً 240 کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنے سیاروں سمیت خلا میں سفر کر رہا ہے۔ اس رفتار سے تقریباً 20 کروڑ سال میں ہمارے ملکی وے کہکشاں کے مرکز کے گرد اپنا ایک چکر مکمل کرتا ہے۔ اور وہ ساکن کی جگہ جس کی سمت ہمارا سورج اپنے تمام تر نظام شمسی سمیت عازم سفر ہے، اُسے "سولر ایپکس" کا نام دیا گیا ہے اور اُس کی درست جگہ معلوم ہو چکی ہے۔

۸۔ خیموں کی میخوں کی مانند پہاڑ:

آیت: کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا: (سورہ:78، آیت 7 تا 8)۔

ماہرین ارضیات کا کہنا ہے کہ سطح زمین متعدد ٹھوس ٹکڑوں یعنی پلیٹوں میں ٹوٹی ہوئی ہے اور یہ پلیٹس جزوی طور پر پگھلے ہوئے حصے کے اوپر جسے Aesthenosphere کہتے ہیں۔ تیر رہی ہیں۔ زمین کی قعر ارض جس پر ہم رہتے ہیں، پتلی ہے (موٹائی 2 سے 35 کلومیٹر)، لہٰذا اس کے تھر تھرانے یا ہلنے (Earth Quake) کا امکان بھی بہت قوی ہے، ایسے میں پہاڑ خیمے کی میخوں کی طرح کام کرتے ہیں جو قعر الارض کو تھام لیتے ہیں اور اسے قیام پذیر عطا کرتے ہیں۔ ماہر ارضیات ڈاکٹر فرینک پریس بتاتے ہیں کہ پہاڑ بذاتِ خود ایک وسیع تر وجود کا ایک چھوٹا حصہ ہوتا ہے، جس کی جڑیں زمین میں بہت گہرائی تک اُتری ہوتی ہیں اور قرآن پاک پہاڑوں کے کاموں کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں اس لیے بنایا گیا ہے تا کہ یہ زمین کو لرزتے رہنے سے بچائیں۔

۹۔ دو سمندروں اور میٹھے اور نمکین پانی کے درمیان آڑ:

آیت: دو سمندروں کو اُس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے: (سورہ 55، آیت: 19 تا 20)۔

جدید سائنس نے دریافت کیا ہے کہ جہاں جہاں دو مختلف بحیرے آپس میں ملتے ہیں، وہاں وہاں ان کے درمیان آڑ بھی ہوتی ہے۔ دو بحیروں کو تقسیم کرنے والی یہ رکاوٹ ان کثافت کے دوسرے بحیرے سے مختلف ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جن کی وجہ سے اِن دو بحیروں میں پانی کے درمیان پانی ہی کی ایک نازک اور غیر مرئی رکاوٹ (طبعی قوتوں کی وجہ سے) قائم ہوئی ہے جس سے گذر کر ایک بحیرے کا پانی دوسرے میں شامل ہوتا ہے لیکن جب وہ دوسرے میں شامل ہوتا ہے تو وہ اپنی امتیازی خصوصیات کھو دیتا ہے اور دوسرے کے پانی کے ساتھ ہم جنس آمیزہ بنالیتا ہے۔ اس بات کی مثال متعدد مقامات پر پائی گئی ہے۔ جن میں جبل الطارق اور، کیپ پوائنٹ پینسولا جنوبی افریقہ میں بھی پانی کے بیچ ایک سفید پٹی واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ جیسا کہ بحر اوقیانوس اور بحرِ ہند کا میلاپ ہوتا ہے۔

(ب) آیت: اور وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے، ایک لذیذ اور شیریں اور دوسرا تلخ و شور رکاوٹ ہے جو انہیں گڈمڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے۔ (سورہ:25، آیت:53)۔

جدید سائنس نے یہ دریافت کیا ہے ساحل کے نزدیک جہاں دریا کا تازہ پانی اور سمندر کا نمکین پانی آپس میں ملتے ہیں وہاں کی کیفیت اُن مقامات سے جہاں دو سمندر آپس میں ملتے ہیں، مختلف ہوئی ہے اس حصے کو پکنو کلائن زون (Phconocline Zone) کہتے ہیں، جس کی کثافت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے جو کھارے اور تازے پانی کے مختلف لہروں کو ایک دوسرے سے الگ رکھتی ہے اور اس حصے میں نمک کا تناسب تازہ اور کھارے پانی دونوں سے مختلف ہوتا ہے، اس مظہر کا مشاہدہ ہم دریائے سندھ کا بحیرہ عرب میں، اور خاص قابل ذکر دریائے نیل کا بحیرۂ روم میں گرنے سے کر سکتے ہیں۔

۱۰۔ ایٹم بھی تقسیم کیے جا سکتے ھیں:

آیت: منکرین کہتے ہیں کہ اب طے ہے کہ قیامت ہم پر نہیں آ رہی ہے۔ کہو قسم ہے میرے عالم الغیب پروردگار کو وہ تم پر آ کر رہے گی۔ اس سے ذرہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے نہ زمین میں نہ ذرے سے بڑی اور نہ اس سے چھوٹی۔ یہ سب کچھ ایک نمایاں دفتر میں درج ہے۔ (سورہ:34، آیت:3)۔

یہ آیت ہمیں اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کے بارے میں بتاتی ہے اور مزید آگے کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے چاہے وہ ایٹم سے چھوٹی یا بڑی ہی کیوں نہ ہو یعنی یہ آیت واضح طور پر بتاتی ہے کہ ایٹم سے مختصر اشیاء بھی وجود رکھتی ہے، حالانکہ پہلے یہ تصور کیا جاتا تھا کہ مادے کا مختصر ترین یونٹ ایٹم ہے اور حال ہی میں اسی سائنس نے یہ دریافت کیا ہے کہ ایٹم تک کو تقسیم کرنا ممکن ہے جسے آج ہم پروٹون اور الیکٹرون کہتے ہیں۔

الحمدللہ ان کے علاوہ ایسی بہت ساری نشانیاں ہیں جو آج سائنسی لحاظ سے بھی ثابت ہو چکی ہیں اور جن پر ابھی Research جاری ہے اور قرآن پاک میں یہ سارے حقائق بیان کرنے والا وہی ہے جس نے اس کائنات کو بنایا ہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے اور سیدھے راستے پہ چلنے کی توفیق دے۔ (آمین)

تیرے رنگ رنگ

انیقہ نذر، سال آخر

انسان بھی عجب مخلوق ہے خود تماشہ ہے اور خود ہی تماشائی خود ہی میلہ لگاتا ہے اور خود ہی دیکھنے نکلتا ہے۔

اکثر دل میں خیال آتا ہے کہ ہم کسی کے درد کا درماں بنیں کسی مجبور بے کس کی مدد کریں اور کبھی تو کسی کی بے کسی پہ رو بھی پڑتے ہیں۔ مگر زندگی کی رعنائیاں بچپن کی حدوں تک ہی محسوس ہوتی ہیں اسکے بعد جیسے جیسے اردگرد کا شعور آتا ہے زندگی کی رعنائیوں کو کڑے حقائق لگنا شروع کردیتے ہیں۔ پھر ذہن و دل ایک عجیب سی کشمکش میں مبتلا ہوجاتا ہے ہم میں سے بہت سے لوگ ایک عزم مسلسل لیکر ایک تعمیری سوچ کے ساتھ نکل پڑتے ہیں کہ ہم سب نہیں تو کم از کم چند ایک لوگوں کے دکھوں کا تو درماں کرسکیں۔ بہت سے نامور لوگ ہیں جو اس میدان میں اپنی صلاحیتوں کو اپنی محبتوں کو مشعل راہ بنائے ہوئے ہیں جن میں بہت سی تنظیمیں اور بہت سے ادارے شامل ہیں۔ ان ہی مشہور لوگوں میں سے عبدالستار ایدھی اور انصار برنی بھی ہیں کسی کے دکھ چننے کے لیے بس ایک جذبہ درکار ہوتا ہے اور جن میں وہ جذبہ موجود ہوتو راہیں خود بخود کھل جاتی ہیں۔ غم خوشی دکھ درد، مال دولت سب آزمائشیں ہیں۔ اگر کسی کے پاس دولت ہے تو وہ بھی آزمائش ہے کہ بندہ کس قدر فیاضی اور سخاوت دکھاتا ہے کتنا اللہ کے بندوں پر خرچ کرکے اللہ کے شکرگزار بندوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح غربت بھی آزمائش ہے کہ کس طرح غریب انسان غربت کے سمندر میں اپنے اللہ سے لو لگاتا ہے۔ جب ہم ہر حال میں زیر آزمائش ہیں تو پھر غرور کیسا اپنی امارت پر۔ اور کسی غریب کی لاچاری اور بے کسی کیسی ہم یہ مانتے ہیں اللہ اپنے بہت سے بندوں سے اپنے دوسرے بندوں کی خدمت کا کام لے رہا ہے۔

باتوں سے سو جاتی ہیں تو میں اکثر
باتوں سے ہی بیدار بھی ہوجاتی ہیں

ایک اٹل سچائی یہ بھی ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ تو اردگرد کی غمگین اور سسکتی دنیا سے نظریں چرا لیتے ہیں لیکن وہیں پر بہت سے جب مدد کرنے کو اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو اس سمندر میں انھیں بہت ہی خطرناک موج اور بھنور کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اکثر ویسا ہوتا نہیں جیسا نظر آتا ہے اور اکثر حالت نظر آنے سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔

بات ہو رہی تھی اس جذبے کی جو سسکتے وجود کو تھامے آگے بڑھتا ہے۔ ہماری نوجوان نسل کی مثال لے لیں بہت سے طالب علم اپنے محدود دائرے میں جتنا ممکن ہوسکتا ہے غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر ان تمام پُرعقیدت جذبوں کے ساتھ ساتھ انہیں بہت سے نئے رنگ نئے روپ دیکھنے کو ملتے ہیں ابھی تو ہم طالب علموں کی معلومات بڑی محدود سی ہیں کہ ابھی گھر سے نکلنے والا قدم ابتدائی ہے آگے جو روپ ملیں گے تو ہم بھی انگلیاں دانتوں تلے دبالیں گے۔ لوگوں کے دکھوں سے زیادہ اپنی بے کسی پر دکھ ہوتا ہے کہ ہم کسی کی مدد نہیں کرسکتے۔

زندگی نشیب و فراز تو مان لیتے ہیں ایک حقیقت ہیں مگر ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بہت سے اضافی مصائب زیادہ پریشان کردیتے ہیں۔ دوسروں کی خدمت کا جذبہ ایک نعمت ہے۔

جہاں پر یہ سچ اپنی جگہ ناقابل برداشت ہے کہ ایک شخص علاج نہیں کرواسکتا ہے۔ یہ حقیقت بھی اپنی تمام تر سیاہ کاریوں سمیت اٹل ہے کہ کچھ لوگ اسی غریب پروری کے نام پر عوام کی ہمدردیوں کو بیچتے ہیں۔

زندگی کے بھی کئی روپ ہیں

☆ ایک علاج کے لیے ترستا ہے
☆ دوسرا بیماری اور محتاجی کو کیش کرتا ہے
☆ تیسرا دی گئی امداد کو کسی اور ضرورت پر خرچ کردیتا ہے۔
☆ چوتھا آپ کی اس ہمدردی کو ذریعہ معاش بنالیتا ہے۔
☆ پانچواں جس کو تو کوئی فکر نہیں (فکر نہ فاقہ، عیش کر کاکا)

واہ میرے مولا تیرے رنگ رنگ ایسے میں ابرار الحق صاحب گاتے سنائی دیتے ہیں "تیرے رنگ رنگ" اگر آپ کسی غریب بیمار شخص کی مدد بھی کردیں کہ تم علاج کروالینا تو اسکی زندگی میں اور بھی ضرورتوں نے منہ کھولا ہوتا ہے۔ کہ اس شخص کو اپنی جان ان ضرورتوں کے آگے ارزاں لگتی ہے اور وہ اپنے علاج پر خرچ کرنے کے بجائے ان ضرورتوں کو پورا کر ڈالتا ہے۔ اس کی ایک مثال میں آپ کو دیتی ہوں۔ ہماری ایک دوست جو میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہیں۔ اسپتال میں انہوں نے ایک استھما کے ایسے مریض کو دیکھا جو

کافی سیریس حالت میں تھا اور اسکی بیوی رو رہی تھی۔ بقول ڈاکٹر کے وہ ان کا پرانا مریض ہے اور اکثر آتا ہے اور رقم نہ ہونے کے باعث Inhaler نہیں خرید سکتا۔ ہماری دوست کی ہمدردی جوش میں آئی اور انہوں نے Inhaler لینے کے لیے اس کی مالی امداد کی۔ کافی دنوں کے بعد وہ مریض پھر او۔ پی۔ ڈی میں تھا اور اس کی بیوی پریشان تھی اس نے دیکھا اور خریت پوچھنے کے ارادے سے ان کے پاس گئی تو پتہ چلا کہ اُس شخص نے Inhaler کے لیے دیئے گئے پیسوں کو گھر کے اخراجات میں لگا دیا۔

زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیم
بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا

اب تصویر کا ایک اور دردبھرا رخ دیکھئے کہ جہاں ہماری دوست اپنی جیب خرچ سے ایک غریب کی مدد کرتی ہے وہیں پر کچھ لوگ ایسے ہیں جو ان سادہ اور بے ریا لوگوں کی ہمدردیوں کو کیش کرتے ہیں اور جو اپنے مذہب کے نام پر لوگوں کی ہمدردیوں کو بیچتے ہیں۔ جیسے ایک جاننے والے بتا رہے تھے کہ وہ حیدرآباد میں اپنی دکان پر بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی اندر آیا اُس نے پوچھا کہ یہ ٹرالی سائیکل کتنے کی ہے۔ دکاندار نے جواب دیا چھ ہزار کی ہے۔ وہ شخص یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں شام میں آکر اسے خریدوں گا۔ شام میں وہ شخص ایک وڈیرے کے ساتھ آیا جو کافی غریب پرور اور شریف انسان تھا۔ وہ شخص دکاندار سے بولا کہ یہ آپ کو ٹرالی سائیکل کی ادائیگی کردینگے۔ آپ رسید بنا کردیں۔ وہ شخص جس نے ادئیگی کرنی تھی وہ چھ ہزار روپے کی ادائیگی کر کے چلا گیا تو اس پہلے شخص نے دکاندار سے کہا کہ وہ فلاں ٹرسٹ سے آیا ہے اور غریبوں کی مدد کرتا ہے۔ تم میرے ٹرسٹ کے لیے کتنی مدد کر سکتے ہو۔ دکاندار نے اس سے ایک سو روپے کی پرچی بنوائی دکاندار نے اُسے چائے پلائی اُس شخص نے چائے کے کپ کو ٹرالی سائیکل کے اوپر رکھا تو اُس پر چائے کے کپ کا نشان پڑ گیا تھوڑی دیر میں وہ شخص سائیکل لے کر رخصت ہو گیا۔

چند دنوں بعد اس دکاندار کا کراچی جانا ہوا وہاں پر صدر میں ایک دکان پر اُس نے وہی ٹرالی سائیکل دیکھی جس پر چائے کے کپ کا نشان پڑا ہوا تھا۔ دکاندار نے اس سے کہا کہ آپ نے یہ سائیکل کہاں سے لی تو اُس نے کہا کہ ایک شخص یہ بیچ کر گیا ہے وہ کہہ رہا تھا کہ اُسکے بھائی کی تھی اور اس کا انتقال ہو گیا ہے لہذا وہ اب بیچنا چاہتا ہے۔ جس دکاندار سے سائیکل خریدی گئی تھی انہوں نے فوراً ٹرسٹ کے نام کاٹی گئی پرچی نکالی اور اس پر درج شدہ ٹیلیفون نمبر پر فون کیا تو پتہ چلا کہ ایسا کوئی شخص اُن کے ٹرسٹ سے وابستہ نہیں ہے غالباً کوئی اُن کے ٹرسٹ کی پرچیوں کا غلط استعمال کر رہا تھا۔

کون اس شہر میں وہ آئینے تقسیم کرے
جن میں باطن بھی نظر آتا ہو ظاہر کی طرح

واقعی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حالات کے زیادہ بگاڑ میں بھی انسان کا ہاتھ ہوتا ہے۔ انسان جو مساجد کے نام پر بھی چندہ جمع کرنے سے گریز نہیں کرتا کچھ تو ایسے ہوتے ہیں جو بھیک کی خاطر اپنی حالت سدھارنا نہیں چاہتے ہیں۔ بلکہ اکثر تو اپنے آپ کو ان حالات تک خود ہی پہنچا دیتے ہیں۔ کہ وہ اپنے پیشے کو چمکا سکیں۔ ملک کے کسی حصے میں تباہی ہوئی سیلاب، زلزلہ یا حالات خراب ہوئے تو جہاں بہت سے لوگ واقعی انسانیت کی خدمت کررہے ہوتے ہیں وہیں پر بہت سے لوگ معصوم اور بھولے بھالے لوگوں کی ہمدردی سے اپنی تجوریاں بھر رہے ہوتے ہیں۔

اب آپ بتائیں خرابی کہاں ہے۔ کون کہتا ہے کہ دنیا میں ہمدرد اور مخلص لوگوں کی کمی ہے۔ کمی تو نہیں مگر بگاڑ پیدا کر رہے ہیں وہ حالات جو ایک غریب مریض کو دی گئی امداد اپنے اوپر خرچ نہیں کرنے دیتے چاہے وہ غریب ہو یا نام نہاد ٹرسٹ اور ادارے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پر آکر بہت سے لوگ بس چپ ہو جاتے ہیں، انتہائی بے بس نظر آتے ہیں۔

چلے آؤ اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھو
آج وہ فیصلے کر لو جو کل محشر میں ہونے ہیں

ان تمام حالات کے باوجود بہت سے قافلے رواں دواں ہیں اور مصروف عمل ہیں اور لوگوں کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔ کہ امید چونکہ روشنی ہوتی ہے۔۔۔۔تمہید ہوتی ہے اس لیے توقعات کی مشعلیں اسکے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

کھول یوں مٹھی کہ جگنو نہ نکلے ہاتھ سے
آنکھ کو ایسے جھپک کہ کوئی اوجھل نہ ہو
پہلی سیڑھی پہ قدم رکھ، آخری سیڑھی پہ نظر
منزل کی جستجو میں رائیگاں کوئی پل نہ ہو

☆☆☆☆☆☆

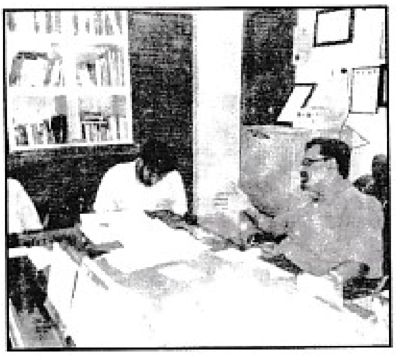

سر رضی سے انٹرویو

سوال پوچھنے والوں کے نام

کفایت اللہ، کرن غوری، محمد لطیف شہزاد، کائنات، مبشرہ، خدیجہ سندس، ایوب جوگی، حنیف اللہ، ظفر علی، بلال، تابش علی زیدی، وارث علی جکھرانی، نذیر خان، وطن یار۔

سیکھنا اور سکھانا جتنا انسان پرانا ہے اتنے ہی یہ دو الفاظ پرانے ہیں۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان الفاظ کو عمل میں لانے کے طریقے تبدیل ہوتے گئے ہیں۔ اور ہمیشہ انسان جانے انجانے میں سیکھنے یا سکھانے کے تجسس میں رہا ہے اور اسی طرح پوری زندگی گزر گئی نئے لوگ آتے رہے اور ان کی بھی زندگی اپنے کاموں میں گزر گئی اور اسی طرح یہ سلسلہ آج ہم تک آ پہنچا۔ آج بھی ہم صبح سے شام تک دن رات اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا اگر ہم کسی سے کچھ پوچھ کے اپنے تجسس کا اظہار کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ انجانے میں اپنی حرکات اور سکنات سے دوسروں کو سکھاتے بھی ہیں۔ لیکن یہ انحصار کرتا ہے دیکھنے والے کی نظر کی گہرائی پہ کہ وہ کہاں تک اس گہرائی میں غرق ہو کے کچھ جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے شاید یہی تجسس ہے۔ سیکھنے اور سکھانے کی جس نے دنیا میں لوگوں کو بڑے بڑے یونیورسٹیز اور کالجز بنانے میگزین اور کتابیں لکھنے کے لیے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا اور اسی جذبے کے بھاؤں سے شاید ہم بھی بچ نہ سکے اور آج ایک کالج میں طلبہ کی حیثیت سے یا اساتذہ کی حیثیت سے جمع ہیں اور مختلف طریقوں سے سیکھنے اور سکھانے کے جذبے کو تسکین پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ محمد میڈیکل کالج کا مجلہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے اور اس میں محمد فاؤنڈیشن ٹرسٹ اور محمد میڈیکل کالج کے مینجنگ ٹرسٹی پروفیسر سید رضی محمد کا انٹرویو شامل کرنا بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس نٹرویو میں ایم ایم سی ”سال اول سے سال آخر تک“ کے طلبا و طالبات نے مختلف سوالات پوچھے ہیں۔ سوالات کی کلیکشن سال آخر کے طالب علم کفایت اللہ، کرن غوری، محمد لطیف شہزاد اور حمیر لطیف نے کر کے پروفیسر ڈاکٹر سید رضی محمد سے جوابات کے لیے انٹرویو کر کے مجلہ مسیحا کے قارئین کے سامنے لانے کی کوشش کی۔

سوال نمبر ۱ : آپ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

جواب : 06 جون 1959 کو حیدر آباد میں پیدا ہوا۔

سوال نمبر ۲ : آپکا بچپن کیسے گزرا؟ کچھ خاص واقعات آپکے بچپن کے؟

جواب : میرا بچپن جدو جہد کر کے گزرا 12 سال کی عمر میں ہاسٹل چلا گیا مگر والدین اور گھر سے مضبوط تعلق رہا۔ ہاسٹل میں بھی اچھے اساتذہ ملے اور انہوں نے مجھے یہ سکھایا کہ انسان کا کردار مضبوط ہونا چاہیے اور وقتی نقصان اور تکالیف سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

سوال نمبر ۳ : آپ نے میٹرک، انٹر میڈیٹ اور ایم بی بی ایس کہاں سے کیا؟

جواب : میٹرک اور انٹر میڈیٹ پبلک اسکول حیدر آباد سے اور ایم بی بی ایس Dow Medical College, Karachi سے کیا۔

سوال نمبر ۴ : آپ کی تعلیم و تربیت میں والدین کا کیا کردار رہا؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جس پوزیشن پر آج ہیں یہ صرف والدین ہی کی وجہ سے ہے؟

جواب : میری والدہ نے میری تعلیم میں شدید محنت کی یہی وجہ ہے کہ میں نے پہلی کلاس سے اخبار پڑھنا شروع کیا۔ والد صاحب کا تعلق تعلیمی لحاظ سے کم رہا لیکن پھر بھی میں نے انگریزی ان ہی سے سیکھی البتہ میڈیکل کی تعلیم میں بہت پوچھتے تھے۔ تعلیم سے زیادہ میرے کردار اور تربیت میں ان کا اہم کردار ہے۔ یعنی میرے ساتھ والدین کا بھرپور ساتھ رہا اور اساتذہ کا بھی اہم کردار رہا۔

سوال نمبر ۵ : ایم بی بی ایس کرنے کے بعد آپ نے سرجری کی فیلڈ میں جانا چاہا اس کی کوئی خاص وجہ؟

جواب : یہ مجھے خود بھی نہیں پتہ کہ میں سرجری کی فیلڈ میں کیوں آیا لیکن ابھی ایم ایم سی بنانے کے بعد مجھے اپنی چھٹی کلاس کی ایک کتاب ملی

جس پہ میں نے لکھا ہوا تھا ڈاکٹر سید رضی محمد، ایم بی بی ایس (ڈاؤ)، ایف آر سی ایس۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ خیال بچپن ہی سے میرے ذہن میں تھا۔

سوال نمبر۶ : آپ بیرونی ممالک بھی آتے جاتے ہیں جب پہلی دفعہ جا رہے تھے تو آپ کے کیا تاثرات تھے؟

جواب : میں اپنے گھر میں پہلا شخص تھا جو سب سے پہلے foreign جا رہا تھا۔ میں PLAB دینے گیا تھا۔ اس زمانے میں PLAB میں لوگ بہت مشکل سے پاس ہوتے تھے میری والدہ نے کہا کہ تم کس طرح پاس ہوگے میں نے کہا میں پاس ہوکے آؤنگا اور پاس ہوئے بغیر واپس نہیں آؤنگا۔ گھر سے رخصت ہوتے وقت پورے خاندان کے لوگ جمع تھے۔ رونے دھونے کا سماں تھا۔ خوشگوار ماحول نہیں تھا۔

سوال نمبر۷: وہ کون سی چیز ہے جس کو آپ باہر کی دنیا کی نسبت نعمت سمجھتے ہیں؟

جواب : ''اپنائیت'' اپنے لوگوں کا ہونا۔

پلٹ کے آئے غریب الوطن پلٹنا تھا
وہ کوچہ روکشِ جنت ہو، گھر ہے گھر پھر بھی

سوال نمبر۸ : ایم ایم سی کی بنیادوں میں یوں تو کافی سارے لوگوں کی کاوشیں ہونگی آپ کن کو ایم ایم سی کا بانی قرار دینگے اور ان کے علاوہ پانچ اور کون لوگ ہیں جن کو آپ سمجھتے ہیں کہ سب سے زیادہ کچھ کیا ہے ایم ایم سی کے لیے؟

جواب : ایم ایم سی کی نظریاتی بنیاد تو والد صاحب ہی نے رکھی۔ ان کے علاوہ پروفیسر ایف یو بقائی، جنرل اظہر احمد، پروفیسر حسن میمن والدہ کی دعائیں اور کوششیں اور ایڈمنسٹریشن اور اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ میں سید محمد مسیح صاحب اور توقیر صاحب اور انکے علاوہ انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں انتخاب اور سارے ہی ورکرز، مزدور پھر فیکلٹی اور طلباء و طالبات، سب کا اپنا اپنا کردار ہے جس میں سے کسی کو کم نہیں کیا جاسکتا۔

سوال نمبر۹ : آج کا ایم ایم سی آپ کے ان خیالات میں پورا اترتا ہے جو باتیں آپ نے کالج کے پہلے دن سوچی تھی؟

جواب : اس کا جواب ہاں یا نہیں میں دینا مشکل ہے بہت سے اعتبار سے ہاں اور بعض اعتباروں سے نہیں بھی۔ یعنی جو چیزیں انفرادی میڈیکل کالج کے لحاظ سے ہیں وہ کافی بہتر ہیں۔ اس وقت بہت سے میڈیکل کالجز کے پرنسپلز اور سینیر پروفیسرز کے بچے یہاں پڑھ رہے ہیں اور یہ میڈیکل کمیونٹی کا ایم ایم سی پر اعتماد کا ثبوت ہے۔ لیکن جو ملک کے حالت ہیں اس کے اثرات کالج میں بھی ہیں خدا سے دعا ہے کہ حالات ٹھیک ہوں۔

سوال نمبر۱۰: آپ کے خیال میں ایم ایم سی کی ایڈمنسٹریشن، فیکلٹی اور اسٹوڈینٹس میں کیا کمی ہے۔ جن کو دور کرنا آپ کے خیال میں نہایت لازمی ہے؟

جواب : وہی جو پورے پاکستان میں ہے۔ یعنی اپنے ادارے سے خلوص کی کمی، ذاتی مفادات کو اجتماعی مفادات پر ترجیح دینا، چھوٹے اور مختصر مدت کے لیے حاصل ہونے والے فائدوں بڑے اور طویل مدت المدت فائدوں پر ترجیح دینا یعنی holistic Approach کی کمی۔

سوال نمبر۱۱ : ایم ایم سی کے لیے فیوچر پلاننگ کیا ہے؟ اور اگلے دس سال میں آپ ایم ایم سی کو کہاں دیکھنا چاہتے ہیں؟

جواب : میں میڈیکل ایجوکیشن میں ایم ایم سی کی دنیا بھر میں ایک نمایاں حیثیت دیکھنا چاہتا ہوں۔

یہ بات تو آج بھی درست ہے جتنی سہولیتیں اور سپورٹ آج ایم ایم سی کے اسٹوڈنٹس کو حاصل ہیں۔ ہمارے زمانے میں 1/4 بھی ہمیں حاصل نہیں تھی لیکن پھر بھی کچھ خامیاں ضرور ہیں۔ اسٹوڈینٹس میں بھی اور فیکلٹی میں بھی جن کو دور کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

سوال نمبر۱۲: ایم ایم سی کے لیے اپنی plannings کو کامیاب بنانے کے لیے آپ اسٹوڈینٹس اور فیکلٹی سے کیا توقعات رکھتے ہیں؟

جواب : اسٹوڈنٹس سے یہی توقع ہے کہ اپنی سوچ کو مثبت اور درست سمت پر لگائیں اور شدید محنت اور ہمت سے آگے بڑھیں اور اپنا کردار اچھا رکھیں۔ فیکلٹی محنت اور کمٹمنٹ کے ساتھ پڑھائیں اور ساتھ ساتھ تربیت بھی کریں جیسے کہ ایک باپ کو اپنے بچوں کی تربیت کرنی چاہیے۔

سوال نمبر۱۳: آپ اپنے آپ کو ایک جملے میں بیان کیجئے؟

جواب : اللہ پاک کا شکر ہے بہت مطمئن زندگی گزری ہے۔

سوال نمبر۱۴: آپ اپنی monthly income کا کتنا فیصد اپنی ذات پر خرچ کر رہے ہیں اور آپ کی سادگی کی وجہ کیا ہے؟

جواب : اس وقت تو صحیح اندازہ مجھے نہیں ہے۔ but it has to

be less than 5% میرے ترجیحات متعین ہیں۔ میں academic excellence پہ یقین رکھتا ہوں۔ فارغ اوقات میں اپنی شاعری پہ توجہ دیتا ہوں اور یہ ہی وجہ ہے میری سادگی کی۔ کیوں کہ پر تکلف زندگی کے لیے وقت درکار ہوتا ہے اور وہ میرے پاس ہے نہیں۔

سوال نمبر ۱۵: آپ کو کبھی شلوار قمیض میں نہیں دیکھا اس کی کوئی خاص وجہ؟

جواب : کوئی خاص وجہ نہیں۔ پتلون کا فائدہ یہ ہے کہ بندہ active رہتا ہے اور جب موٹا ہونا لگے تو پتہ چل جاتا ہے شلوار قمیض ہمارا قومی لباس ہے اور اچھا بھی لگتا ہے گھر میں اور تقریبات میں پہن لیتا ہوں البتہ کالج میں avoid کرتا ہوں۔

سوال نمبر ۱۶: آپ کو اپنی کون سی عادت بری لگتی ہے؟

جواب : بری تو نہیں کہ سکتے البتہ نقصان دہ کہہ سکتے ہیں۔ جلدی مان جانے کی عادت۔

سوال نمبر ۱۷: اگر آپ کو اپنے آپ سے ایک سوال پوچھنے کا موقعہ دیا جائے تو وہ سوال کیا ہوگا؟

جواب : سب سوالوں کے جوابات ہیں میرے پاس ایسا کوئی سوال نہیں رہا جو خود سے پوچھنا باقی ہو۔

سوال نمبر ۱۸: محبت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب : دنیا میں سب سے مقدس اور misused word محبت جس کی بہت زیادہ exploitation کی جاتی ہے اور بدقسمتی سے یہ وہ لوگ کرتے ہیں جن کو محبت کرنے کا سلیقہ ہی نہیں ہے۔

سوال نمبر ۱۹: آپ شاعری بھی کرتے ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں شاعر بننے کے لیے محبت کا ہونا ضروری ہے؟

جواب : شاعر تو کیا میرے خیال میں تو انسان بننے کے لیے بھی محبت لازمی ہے۔

سوال نمبر ۲۰: آپ کا پسندیدہ شاعر اور کوئی ان کا شعر۔ اسکے کے علاوہ آپ کا پسندیدہ شعر؟

جواب : میرے پسندیدہ شاعر مرزا غالب ہے۔ انہی کا شعر ہے۔

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پا پایا

اسکے علاوہ اپنے شعروں میں میرا پسندیدہ شعر ہے۔

یہ وصف عشق نہیں وصف ذات تھا جس نے
شعار عشق سے پہلے ، وفا شعار کیا

سوال نمبر ۲۱: کالج کے وہ اسٹوڈینٹس جو distinctions لیتے ہیں یا جن کی پوزیشن آتی ہیں ان کے لیے کوئی award cermony نہیں کرائی گئی اور نہ ہی convocation کرائی گئی۔ کیا آپ کے خیال میں ایسا ضروری نہیں ہے اور فیوچر میں ایسا ممکن ہوسکتا ہے۔

جواب : میرے خیال میں ایسا ہونا چاہیے اور ہوگا انشاءاللہ۔

سوال نمبر ۲۲: کچھ اسٹوڈنٹس سمجھتے ہیں کہ کالج ایڈمنسٹریشن اسٹوڈنٹس کے ساتھ تعاون نہیں کر رہی کیا آپ کے خیال میں واقعی ایسا ہے؟

جواب : یہ ہمارا قومی کردار ہے کہ ہم سوچتے ہیں کہ اصول صرف دوسروں کے لیے ہو خود اصولوں پر عمل کرنا گراں گزرتا ہے۔ ہاں اگر کوئی مجھے کہے کہ یہ اصول ہی غلط ہے تو وہ آ کے discuss کریں۔

سوال نمبر ۲۳: آج کل دیکھنے میں آیا ہے کہ کتاب اور قاری کا رشتہ غیر مستحکم ہو رہا ہے۔ آپ کے خیال میں ایسا کیوں ہے اور اس کمی کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟

جواب : اصل میں آج کل man has become victim of his own sucess انسان کی کامیابیوں نے انسان کو مشینی بنا دیا ہے۔ انسان اپنی کامیابیوں کو صحیح طریقے سے utilise نہیں کر پا رہا اور جن چیزوں میں وقت صرف کرنا چاہیے اس میں صرف نہیں کرتا اور کتاب اور قاری کا رشتہ تو ایک ایسا رشتہ ہے جو سب سے آسانی سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اب اس کو مضبوط کیسے کیا جاسکتا ہے محنت سے اپنے objective متعین کر کے ٹائم کو manage کر کے اور کاموں کو prioritise کر کے اس کمی کو دور کیا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر ۲۴: پاکستانی ڈاکٹرز اور foreign کے ڈاکٹرز میں آپ کو کیا فرق نظر آ رہا ہے؟

جواب : وہ ہی جو پاکستان کے لوگوں اور باہر کے لوگوں میں فرق ہے یعنی ہمارے لوگ صلاحت ہونے کے باوجود سستی اور کاہلی سے کام لیتے ہیں۔ ہمارے یہاں organisation اور discipline کی کمی ہے۔

سوال نمبر ۲۵: پاکستان میں صحت کی جو صورتحال ہے۔ آپ کے خیال میں اس کے ذمہ دار سیاسی ہیں یا معاشرتی حالات؟

جواب : سب پر ذمہ داری آتی ہے سب گنہگار ہیں ۔حکمران، سیاست دان اور بیوروکریٹ ماحول اور سسٹم بنانے میں ناکام رہے ہیں اور جو ڈاکٹر بن گئے ہیں وہ اپنے ذاتی مفادات پورے کرنے کی لگن میں مصروف ہیں اور اپنے پیشے سے انصاف نہیں کر رہے پچھلے 25 سالوں میں میڈیکل سائنس میں جو انقلابات آئے ہیں ۔ان میں کچھ یہ ہیں

1. Better communication skills
2. Eveidence based medicine
3. Medical ethics
4. New methods of medical educaiton

such as problem based learning

بدقسمتی سے ہمارے ڈاکٹرز ان انقلابات سے دور ہیں ۔

سوال نمبر ۲۶: ایک ڈاکٹر ملکی اور قومی ترقی میں کیا اور کیسے کردار ادا کر سکتے ہیں؟

جواب : جب وہ اسٹوڈنٹ ہو ۔تو اپنی صلاحیتوں کو جلا بخشے اور زندگی بھر اس کو برقرار رکھے ۔اور جب ڈاکٹر بن جائے تو اپنی پوری زندگی انسانیت کے اصولوں کو ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر اپنائے ۔اور کسی ذاتی ،خاندانی ،قومی ،لسانی اور مذہبی جذبے کو اپنے پیشہ وارانہ ذمہ داریوں پر فوقیت نہ دے ۔

اللہ تعالیٰ کی محبت

عذرا پروین، سال آخر

اللہ تعالیٰ کی محبت جب کسی انسان کے باطن میں ضوفگن ہوتی ہے تو اسے ہر مشغول کرنے والی چیز اور تاریکی میں ذکر خدا کے علاوہ ہر ذکر سے علیحدہ کر دیتی ہے اللہ سے دوستی رکھنے والا شخص اللہ کے ساتھ باطن کے لحاظ سے تمام لوگوں سے زیادہ مخلص ہوتا ہے ۔گفتگو کے لحاظ سے تمام لوگوں سے زیادہ صادق ہوتا ہے اور عہد و پیمان کے لحاظ سے تمام لوگوں سے زیادہ وفادار ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو ناپسند فرماتے ہیں تو اس کے دل میں مال کی محبت ڈال دیتے ہیں ۔

حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی فرمائی کہ ''مجھ سے محبت کرو اور میری مخلوق میں بھی مجھ سے محبت پیدا کرو'' حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا پروردگار تو بہتر جانتا ہے کہ میرے نزدیک تجھ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں لیکن میں بندوں کے دلوں کے بارے میں کیا کیا کروں؟

اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ تم انہیں میری نصیحتیں یاد دلاؤ تو وہ مجھے اچھائی کے ساتھ ہی یاد کریں گے ۔

حضرت علیؓ کے فرامین

محمد رضوان جاوید، سال آخر

☆ خود پسندی اور خوشامد پسندی سے بچتے رہنا کیونکہ شیطان ایسے موقعے کی تلاش میں رہتا ہے اور جوں ہی اُسے ایسا موقعہ ملے وہ نیک لوگوں کی نیکیاں ختم کر ڈالنے پر کمر بستہ رہتا ہے ۔

☆ رعایا کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بعد کبھی احسان نہ جتانا، نہ اس سلوک کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا ۔عوام سے کیے گئے وعدوں کی خلاف ورزی نہ کرنا کیونکہ احسان جتانے سے یا احسان اور نیکی کو بڑھا کر دکھانے سے نور حق ختم ہو جاتا ہے ۔ وعدہ خلافی سے اللہ بھی ناراض ہوتا ہے اور بندے بھی، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے ۔
ترجمہ: ''اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں ہو'' ۔

☆ اپنے امور میں جلد بازی سے کام نہ لینا ہر کام کو وقت پر انجام دینا ۔نہ وقت سے پہلے عجلت سے کام لینا نہ وقت آجانے پر سستی یا کمزوری کا مظاہرہ کرنا ۔اگر کوئی معاملہ مشتبہ ہو تو اس پر اصرار نہ کرنا اور واضح ہو تو کمزوری نہ دکھانا ۔

☆ دیکھو، کسی ایسی چیز کو اپنے لیے مخصوص نہ کر لینا جس میں سب کا حق برابر ہو ۔ اگر خود غرضی سے کام لیتے ہوئے تم نے کوئی چیز حاصل کر بھی لی تو وہ تم سے چھن جائے گی، جلد ہی آنکھوں پر سے پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور مظلوم کی داد رسی کی جائے گی ۔

☆ سزا دینے میں جلدی نہ کرو بلکہ جب تمہارا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے تو پھر مناسب فیصلہ کرو ۔اپنے نفس پر اس طرح قابو پانے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیشہ اللہ کی بازپرس کا خیال اپنے ذہن میں تازہ رکھو ۔

وہ کہتے ہیں (انٹرویوز)

کفایت اللہ (سالِ آخر)

آرٹیکل لکھوں، افسانہ لکھوں، کہانی لکھوں یا غزل لکھوں۔ کیسے اظہار کروں اپنے مافی الضمیر کا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو طلبہ جیسے ننھے لکھاریوں کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی ان ننھے لکھاریوں کا بنایا ہوا گلدستہ "مسیحا" آپ کے ہاتھ میں ہے۔ گذشتہ گلدستوں کی نسبت اس دفعہ ایک اور پھول بھی شامل کیا گیا ہے۔ جس میں طلبہ کے بے ڈھنگ سوالوں کے ساتھ اساتذہ کے سنجیدہ جوابات بھی شامل ہیں۔ یہ بارہ سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ ہے جسے سالِ آخر کے طالب علم کفایت اللہ اور محمد لطیف شہزاد نے تیار کیا ہے اور فیکلٹی ممبرز سے انٹرویو کر کے انکے خیالات آپ کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح کے سوالات پوچھنے کا مقصد اساتذہ کی زندگی کے مختلف رخ طلبہ کے سامنے لانا تھا۔ کچھ اساتذہ نے نہائت سنجیدگی سے سوالات سن کر جوابات دیئے لیکن کچھ اساتذہ نے طنز و مزاح سے بھرے قہقہوں کی گونج میں اپنے خیالات کا اظہار کیا، جس نے اس کاوش کو مزید خوبصورت بنا دیا۔ امید ہے کہ ہر پڑھنے والے لطف اندوز ہوگا۔

کیا MBBS کرنے کے لیے book worm بننا لازمی ہے؟

جوابات	اساتذہ
محنت لازمی ہے book worm بننا لازمی نہیں	پروفیسر سید رضی محمد
ہاں ضروری ہے	پروفیسر نور محمد میمن
بالکل ضروری نہیں کیوں کہ آج کل پڑھنے سے زیادہ سیکھنے پر زور دیا جاتا ہے	پروفیسر دریا خان
نہیں	پروفیسر عقیل الرحمٰن
نہیں	پروفیسر اعظم قریشی
ضروری نہیں	پروفیسر غلام نبی
جی، بالکل لازمی ہے	ڈاکٹر امیر خان
صرف bookworm ہی نہیں practical work بھی لازمی ہے	پروفیسر عبدالرحیم سیال
بالکل لازمی ہے	پروفیسر اسلم چنا
نہیں	ڈاکٹر رحمت اللہ
نہیں ضروری نہیں	ڈاکٹر شمس العارفین خان
لازمی تو نہیں ہے	ڈاکٹر نور محمد شیخ
جی ہاں	ڈاکٹر غلام رسول
جی ہاں	ڈاکٹر سکندر
لازمی نہیں ہے	ڈاکٹر فیض محمد میمن
نہیں ایسا ضروری نہیں	ڈاکٹر نوید اقبال
ہاں	ڈاکٹر جاوید راجپوت
نہیں	ڈاکٹر آسیہ بتول

اگر آپ کو MMC کا پرنسپل بنا دیا جائے تو سب سے پہلا کام کیا کرینگے؟

جوابات	اساتذہ
کالج میں ڈسپلن اور طلبا، اور اساتذہ کی حاضری کو یقینی بناؤنگا۔	پروفیسر سید رضی محمد
میں بے اختیار پرنسپل بننا پسند نہیں کرتا۔	پروفیسر نور محمد میمن
MMC کی موجودہ صورتحال سے میرے خیال بہت مختلف ہیں اس لیے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔	پروفیسر دریا خان
تعجب میں پڑ جاؤنگا۔	پروفیسر عقیل الرحمٰن
اکیڈمک Activities کو شیڈول کے مطابق کردونگا۔	پروفیسر اعظم قریشی
office work کو streamline line پہ کردونگا۔	پروفیسر غلام نبی
سب سے زیادہ توجہ اس بات پر ہوگی کہ facutly اور students کو punctual کروں گا۔	ڈاکٹر امیر خان
teacher کو تابع کرونگا کہ طلبہ کو full time دیں	پروفیسر عبدالرحیم سیال
ایسی غلطی نہیں کرونگا	پروفیسر اسلم چنا
سب کو سیدھا کردونگا	ڈاکٹر رحمت اللہ
وائس پرنسپل تو میں ہوں اگر پرنسپل بنا دیا جائے تو students کی education کو بہتر کرونگا	ڈاکٹر شمس العارفین خان
ایک دن کی چھٹی کرادونگا	ڈاکٹر نور محمد شیخ
regular کو teaching faculty کرونگا	ڈاکٹر غلام رسول

اسپتال میں MRI Machine لگوادونگا clinical teaching کو بہتر کرونگا	ڈاکٹر سکندر
اساتذہ اور طلبہ کو ڈسپلین کا پابند بنادونگا	ڈاکٹر فیض محمد میمن
رولز اور ریگولیشن کی پابندی کروں گا تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لونگا	ڈاکٹر نوید اقبال
سب لڑکوں کو مرغا بنادونگا	ڈاکٹر جاوید راجپوت
ڈسپلن پہ سختی کرونگی	ڈاکٹر آسیہ بتول

اگر آپ کو کہا جائے کہ اپنا نام change کر کے کسی بڑی شخصیت کے نام پہ رکھیں تو کن کے نام پہ رکھیں گے؟

جوابات	اساتذہ
یہ تبدیل نہیں کر سکتا ویسے برصغیر کے ہیروز میں ٹیپو سلطان مجھے پسند ہے	پروفیسر سید رضی محمد
میرے نام سے بہتر کوئی نام نہیں ہو سکتا	پروفیسر نور محمد میمن
میرا نام سندھ کے ایک قوم پرست جنرل کے نام پہ ہے اسکو change کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا	پروفیسر دریا خان
میری اور قائداعظم کی تاریخ پیدائش ایک ہی ہے میرے لیے ان سے بڑی شخصیت نہیں ہو سکتی	پروفیسر عقیل الرحمٰن
میرا نام پہلے سے ہی عظیم شخصیت کے نام پہ ہے	پروفیسر اعظم قریشی
میں نبی کا غلام ہوں اس سے بڑھ کر اور کیا میرا نام ہو سکتا ہے	پروفیسر غلام نبی
کبھی غور نہیں کیا۔	ڈاکٹر امیر خان
محمد علی جناح	پروفیسر عبدالرحیم سیال
یہ غلطی میں نہیں کرونگا	پروفیسر اسلم چنا
سید رضی محمد	ڈاکٹر رحمت اللہ
نام تبدیل نہیں ہوگا	ڈاکٹر شمس العارفین خان
یہ اب ممکن نہیں ہے	ڈاکٹر نور محمد شیخ
انقلاب چین کے عظیم رہنما "ماؤزے تنگ" کے نام پہ رکھونگا	ڈاکٹر غلام رسول
جو پہلے سے نام ہے وہی ٹھیک ہے	ڈاکٹر سکندر
جو ماں باپ نے رکھا ہے وہی بہترین ہے	ڈاکٹر فیض محمد میمن
اپنے نبی ﷺ کے نام پہ رکھونگا	ڈاکٹر نوید اقبال
میں خود ہی بڑی شخصیت ہوں	ڈاکٹر جاوید راجپوت
مجھے اپنا نام پسند ہے	ڈاکٹر آسیہ بتول

کوئی ایسی خواہش جو آج تک آپ کے دل میں رہی لیکن پوری نہ ہو سکی؟

جوابات	اساتذہ
اچھا مصور بننے کی خواہش	پروفیسر سید رضی محمد
الحمداللہ ایسی کوئی بات نہیں	پروفیسر نور محمد میمن
میں لوگوں سے پیار کرنے والا انسان ہوں اور خواہش ہے کہ لوگ مجھ سے بھی پیار کریں لیکن ایسا ہو نہیں پا رہا	پروفیسر دریا خان
اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے	پروفیسر عقیل الرحمٰن
الحمداللہ ہر خواہش پوری ہوئی ہے	پروفیسر اعظم قریشی
اگر ایمانداری سے کہوں تو فساد خلق ہے اور اگر جھوٹ بولوں تو کوئی فائدہ نہیں	پروفیسر غلام نبی
پیتھالوجی میں experties اور knowledge کو اپ ڈیٹ کرنے کی خواہش تھی لیکن پوری نہیں ہو سکی	ڈاکٹر امیر خان
اب اس کو ظاہر کیسے کروں	پروفیسر عبدالرحیم سیال
کوئی نہیں سب حسرتیں نکالی ہیں	پروفیسر اسلم چنا
ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔ بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے	ڈاکٹر رحمت اللہ
ایسی تو کوئی خواہش نہیں	ڈاکٹر شمس العارفین خان
سیاسی لیڈر بننے کی خواہش تھی جو پوری نہ ہو سکی	ڈاکٹر نور محمد شیخ
ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔ بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے	ڈاکٹر غلام رسول
روحانی ترقی نہ کر سکا	ڈاکٹر سکندر
کبھی کبھی دل میں یہ خواہش آتی ہے کہ پیغمبر ﷺ کے زمانے میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جاتا	ڈاکٹر فیض محمد میمن
لڑکوں کو مرغا بنانے والی خواہش جو آج تک پوری نہ ہو سکی	ڈاکٹر نوید اقبال
ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔ بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے	ڈاکٹر جاوید راجپوت
ایسی کوئی خواہش نہیں	ڈاکٹر آسیہ بتول

اگر آپ ڈاکٹر نہ ہوتے تو کیا ہوتے؟

جوابات	اساتذہ
ایک فل ٹائم شاعر ہوتا	پروفیسر سید رضی محمد
یہ تو وقت فیصلہ کرتا	پروفیسر نور محمد میمن

lawyer یا scientist جو genetics کی field میں سر کھپا رہا ہوتا	پروفیسر دریا خان
فلمی ایکٹر	پروفیسر عقیل الرحمن
fiction writer ہوتا	پروفیسر اعظم قریشی
انجینئر ہوتا	پروفیسر غلام نبی
جو بھی ہوتا مگر میں ایک اچھا انسان بننے کی کوشش کرتا	ڈاکٹر امیر خان
صحافی	پروفیسر عبدالرحیم سیال
teacher ہی ہوتا کسی اور فیلڈ میں	پروفیسر اسلم چنا
پھر بھی یہ دنیا ایسی ہی چلتی رہتی	ڈاکٹر رحمت اللہ
اداکار	ڈاکٹر شمس العارفین خان
گلوکار	ڈاکٹر نور محمد شیخ
بزنس مین	ڈاکٹر غلام رسول
وکیل	ڈاکٹر سکندر
CSS کرتا	ڈاکٹر فیض محمد میمن
قسمت نے ڈاکٹر بنا دیا میں تو teacher بننا چاہ رہا تھا	ڈاکٹر نوید اقبال
ڈاکٹر نہ ہوتا تو banker ہوتا	ڈاکٹر جاوید راجپوت
banker	ڈاکٹر آسیہ بتول

آپ کی زندگی کا بہترین دن کون سا ہے؟

جوابات	اساتذہ
بتا نہیں سکتا بہت سارے دن ہیں اللہ نے بہت نوازا۔ کسی کو کم نہیں کر سکتا۔ (رکا نہیں کسی دیر پہ سحاب امکاں یوں۔ تمہارے در پہ بہت دیر تک رکا ہے رضی)	پروفیسر سید رضی محمد
میری پوری زندگی بہتر گزری ہے	پروفیسر نور محمد میمن
اللہ کا شکر ہے ہر دن خوشگوار گزر رہا ہے لیکن بڑے بیٹے کی پیدائش والے دن کو بہترین کہا جا سکتا ہے	پروفیسر دریا خان
جس دن میں MBBS میں پاس ہوا وہ بہترین دن ہے میرے لیے	پروفیسر عقیل الرحمن
جس دن میں پیدا ہوا	پروفیسر اعظم قریشی
جس دن میں نے MBBS پاس کیا	پروفیسر غلام نبی
جس دن میں نے MBBS پاس کیا	ڈاکٹر امیر خان
زندگی بہترین دنوں سے بھری ہوئی ہے۔ کوئی ایسا دن یاد ہی نہیں	پروفیسر عبدالرحیم سیال
کوئی ایسا دن یاد نہیں	پروفیسر اسلم چنا
جس دن میں نے completely independent ہو کر سرجری کی	ڈاکٹر رحمت اللہ
جب میری پیدائش ہوئی	ڈاکٹر شمس العارفین خان
جس دن میری شادی ہوئی	ڈاکٹر نور محمد شیخ
جب میں نے love marriage کی	ڈاکٹر غلام رسول
جب میں نے MBBS پاس کیا	ڈاکٹر سکندر
جب میں نے MBBS پاس کیا	ڈاکٹر فیض محمد میمن
جب DLO میں پاس ہوا	ڈاکٹر نوید اقبال
جب FCPS پاس کیا	ڈاکٹر جاوید راجپوت
میرے لئے ہر وہ دن بہترین ہے جس دن میں اپنی ماں کو خوش کروں	ڈاکٹر آسیہ بتول

کاش۔۔۔

جوابات	اساتذہ
ہمارے اسٹوڈنٹس پڑھائی میں زیادہ دلچسپی لیں	پروفیسر سید رضی محمد
ایسی کوئی بات نہیں	پروفیسر نور محمد میمن
آج کے نوجوانوں کے رویے بدلنے میں کردار ادا کر سکوں	پروفیسر دریا خان
آج بھی کارزار ہستی میں تو اگر اک بار مل جائے چین آ جائے آرزوں کو حسرتوں کو قرار مل جائے	پروفیسر عقیل الرحمن
تنخواہ ہم خود مقرر کرتے	پروفیسر اعظم قریشی
میں ایک اچھا فزیشن بنتا	پروفیسر غلام نبی
ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے	ڈاکٹر امیر خان
ہمارے ملک کے مختلف طبقات کو آپس میں محبت ہوتی اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق ہوتی	پروفیسر عبدالرحیم سیال
میں صدر پاکستان ہوتا	پروفیسر اسلم چنا
میں پروفیسر سید رضی محمد جیسا ہوتا	ڈاکٹر رحمت اللہ
اس ملک کے حالات سدھر جائیں، امن قائم ہو جائے	ڈاکٹر شمس العارفین خان
میں نہ ہوتا	ڈاکٹر نور محمد شیخ
میں سیاسی لیڈر ہوتا	ڈاکٹر غلام رسول
میں overseas ہوتا	ڈاکٹر سکندر
میں اچھا استاد بن سکتا	ڈاکٹر فیض محمد میمن
میں پیغمبر ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوتا	ڈاکٹر نوید اقبال

میں لڑکوں کو مرغا بنا سکتا	ڈاکٹر جاوید راجپوت
ہم میں برداشت ہوتی	ڈاکٹر آسیہ بتول

آپ کے خیال میں best student میں کون سی دو خصوصیات ہونی چاہیے؟

جوابات	اساتذہ
بہترین کردار اور محنت کرنے کی صلاحیت	پروفیسر سید رضی محمد
well trained اور well behaved	پروفیسر نور محمد میمن
والدین اور اساتذہ کی خواہشوں کا احترام کرتا ہو	پروفیسر دریا خان
اپنے مقصد کے حصول کی جستجو میں رہے۔ کہا اسکا بجا ہے مسرور، لیکن سوچ تو جستجو نہ جس میں ہو اس زندگی کا لطف کیا	پروفیسر عقیل الرحمٰن
اخلاقیات کے لحاظ سے اچھا ہو اور he must be devoted to this feild	پروفیسر اعظم قریشی
honest اور hard working ہو	پروفیسر غلام نبی
interest اور devotion	ڈاکٹر امیر خان
punctual ہونا چاہیے اور روزانہ study کرنے والا ہو	پروفیسر عبدالرحیم سیال
پڑھنے والا ہو اور تابعدار ہو	پروفیسر اسلم چنا
پڑھنے کا جنون رکھتا ہو اور جو پڑھے اس پہ عمل کرے	ڈاکٹر رحمت اللہ
اساتذہ کی عزت کرتا ہو اور محنتی ہو	ڈاکٹر شمس العارفین خان
intrested اور regular ہو	ڈاکٹر نور محمد شیخ
با اخلاق ہونا چاہیے اور regular ہونا چاہیے	ڈاکٹر غلام رسول
sincere اور obedient ہو	ڈاکٹر سکندر
وفادار ہو اپنے study اور teacher کے ساتھ	ڈاکٹر فیض محمد میمن
facilitator کی بات ماننے والا ہو اور تھوڑا سا تابعدار ہو زیادہ نہیں	ڈاکٹر نوید اقبال
اسکو صرف student ہونا چاہیے سیاستدان نہیں	ڈاکٹر جاوید راجپوت
عزت کرنے والا ہو اور سیکھنے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہو	ڈاکٹر آسیہ بتول

اگر کوئی طالب علم آپ سے اختلاف کرے تو؟

جوابات	اساتذہ
میں اسکی حوصلہ افزائی کرونگا اور اس سے دلیل مانگوگا	پروفیسر سید رضی محمد
میں کہوں گا آپ صحیح بتائیے	پروفیسر نور محمد میمن
غلط کہنے کے بجائے حوالہ دینا چاہیے کہ میں نے اس کتاب میں سے پڑھا ہے۔ مہذب رویے میں بتانا چاہیے	پروفیسر دریا خان
میں ناراض نہیں ہونگا	پروفیسر عقیل الرحمٰن
میں کہہ دونگا آپ صحیح بتائیے	پروفیسر اعظم قریشی
میرے office آ کے مجھ سے ملے	پروفیسر غلام نبی
سوچونگا اگر وہ صحیح ہوا تو اپنی اصلاح کرونگا	ڈاکٹر امیر خان
فراخدلی کے ساتھ سنونگا پھر بحث و مباحثہ ہوگا۔ کتابیں کھولیں گے۔ سینئر سے پوچھیں گے اور اسکا صحیح جواب نکالیں گے	پروفیسر عبدالرحیم سیال
غصہ آ جائے گا	پروفیسر اسلم چنا
میں نرم لہجے میں کہونگا ثابت کرو	ڈاکٹر رحمت اللہ
اسے کہونگا prove کرو۔	ڈاکٹر شمس العارفین خان
میں کہونگا آپ بتائیے صحیح کیا ہے	ڈاکٹر نور محمد شیخ
most welcome	ڈاکٹر غلام رسول
میں بھی دوبارہ دیکھ لونگا اور اسے کہونگا پھر دیکھ لینا	ڈاکٹر سکندر
خاموش ہو جاؤنگا	ڈاکٹر فیض محمد میمن
پہلے تو غصہ آئیگا پھر کہوں گا ثابت کرو	ڈاکٹر نوید اقبال
کہوں گا مطمئن کرو	ڈاکٹر جاوید راجپوت
اسے کہونگی ثابت کردو	ڈاکٹر آسیہ بتول

طلبہ کے لیے ایک مشورہ

جوابات	اساتذہ
علامہ اقبال صاحب کا ایک مصرعہ ہے۔ (تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن)	پروفیسر سید رضی محمد
محنت کرو وقت کی پابندی کرو اور بہترین ڈاکٹر بنو	پروفیسر نور محمد میمن
اپنی توجہ سیکھنے پر رکھو اور مستقل مزاج رہو۔ پیسہ اور شہرت یقیناً آپ کے پیچھے بھاگے گی	پروفیسر دریا خان
بولیں کم، سنیں زیادہ اور کام کریں	پروفیسر عقیل الرحمٰن
محنت کرے اور بہترین ڈاکٹر بن جائے	پروفیسر اعظم قریشی
جب میڈیکل profession منتخب کیا ہے تو اچھے ڈاکٹر بنو اور ڈاکٹر کی طرح behave کرو۔ کاہلی کی وجہ سے ہم سارے دنیا میں ذلیل ہو رہے ہیں اسکو چھوڑ دیں	پروفیسر غلام نبی

پہلے دن سے ہی post graduation کے لیے planning کرے اسکے بغیر آپ انسانیت کی خدمت بہتر طریقے سے نہیں کر سکتے	ڈاکٹر امیر خان
اچھے ڈاکٹر بنیں، ٹریننگ اچھی کریں اور قوم کی خدمت کریں	پروفیسر عبدالرحیم سیال
بس انسانوں کی خدمت کروان کے ساتھ دغا مت کرو	پروفیسر اسلم چنا
جو MBBS کی تعلیم کا حق ہے اسکو کسی طرح انجام دیں اور انسانیت کی خدمت کرو	ڈاکٹر شمس العارفین خان
محنت کرو اور اچھے ڈاکٹر بنو	ڈاکٹر نور محمد شیخ
Work hard and learn properly	ڈاکٹر غلام رسول
خلوص سب سے اہم چیز ہے اپنے اندر خلوص پیدا کرو	ڈاکٹر سکندر
مریضوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کرو	ڈاکٹر فیض محمد میمن
پڑھائی کریں، صرف رٹہ نہ لگائیے بلکہ سمجھ کے پڑھیں۔ میں نے بھی بہت وقت ضائع کیا لیکن یہ پانچ سال پڑھنے کے ہیں	ڈاکٹر نوید اقبال
پڑھو اور پڑھو بس اور کچھ نہ کرو	ڈاکٹر جاوید راجپوت
اپنے فائدے کے لیے ڈاکٹر نہ بنو	ڈاکٹر آسیہ بتول

شکر

غلام مرتضیٰ زین (سال سوئم)

رات کے اندھیروں میں بغداد کی گلیوں سے گزرتے ہوئے ایک بزرگ نے ایک فقیر کو بیٹھے ہوئے پایا۔

بزرگ: ہاں بھئی سناؤ کیسے گزر رہی ہے۔

فقیر: ملتا ہے تو شکر کرتے ہیں۔ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔

بزرگ: ایسا تو بغداد کے کتے بھی کرتے ہیں۔

فقیر: اگر میں کتوں جیسا کرتا ہوں، تو بھلا آپ بتائے آپ کیسا کرتے ہیں۔

بزرگ: ملتا ہے تو خیرات کر دیتے ہیں، اور اگر نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں۔

اقوال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(سیدہ طاہرہ شیرازی، سال دوئم)

تاریکیاں پانچ ہیں۔ ان کے چراغ پانچ ہیں۔

۱۔ جب دُنیا تاریکی ہے اُس کا تقویٰ چراغ ہے۔

۲۔ گناہ تاریکی ہے اس کا چراغ توبہ ہے۔

۳۔ قبر تاریکی ہے اُس کا چراغ لا الہ الا اللہ ہے۔

۴۔ آخرت تاریکی ہے اُس کا چراغ نیک عمل ہے۔

۵۔ پل صراط تاریکی ہے اُس کا چراغ یقین ہے۔

زندگی کے کچھ لمحے

بھول جاؤ کہ لوگ کیسے ہیں؟ ماحول کیا ہے؟ معاشرہ کدھر جا رہا ہے؟ صرف اتنا یاد رکھو، تم کیا ہو، کیسے ہو، کدھر جا رہے ہو؟ اگر تم اچھے ہو، صحیح راستے پر جا رہے ہو، طے شدہ منزل کی طرف ہی تمہارا رُخ ہے اور ساتھ دوسروں کی بھی فکر کرتے ہو تو یقین جانو ایک دن لوگ ماحول اور معاشرہ خود ہی ایسا ہو جائے گا کہ تمہیں کوئی شکایت نہ رہے گی کیونکہ بنجر زمین کو بارش کے پہلے قطرے کا ہی انتظار ہوتا ہے اور ایک ایک قطرے سے ہی دریا بنتا ہے۔ اسی طرح فرد سے ہی معاشرہ بنتا ہے۔

سلمٰی لغاری (سال آخر)

جو لوگ خود کو بیچ دیتے ہیں پھر انھیں دنیا کی کوئی طاقت ذلت اور رسوائی سے نہیں بچا سکتی۔

نجانے کہاں مر گئے ہیں ہمارے ضمیر نجانے کیوں ہم اتنے بے حس ہوگئے ہیں۔ نجانے کیوں ہم پیسے کی دھن میں اتنا آگے نکل گئے ہیں۔

اب تو ہم ان حالات پر پہنچ گئے ہیں کہ "خدا ہی بدلے تو بدلے"۔

اگر ہماری قوم یونہی نفسا نفسی کا شکار رہی تو وہ دن دور نہیں جب ہمارے پاس واحد چیز آزادی بھی چھین لی جائے گی۔

اور ہمارا علم ہمارے لیے ایسی ہی چادر ہوگا جس سے ہم اپنا سر ڈھانپ سکیں گے نہ پاؤں۔۔۔۔

انیلا امبر (سال سوئم)

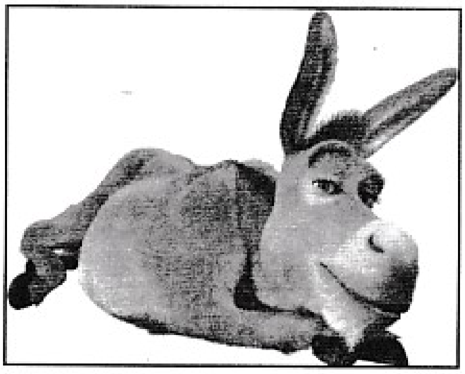

ایک گدھے کی آپ بیتی

پروفیسر ڈاکٹر عقیل الرحمٰن راجپوت
ایم بی بی ایس، ایم سی پی ایس، ایف سی پی ایس
پروفیسر اینڈ ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ آف میڈیسن، محمد میڈیکل کالج، میر پور خاص

آج اتوار کا دن ہے اور آج میں بہت خوش ہوں۔ اسلئے نہیں کہ آج پورے چھ دن محنت و مشقت کرنے کے بعد آرام کا دن ہے۔ بلکہ اسلئے کہ آج بیگم صاحبہ اپنی سہیلی کی بیٹی کی منگنی میں جا رہی ہیں۔ تو ایک دن تو سکون کا ملے گا۔ صبح سے ہدایتیں شروع ہوگئیں۔ ناشتہ جلدی کرلو دوپہر کا کھانا میں نے بنا کر فرج میں رکھ دیا ہے گرم کر کے کھا لینا اور ہاں میرے دھلے ہوئے کپڑے استری کر کے میری الماری میں رکھ دینا۔ اوپر سے تو میں یہ کہ رہا تھا کہ آج ایک دن تو آپکے ساتھ بیٹھ کر گزارنے کو ملا ہے اور آج ہی آپ جا رہی ہیں، اور دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ اچھا ہے جو یہ جا رہی ہیں۔ آج عروج کو فون کر کے بلوالونگا اور وقت اچھا گزر جائیگا۔ عروج میری کالج کی کلاس فیلو ہے اور ہم دونوں میں بہت اچھی انڈر اسٹنڈ نگ تھی ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ

شکوہ نہیں کسی سے نہ کسی سے گلا کوئی
قسمت میں ہی نہیں تھی جو مجھ کو ملی نہیں

خیر بیگم یہ کہکر چلی گئیں کہ رات دیر تک واپس آؤنگی۔ اُنکے جانے کے بعد میں نے عروج کو فون کیا کہ آج موسم خوش گوار ہے بیگم رات کو دیر سے واپس آئیں گی آپ کس وقت آ رہی ہیں۔ میں نے یہ شعر سنا دیا۔

کل تم گئے تھے جہاں ہم کو چھوڑ کر
ہم آج تک کھڑے ہیں اُس دل کے موڑ پر
ہم کو اس انتظار کا کچھ تو صلہ ملے

کچھ معذرت کرنے کی کوشش کی گئی کہ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پھر انہوں نے شام چھ بجے آنے کا وعدہ کرلیا۔ میں نے دوپہر کا کھانا کھایا اور آرام کرنے کیلئے لیٹ گیا اور پھر نیند آ گئی۔ کافی وقت کے بعد دیکھا بیل وقفہ وقفہ سے بجنے لگی۔ میری آنکھ کھل گئی۔ گھڑی کی طرف دیکھا تو دوپہر کے تین بج رہے تھے میں نے کوئی لفٹ نہیں دی کہ ہوگا کوئی لیکن کچھ دیر کے بعد bell مسلسل بجتی رہی۔ میں ایکدم سے اُٹھا۔ یا اللہ خیر یہ کہیں بیگم تو واپس نہیں آ گئی۔ کیونکہ جب بھی وہ کہیں سے جا کر واپس آتی ہے آندھی طوفان کی طرح آتی ہے اور گھنٹی کے بٹن پر تو جیسے انگلی رکھ کر بھول جاتی ہے۔ دروازے پر گیا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک گدھے صاحب گھنٹی کے بٹن پر سر لگائے ہوئے کھڑے ہیں۔ گھنٹی کا بٹن تو اُوپر ہی لگا ہوا تھا لیکن کارپوریشن والوں نے کئی مرتبہ روڈ بنوایا جسکی وجہ سے روڈ اوپر ہو گیا۔ یہاں تک کہ اب گھنٹی نیچی ہوگئی اور اُسکے ساتھ ایک ہری بھری پھولوں کی بیل بھی لگ گئی گدھے صاحب شاید بھوکے تھے جیسے جیسے بیل پر منہ مارتے گھنٹی بج جاتی اور آخر میں وہاں سر لگا کر کھڑے ہوگئے، میں نے دروازہ کھولا اور گدھے صاحب سے کہا کہ اچھا تو آپ ہیں۔ اپنی مخصوص آواز میں بھر بھر کے کہا کہ ہاں میں ہوں۔ میں نے دروازہ پورا کھول دیا اور کہا کہ اندر تشریف لے آئیں وہ آہستہ آہستہ چل کر اندر آ گئے۔ میں نے کہا میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔ سامنے بکرے کا چارہ پڑا ہوا تھا اور بالٹی میں پانی بھی آگے بڑھے اور اطمنان سے گھاس کھانا شروع کر دیا پھر پانی پیا اور اپنی گردن اور منہ اوپر کیا ہونٹ اوپر نیچے کئے دانت باہر نکالے اور ڈھنچو ڈھنچو کرنا شروع کر دیا جو اس خوشی کو ظاہر کر رہا تھا۔

کہ اللہ کا شکر ہے کہ آج لنچ اچھا ہوگیا۔ پھر میں نے گدھے صاحب سے کہا کہ آپ آ ہی گئے ہیں تو آپ کا انٹرویو لے لیا جائے۔ کہا بہت شوق سے۔

سوال۔ میرا پہلا سوال آپ سے یہ ہے کہ آپ اتنے سیدھے سادھے وفادار ہیں۔ چاہے کتنا ہی سامان آپ پر لاد دیں۔ یعنی محنت کش ہیں۔ پھر بھی انسان جب بھی کوئی کاہلی، سستی کا مظاہرہ کرتا ہے تو اُسے کہتے ہیں کہ گدھا کہیں کا، یا گدھے کا بچہ۔

جواب۔ بات دراصل یہ ہے جناب جو آپ نے بھی نوٹ کی ہوگی۔ کہ جو جیسا ہوتا ہے اُسے سامنے والا ویسا ہی نظر آتا ہے۔ حالانکہ اگر کوئی محنت کش ہے۔ دن رات مشقت سے کام کرتا ہے۔ وفاداری دکھاتا ہے تو اس کے لئے یہ الفاظ استعمال کرنا چاہئیں کہ یہ تو گدھے کی طرح وفادار اور محنت کش ہے۔ تو ہم بھی خوش ہوجاتے۔ مگر کیا جانے ہر انسان اپنی عقل اور صلاحیت کے حساب سے سوچتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات صرف آپکے ملک میں ہوتی ہے۔ باہر کے ملکوں میں تو میری بڑی عزت ہوتی ہے۔ اور مجھے محنت کش، وفادار اور ذہین سمجھا جاتا ہے۔ بہت سے سیاست دان تو الیکشن میں اپنا انتخابی نشان گدھا رکھتے ہیں۔

سوال۔ آپکی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ گزرا ہو جس سے آپ نے کوئی نصیحت حاصل کی ہو۔

جواب۔ جی جناب ایک بہت ہی اہم واقعہ گذرا ہے۔ میں ایک دفعہ دھوبی کی نوکری کرتا تھا رات کا وقت تھا شاید دو بجے ہونگے کہ دھوبی کے گھر میں چور آ گیا اور کپڑوں کی گھٹڑی اُٹھا کر جانے لگا۔ پاس ہی دھوبی کا کُتا خاموش بیٹھا ہوا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ میں نے اُس سے کہا تو شور کیوں نہیں کرتا اور جا کر چور کی ٹانگ پکڑ لے۔ کُتے نے کہا میں ایسا کیوں کروں۔ دو دن سے مالک نے مجھے کچھ کھانے کو نہیں دیا۔ اگر تو اپنی وفاداری دکھانا چاہتا ہے تو شور مچانا شروع کر دے۔ میں نے شور مچایا تو چور کپڑوں کی گھٹڑی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مالک اُٹھ کر آیا اور مجھے شور مچاتے دیکھا چور پہلے ہی بھاگ چکا تھا۔ اُس نے ڈنڈا اُٹھایا اور یہ کہتے ہوئے میری پٹائی شروع کر دی کہ تو نے میری نیند خراب کر دی، تب جا کر مجھے یہ مثال سمجھ میں آئی کہ دوسروں کے کام میں ٹانگ نہ اڑا۔ Mind your own business

سوال۔ اور کوئی خاص بات جو تمہارے ذہن میں ہو۔

جواب۔ جی جناب۔ ایک دفعہ میں اللہ میاں سے دُعا کر بیٹھا کہ اے میرے پیارے اللہ مجھے بھی ایک دفعہ انسان بنا دے۔ پھر جتنے بھی لوگوں نے مجھ پر ظلم کئے ہیں اُن کا بدلہ لوں اللہ میاں نے مجھے انسان بنا دیا۔ مجھے ایک جگہ سرکاری آفس میں نوکری بھی مل گئی۔ اللہ میری توبہ وہاں میں کیا دیکھتا ہوں کہ آفیسر 9 بجے کے بجائے 11 بجے آ رہا ہے۔ اور آتے ہی سب سے پہلے اپنی اسٹینوگرافر کو بُلا کر اُسکے ساتھ خوش گپیاں کرتا ہے۔ اور چائے پیتا پھر PA کو بُلاتا ہے اور آج کی مصروفیات کے بارے میں معلوم کرتا ہے۔ پھر آٹھ دس جگہ فون پر بات کر کے مجھے بلایا اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے نا کہ لوگوں کی فائلوں پر دستخط کرانے کا طریقہ۔ میرا مطلب قائداعظم والی فائلیں۔ میں نے کہا سر بہت سے لوگ آپ سے ملنے کے لئے صبح سے منتظر ہیں۔ اُن سے کہہ دو کہ میں میٹنگ میں مصروف ہوں اور پھر وہ پچھلے دروازے سے باہر نکل گئے۔ مجھ سے یہ سب کچھ دیکھا نہیں گیا اور وہاں سے نوکری چھوڑ دی۔ اُس زمانے میں الیکشن کا دور تھا اور مجھے ایک سیاست دان کے پاس نوکری مل گئی۔ وہاں اس سے بھی بُرا حال، لوگ صبح سے آئے ہوئے باہر سخت گرمی اور دھوپ میں بڑے صاحب کا انتظار کر رہے۔ خود کے کمرے میں چار چار ائیر کنڈیشنر لگے ہوئے خوب کھانا پینا چل رہا تھا۔ کوئی 3 گھنٹے کے بعد صاحب باہر تشریف لائے اور وہ پبلک جو صبح سے گرمی اور دھوپ میں بھوکی پیاسی بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ چار الفاظ کہہ کر واپس اندر چلے گئے مجھے آپ لوگوں کی تکلیف کا احساس ہے میرے دل میں آپ لوگوں کی پریشانیوں کا درد ہے۔ ہر شخص کے پاس اُس کا اپنا مکان اور اپنی زمین ہونی چاہیے۔ ہر شخص کو روزگار ملنا چاہیے آپ کے بچوں کو صحت اور تعلیم کی سہولت ہونی چاہیے۔ لیکن یہ سب کچھ تب ہی ہوسکتا ہے جب آپ مجھے ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچائینگے۔

اس کے بعد میں نے اللہ سے دُعا کی کہ مجھ سے بڑی بھول ہوگئی۔ مجھے تو واپس گدھا بنا دے اور پھر میں واپس گدھا بن گیا۔

ایک آخری سوال۔ انسان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

جواب۔ انسان ابن الوقت ہے۔ اپنا کام نکلوانے کیلئے اپنے آپ کو بہت نیچا بھی گرا سکتا ہے۔ اور کام نکلنے کے بعد طوطا چشم ہو جاتا ہے۔ یعنی اُس شخص کو پہچاننے سے بھی انکار کر دیتا ہے۔ جو کبھی اُسکے بُرے وقت میں کام آیا تھا۔ آپ نے یہ مثال تو سُنی ہوگی کہ انسان اپنے وقت پر تو گدھے کو بھی باپ بنا لیتا ہے۔ میں آپ کو اسکی سچی تفصیل بتاتا ہوں۔ میں ایک کمہار کی نوکری کرتا تھا۔ ایک دفعہ مالک مجھ پر سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا۔ راستہ لمبا تھا، گرمی بھی تھی، یہ بہت پہلے کی بات ہے جب سواری بہت کم ملتی تھی اور زیادہ تر پیدل ہی سفر کرنا پڑتا تھا۔ ہم جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک سفید پوش صاحب پیدل جا رہے تھے۔ اور کافی تھکے ہوئے تھے۔ مالک نے ازراہ ہمدردی اُسے کہا کہ آؤ تم بھی میرے ساتھ میرے گدھے پر بیٹھ جاؤ۔ یہ سنتے ہی وہ صاحب آگ بگولا ہو گئے اور جواب دیا کہ میں تمہارے ساتھ اس خبیث پر بیٹھوں۔ ہم چلتے رہے وہ بھی چلتا رہا۔ آخر اُس کا تھک کر بُرا

حال ہوگیا اور نزدیک آ کر مالک سے کہا مجھے بھی اس پر بٹھا لو مالک رُکا اور وہ آ کر مجھ پر بیٹھنے لگا۔ جیسے ہی اُس نے بیٹھنا چاہا میں آگے کھسک گیا اس نے پھر کوشش کی میں پھر آگے کھسک گیا۔ میں نے کہا کہ تو کیوں مجھ پر بیٹھے گا میں تو گدھا ہوں۔ میرے پیر دبانے لگ گیا۔ اور کہنے لگا تو گدھا نہیں ہے تو میرا باپ ہے۔ تو یہ ہے انسان کی مطلب پرستی۔

ایک اور بات کہ آپ نے کبھی سنا ہے کہ کسی گدھے نے کسی دوسرے گدھے کے پیٹ پر لات ماری ہو۔ لیکن ایک انسان دوسرے انسان کے پیٹ پر لات مارتا ہے۔ اُس پر زیادتی کرتا ہے اُس کا حق مارتا ہے۔ اور کیا بتاؤں آپ کو۔ مجھ پر تو ایک فلم بھی بنی ہے۔ انسان اور گدھا، جس میں بتایا گیا ہے کہ انسان سے تو گدھا اچھا ہے جو دن بھر سر جھکائے محنت اور مشقت کرتا ہے جو کچھ کھانے کو ملتا ہے کھا لیتا ہے۔ کبھی کوئی شکایت نہیں کرتا اور یہ جو انسان ہے اس کو کتنی ہی دولت ملے آسائش مل جائے۔ لیکن پھر بھی ہر وقت شکایت کرتا رہتا ہے۔ کبھی بھی اپنے رب کا شکر گزار نہیں ہوتا۔

اتنے میں ایک گدھی کے چیخنے کی آواز آ گئی۔ آواز سُن کر گدھے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ گدھا کہنے لگا یہ میری بیگم ہے۔ پتہ نہیں کم بخت کو کہاں سے یہاں میری موجودگی کا پتہ چل گیا کہہ رہی ہے کہ تو جہاں کہیں بھی ہے آ جا۔ اتنی دیر ہو گئی تجھے تلاش کرتے کرتے، گھر چل، پھر میں تیری خبر لیتی ہوں۔ میں نے گدھے سے کہا کہ یار تیرا بھی میرے جیسا ہی حال ہے۔ اُن باتوں میں کوئی شام کے پانچ بج گئے۔ گدھے صاحب تشریف لے جا چکے تھے۔ ابھی میں بستر پر جا کر لیٹا ہی تھا اور عروج کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کتنے اچھے دن تھے کالج کے۔ عروج سے مختلف وقتوں کی ملاقاتیں یاد آ رہیں تھیں اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور یہ سوچ کر اٹھایا کہ شاید عروج کا ہی ہوگا۔ لیکن آواز سُن کر سارے ارمانوں پر بجلی گر گئی۔ بیگم کا ٹیلیفون تھا کہہ رہی تھی کہ میری اچانک طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ اور میں واپس آ رہی ہوں، سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ یا اللہ یہ میری قسمت کے ساتھ یہ کیا مذاق ہے۔ اب میں عروج کو آنے سے کیسے روکوں گا۔ کافی عرصے کے بعد تو ملنے کا موقعہ ملا تھا۔ اور وہ بھی ضائع ہو گیا۔ ابھی میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی پھر سے بجی۔ سوچا بیگم کا ہی ہوگا اور کہینگی کہ اب طبیعت ٹھیک ہو گئی ہے میں ابھی نہیں آ رہی۔ لیکن جب ریسیور اٹھایا تو آواز تھی میں عروج بول رہی ہوں۔ آپ کو معذرت کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اچانک امی کی طبیعت خراب ہو گئی ہے اور اُن کو ہسپتال لے کر جانا ہے ہم ملنے کا پروگرام پھر کبھی بنائینگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خاتون کی ڈکشنری

شادی: دو لوگوں کو ایک دوسرے کو بیوقوف اور ناکارہ بنانے کا عہد۔

شوہر: ناچ دکھانے والے مداری کا بھائی۔

ساس: خطرے کی گھنٹی۔

بیوی: شہد کی مکھی کا چھتہ

دیور: تھالی کا بینگن

نند: میاں اور بیوی کے درمیان جنگِ عظیم کا سبب۔

میکہ: بیوی کی دھمکی اور۔۔۔شوہر کی کمزوری۔

پڑوسن: جدید دور میں ہتھیاروں کی بہترین نعم البدل۔

کھانا: شوہر کا بیوی سے لڑنے کا بہترین بہانہ۔

ڈوپٹہ: اپنے تاثرات، اُن سے چھپانے کا ذریعہ۔

مونا فاطمہ (سال آخر)

مرد کی ڈکشنری

☆ بور کے لڈو۔

☆ کمانے کی مشین۔

☆ پیاری ماں۔

☆ پھانسی کا پھندا۔

☆ میرا بھائی۔

☆ محبت کرنے والی بہن۔

☆ ہمیشہ رہنے کی جگہ۔

☆ اگر کنواری ہو تو۔

☆ باہر کا اچھا

☆ فتنے منہ

ڈاکٹر شمس العارفین خان (کوئی سال نہیں)

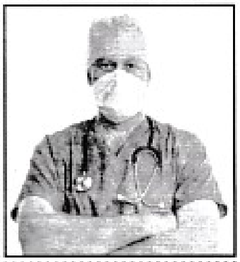

میں ڈاکٹر ہوں

عبدلغفار (سال سوم)

سردیوں کی سیاہ لمبی رات تھی، ہوا میں غضب کی خنکی تھی اور فضا پر خاموشی طاری تھی، میں اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ نوٹس پڑھ رہا تھا۔ کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی میں دستک کی آواز سے چونکا اور گھڑی پر ٹائم دیکھا۔ رات کا 1:00 بج رہا تھا میں بہت ششدر ہوا کہ اس وقت کون ہو سکتا ہے، بہر حال میں نے اپنی شال اوڑھی اور دروازے پر جا کر پوچھا کون؟ کوئی آواز سنائی نہ دی آخر ایک ہلکی سی بلبلاہٹ سی سنائی دی میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا ایک معصوم سا چھوٹا لڑکا جسکی عمر لگ بھگ 15 سال ہوگی۔ سردی سے کپکپا رہا تھا اسکے کپڑے بوسیدہ تھے اور پاؤں میں جوتے بھی نہیں تھے۔ اسکے چہرے پر صدیوں کی اُداسی دکھائی دے رہی تھی اور اسکی ننھی آنکھوں میں ہلکی ہلکی سی نمی تھی اور دکھ کی پر چھائیاں واضح تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اور اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟ اس نے اپنے سردی سے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے جواب دیا۔ ڈاکٹر صاحب میں اس گلی کے نکڑ پر رہتا ہوں اور غریب باپ کا بیٹا ہوں، میرے ابو گھر پر نہیں ہیں اور میری ماں شدید بیمار ہے۔ ڈاکٹر صاحب آپ میری ماں کے لیے دوائی دے دیں؟ میں اس ننھے سے بچے کی بات سنکر تشویش میں پڑ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کے تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں ڈاکٹر ہوں؟ تو وہ بولا جناب میں آپ کو ہر روز صبح سویرے بیگ اٹھائے گلے میں ڈاکٹر والی ٹیوب لٹکائے جاتے دیکھتا ہوں اسی لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ اب میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ میں تیسرے سال کا طالب علم اب اس بچے کی ماں کی کیا تکلیف سمجھوں گا اور کیا دوائی دوں گا اور اگر انکار کرتا ہوں تو اس ننھی جان کو کتنی تکلیف ہوگی اور کتنا بے بس ہو جائے گا۔ آخر میں نے اپنی stethoscope اور Thermometer اٹھائے اور کچھ tablet جو ہر وقت میں اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ جن میں بخار، کھانسی اور درد نزلہ وزکام کے علاوہ سکون کی بھی دوا تھیں اپنے ساتھ لے لی اور اسکے ساتھ ہولیا۔ گلی کے نکڑ پر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ اسکا لکڑی کا ٹوٹا اور بوسیدہ دروازہ تھا۔ وہ مجھے اندر لے گیا۔ اندر ایک ادھیڑ عمر کی عورت سر کو کپڑے سے باندھے اپنے اوپر پھٹا پرانا سا ڈوپٹہ لئے سردی اور شاید درد کی شدت سے کپکپا رہی تھی۔ میں نے پوچھا اماں جی آپ کو کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا ڈاکٹر صاحب بہت سردی لگ رہی ہے اور سر میں شدید درد ہو رہا ہے اور بدن بھی بہت گرم ہو رہا ہے۔ میں نے اس کا درجہ حرارت دیکھا اسے تو شدید بخار ہو رہا تھا میں نے فوراً اسے بخار کی گولی نکال کر دی کہ آپ یہ کھالیں اور میں نے اسے سردی سے بچنے کی لئے کہا کہ کوئی کمبل یا رضائی اوڑھ لیں مگر انکے گھر میں تو پھٹے پرانے کپڑوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا میں اپنے گھر آیا۔ گھر پر ایک کمبل فارغ تھا اسے اٹھایا اور جا کر اماں کے اوپر اڑھا دیا اور اس ننھے بچے کو بھی کہا کہ تم بھی اندر لیٹ جاؤ بہت سردی ہو رہی ہے۔ میں اپنی شال اوڑھے انکے پاس بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد بخار تھوڑا کم ہو گیا۔ میں نے سکون کی ایک گولی نکال کر اماں کو دی کہ یہ بھی لے لیں۔ مجھے اتنی رات کو اماں نے اتنی دعائیں دی کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ پھر میں رات کے 3 بجے کے قریب واپس اپنے مکان کو لوٹا۔ آج مجھے نا جانے عجیب سی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ میرا دل بہت مطمئن تھا۔ آج مجھے اپنے ڈاکٹر ہونے پر فخر ہوا کہ مسیحا کیا ہوتا ہے اور اس اماں کی دعائیں جو ڈاکٹر کی فیس سے کئی گنا زیادہ قیمتی اور انمول تھی جو اس نے مجھے دی صرف ایک گولی کے عوض۔ یہ میری زندگی کا نا قابل فراموش واقعہ تھا اور مجھ پر اپنا زندگی کا مقصد، اپنے پیشے کا تقدس آج واضح معلوم ہو چکا تھا۔ یہی باتیں سوچتے سوچتے مجھے نا جانے کس لمحے نیند آگئی۔ صبح اٹھا تو کالج ٹائم ہو چکا تھا۔ میں تیار ہو کر گھر سے نکلا تو وہ ہی ننھا منھا معصوم لڑکا گلی کے نکڑ پر کھڑا مجھے دیکھ کر مسکرایا اور میں نے اُسے پیار کے جذبات سے ہاتھ ہلایا اور پوچھا اب اماں کیسی ہیں۔ وہ بولا ڈاکٹر صاحب اماں بالکل ٹھیک ہیں اور کام پر گئی ہیں۔ میں نے اسکے پیار سے سر پر ہاتھ پھیرا اور خود college point کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

درددل (ایک احساس)

اسد محمود (سال اوّل)

درددل سے مراد باہمی ہمدردی، اخوت اور بھائی چارہ ہے گویا انسان کی تخلیق کا مقصد یہی ہے کہ ایک انسان کے دل میں دوسرے انسان کے لیے محبت ہو۔ خدمت کا جذبہ ہو۔ اگر یہ جذبہ محبت اور یہ ذوق خدمت معاشرے میں باقی نہ رہے تو وہ معاشرہ بے حس افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہوگا جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ ہر شے کے قیام کا انحصار باہمی کشش پر ہے۔ اگر یہ کشش ختم ہو جائے تو کائنات کا تانا بانا بکھر کے رہ جائے گا اگر یہ باہمی محبت قائم رہے گی تو یہ دنیا حسن اور خیر کی بنیادوں پر قائم رہے گی۔

ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

ہم جس دنیا میں سانس لے رہے ہیں اس میں بھی جذبہ باہمی کا قحط ہے، آج بھائی بھائی کا دشمن ہے ایک قوم دوسری قوم سے نفرت کرتی ہے، ایک ملک دوسرے ملک کو ترقی کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ اخبارات اٹھا کر دیکھیں، انسانی لہو پانی سے بھی سستا ہو کر رہ گیا ہے۔ عزت و ناموس آوارہ قہقہوں کی زد میں ہے، جنگ و جدل کا بازار گرم ہے، دنیا میں آسودگی اور سکون کا قحط ہے اور زندگی بحیثیت مجموعی بے لطف ہو کر رہ گئی ہے۔

زندگی کی یہ بے چینی دنیا کا یہ اضطراب اور نسل نو کی یہ پریشانی اسی وجہ سے ہے کہ ہمارے سامنے زندگی کا صحیح نظریہ نہیں ہے ہم نے اخلاق اور انسانیت کے اصولوں کو فراموش کر دیا ہے۔ اسلام سے ہمارا تعلق رسمی سا ہے مسلمان صرف اس لیے ہیں کہ مسلمان گھر میں پیدا ہوئے ہمارے اقوال مسلمانوں کے سے ہیں مگر اعمال ناقابل تحریر ویسے تو ہر مسلمان اپنے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے دین کی تعریف پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع جواب دیا کہ دین احکام خداوندی کی عظمت اور خلق خدا پر شفقت کا نام ہے۔ آج ہم صرف باتوں میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ اور عمل کے اعتبار سے ہمارا کردار انتہائی شرمناک ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے حکم مانیں اور خدمت خلق کو شعار بنالیں۔ تو ہم ایک بار پھر فخر و ناز کا مرکز بن سکتے ہیں۔ آرنلڈ ٹائن بی نے مختلف تہذیبوں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب کوئی معاشرہ زوال پذیر ہوتا ہے تو ایک چیز دیکھنے میں آتی ہے کہ اس معاشرے کے لوگ سب کام چھوڑ کر اپنے مسائل پر گفتگو کرنے لگتے ہیں یونان کی تہذیب جب مٹ رہی تھی تو ہر طرف باتیں ہی باتیں ہو رہی تھیں ہر ایک دوسرے پر الزام لگا رہا تھا اپنے کردار پر پردہ اور دوسرے کے اعمال کو عیاں کرنا ہر ایک نے اپنا شیوہ بنا لیا تھا آخر میں لفظوں کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ رہا آج ہمارے پاس بھی صرف لفظوں کی خوشنمائی ہے۔ جبکہ اعمال کی سیاہ دلی ہمارا ماتم کر رہی ہے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ ''اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو اوروں کے لیے زندہ رہو'' ہمارے اسلاف میں خدمت، رواداری ہو، ہم اپنی تاریخ اور اپنی روایت سے دور ہو گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اخلاق و کردار کی عظمتیں بھی ہم سے روٹھ گئی ہیں۔ کون سی برائی ہے جو آج ہمارے معاشرے میں موجود نہیں ہیں۔ ہر سوچنے والا یہی بات سوچتا ہے کہ آخر آج انسان انسان سے دور کیوں ہے، دل مہر و وفا سے خالی کیوں ہو گئے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ یہ اشرف المخلوقات انسان، حیوانوں اور کیڑوں مکوڑوں سے بھی گیا گزرا ہو گیا ہے۔ ہمیں اپنے معاشرے میں اتحاد، یکجہتی اور بھائی چارے جیسے رہنما اصول لانے چاہیے وہ صرف اسی صورت ممکن ہے کہ ہم اپنی ساری ذمہ داریاں و فرائض اچھی طرح سے ادا کریں۔ پھر دوسروں کو کہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فرائض اور تمام ذمہ داریاں جو ہمارے ذمہ ہے پوری کرنے کی توفیق عطا کرے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہاسٹل کے شہزادے

اسلام علیکم!

جیسا کے آپ جانتے ہیں کے ہر کلاس میں کچھ نہ کچھ شہزادے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے ہاسٹل میں بھی کچھ ایسی ہی شخصیات پائی جاتی ہیں۔ جو اپنی مختلف خصوصیات کی وجہ سے جانی جاتی ہیں۔ جن میں سے چند ایک زیرِ توجہ ہیں۔

آج کل ہمارے ہاسٹل میں حالات کچھ نازک ہو چکے ہیں کیونکہ ہر وقت ہمارے ساتھ فہد مرزا عرف (Mr. Tension with application) موجود رہتے ہیں جو کہ ہر کام سے پہلے Application لکھنا پسند کرتے ہیں۔

نازک حالات کے ساتھ ساتھ پڑھائی بھی کافی متاثر ہو چکی ہے۔ کیونکہ محسن اختر عرف Newton ہر وقت نئی Thesis پیش کرتے رہتے ہیں۔ ایسے حالات میں ٹنشن دور کرنے کے لیے ماجد عرف میکا سنگھ صبح شام اپنے سنگیت پیش کرتے ہیں اور سُر پہ سُر لگاتے ہیں۔

ہمارے درمیان گیم کا وائرس بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اور کیوں نہ پھیلے کیونکہ ذیشان عرف Dr. Game نے اپنا جادو یہاں بھی چلا دیا۔

ہم ساتھ ساتھ ایسی دو شخصیات کا ذکر بھی کرتے چلیں جن کے قدم کہیں پڑ جائیں تو وہاں سے کھانے کی اشیاء ختم ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ ہمارے اسد محمود اور علی بھائی ہیں۔

اس کے بعد ہم جنید اور زوہیب (سردار) کا ذکر کریں گے جن کی بدولت ہمارا ہاسٹل کسی Disco سے کم نہیں۔ ان کے کمروں سے ہمیشہ گانوں کا شور ہی سننے کو آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جبران عرف اسپغول ہر وقت ہاتھ میں اسپغول لیئے ہاسٹل کے چکر لگاتے نہیں تھکتے۔ جس طرح ہر گھر میں کچھ چھوٹے بچے ہوتے ہیں جنہیں لاڈ پیار سے رکھا جاتا ہے اسی طرح ہمارے ہاسٹل میں بھی حسن عرف چاچو ہے۔ جو دن میں سب کا دل بہلاتا ہے اور رات میں ان کا چہرہ کریم سے لت پت ہوتا ہے۔ جو کسی بھوت پریت سے کم نہیں لگتا۔

چاچو کے ساتھ ہمارے ہاسٹل میں ایک ماموں بھی ہے جو ہر وقت ہاتھ میں DVD پکڑے روم نمبر 20 کے چکر لگاتے رہتے ہیں، ریحان عرف ماموں تو بس فلم کی دنیا ہی میں رہتے ہیں۔

ہماری ٹیم کے فاسٹ باؤلر اظہر عرف نیازی جو بال کرتے ہوئے خود بھی تین دفعہ لہراتے ہیں۔ ہمارے ہاسٹل کے دو شہزادے ایسے بھی ہیں جن کو سونے سے فرصت نہیں ملتی ان میں میرے عزیز ارشان اور غازی طاہر ہیں۔

میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ ہمارے درمیان ایک ایسی شخصیت موجود ہے جو ابھی ابھی Australia سے واپس آئے ہیں جو کہ کامران صاحب ہیں۔ عام طور پر ان کو killer کے نام سے جانا جاتا ہے۔

میرے ایک اور عزیز زوہیب جو ہر وقت موبائل کے اندر رہتے ہیں اگر ان سے ملنا بھی ہو تو پہلے Keypad lock کھولنا پڑتا ہے۔

حارث دادا جو ہاسٹل کی عظیم شخصیت ہے۔ ہر وقت ہر کام میں regular اور punctual رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسی میں کامیابی ہے۔

ہمارے ایک ایسے دوست بھی ہیں راجہ شعیب جنہیں بالوں کا مسئلہ پیش ہے ان کے سر پر پچھلے پانچ سات سال سے بال اگنے کا نام نہیں لیتے۔ اور یہ دنیا کا ہر تیل آزما چکے ہیں۔

ہمارے ہاسٹل میں ایک body builder بھی ہے جن کو 8 pack بنانے کا شوق ہے مگر ان کا پیٹ پر ایک بھی pack بنتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ عقراش عرف افتخار ٹھاکر ہی وہ نامور ہستی ہیں یہ 8 سال جم بھی کر چکے ہیں مگر جم کے اوزار گھس گئے اور ان کی body نہ بنی۔

B.D.CHURASIA کے چھوٹے بھائی اسرار عرف Tuberosity جو ہر وقت ہاتھ میں B.D لیے رٹے لگانے سے باز نہیں آتے۔

یہ ہمارے ہاسٹل کی چھوٹی سے دنیا ہے جو پیار کے بازار سے گرم ہے اور سب ایک دوسرے کے لیے جیتے ہیں۔ اور اگر کسی کو کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو تو کوئی بھی مدد کرنے سے نہیں کرتا اور یہ الفاظ ہمیں اکثر سننے میں ملتے ہیں "فکر نہ کر یار میں ہوں نا تیرے ساتھ" اب کچھ اپنے بارے میں بھی بتاتا چلوں دیکھنے میں تو بہت stylish نظر آتا ہوں مگر میں تو ایک سادہ سا اللہ کا بندہ ہوں۔ ہاں اگر مجھے اپنے بال سٹ کرنے سے فرصت ملے تو دوسرے کام بھی کر لیتا ہوں۔

آپ کا دوست

محمد وسیم اعجاز

خیال

محمد اشفاق ثمر (سال آخر)

خیال بظاہر ایک معمولی سا لفظ ہے مگر حقیقت میں پوری کائنات پر اسکے گہرے اثرات ہیں ہر انسان ہر وقت کسی نہ کسی خیال کے زیر اثر رہتا ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ اسے ڈاکٹر بننا چاہیے۔ کسی کا خیال ہے اسے انجینئر بننا چاہیے اور کوئی سیاست کے خیالوں میں گم رہتا ہے۔

درحقیقت خیال ہی وہ محرک ہے جسکے تحت انسان کے کردار اور شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔

کائنات کی ابتدا بھی ایک خیال سے ہوئی جب کچھ بھی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں اور اس خیال کے تحت پوری کائنات تخلیق کی۔ قرآن مجید میں فرمایا کہ اللہ نے تمام جنات اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا فرمایا۔

خیال میں بے انتہا طاقت ہے اسے سمجھنا ضروری ہے یہ انسان کو کامیابی کی بلندیوں تک بھی پہنچا سکتا ہے اور ناکامیوں سے بھی ہمکنار کر سکتا ہے۔

خیال کی خاص بات یہ ہے کہ یہ فوراً خواہش بن جاتا ہے۔ خیال کی مار سے بچنا بہت ضروری ہے۔ حتیٰ کہ شیطان بھی خیال کی مار سے نہ بچ سکا۔ اسکا خیال تھا کہ وہ آدمؑ سے بہتر ہے مگر افسوس اسکا خیال اس وقت بھی غلط تھا اور آج بھی۔

قرآن مجید میں ایسے لوگوں سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے جو اپنے خیال کو حتمی سمجھتے ہیں اور اسے اس حد تک اہمیت اور فوقیت دیتے ہیں کہ وہ حقیقت سے دور ہو جاتے ہیں۔ شیطان نے اپنے خیال کو حتمی سمجھا اور اسے اللہ کے حکم سے زیادہ اہمیت دی اور آدمؑ کو سجدہ نہ کیا اور نافرمانوں میں شمار ہو گیا۔

شیطان کا طریقہ واردات بھی خیال ہی ہے وہ خیال کے ذریعے حملہ کرتا ہے اور جو لوگ شیطانی خیالات اور وسوسوں کو اہمیت دیتے ہیں وہ بھٹک جاتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بارہا فرمایا کہ ''بے شک شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے''۔

شیطان کھلا دشمن ہونے کے باوجود کبھی کھل کر سامنے نہیں آتا اور سوچ کے پردوں میں چھپ کر خیال کا ہتھیار استعمال کرتا ہے اور انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اسی لیے ہمارے نبی ﷺ ہمیں ہر کام سے پہلے یہ دعا پڑھنے کو کہا ہے ''اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کیونکہ اللہ کی مدد کے بغیر شیطان کے وار سے بچنا ناممکن ہے۔

ایک بزرگ کی شیطان سے ملاقات ہوئی تو غصے سے اس سے پوچھا کہ تم نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیوں نہیں کیا۔ تو شیطان نے جواب میں کہا ''کیا اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز ہے؟'' یہ سن کر بزرگ گھبرا گیا کیونکہ شیطان کی اس بات کا جواب اسکے پاس نہیں تھا۔ اس پر اللہ نے اس کی غیب سے مدد کی اور بزرگ نے جواب دیا کہ مردود اللہ کا حکم ماننا ہی اسکی عبادت ہے اور اسکا حکم نہ ماننا کفر ہے۔ عبادت کے لائق تو صرف اللہ کی ذات ہے اور آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم تو صرف ایک آزمائش تھی کہ کون اللہ کے حکم کو اہمیت دیتا ہے اور کون اپنی ذات کو۔ تم نے خود کو آدمؑ سے بہتر سمجھا اور غرور کیا اور اس لیے تم آج بھی ذلیل و رسوا ہو رہے ہو۔ یہ سن کر شیطان بھاگ گیا۔

بہت سی اخلاقی برائیاں بھی محض خیال کی بے راہ روی کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً حرص، ہوس، خودغرضی، لالچ، حسد، کینہ، بغض یہ سب درحقیقت خیالات کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ جو لوگ ان خیالات سے چھٹکارہ پانے کے بجائے ان کو اپنے دل اور دماغ جگہ دیتے ہیں وہ سیدھی راہ سے بھٹک جاتے ہیں اور مختلف معاشرتی مسائل کا باعث بنتے ہیں۔ آج کل معاشرے کی حالت سب کے سامنے ہیں اسی لیے کہتے ہیں کہ اچھی محفل میں بیٹھنا چاہیے کیونکہ خیالات اگر اچھے اور نیک ہوں تو روح تک اثر کر جاتے ہیں۔

اگر انسان اللہ اور اسکے محبوب ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے تو ان خیالات کو ابتدا میں ہی روکا جا سکتا ہے جو بعد میں جان کا وبال بن جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسلام میں عورت کو پردہ کرنے اور مرد کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خوبصورتی کو پردے میں چھپانا نہیں چاہیے لیکن انکا یہ خیال درست نہیں اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ خوبصورت چہرے کو دیکھ کر صرف خوبصورت خیال ہی ذہن میں آئیں گے۔

خیال انسان کو جنون کی طرف لے جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے دل میں ہر وقت اللہ کا خیال رہتا ہے وہ ولی کامل بن جاتے ہیں اور جن کے دل میں غیر اللہ کا خیال رہتا ہے وہ مجنوں بن جاتے ہیں۔ اس لیے خیال کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

کامیابی کا خیال انسان کو کبھی نہ کبھی کامیابی سے ہمکنار ضرور کرتا ہے اور ناکامی کا خیال انسان کو چند قدم چلنے سے بھی روک دیتا ہے۔

خیال کی حفاظت بھی خیال ہی کر سکتا ہے۔

اللہ جھوٹ نہ بلوائے

ڈاکٹر جاوید راجپوت
ایسوسی ایٹ پروفیسر آف سرجری

سُنا ہے گزرے وقتوں میں علاج کا طریقہ بھی بڑا گیا گزرا ہوتا تھا۔سَر کے درد کے علاج کے لئے آسان طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ایک بڑا پتھر مریض کے سَر میں زور سے مارا جاتا تھا۔کامیابی یقینی ہوتی تھی۔پہلی صورت میں مریض ہوش وحواس سے بے گانہ ہوجاتا تھا۔اوردوسری صورت میں دُنیا وجہاں سے بے گانہ ہوجاتا تھا۔بہر حال سر درد ختم ہوجاتا تھا۔

یہی طریقہ بلند فشارِ خون کے علاج میں استعمال کیا جاتا تھا۔اُسکے لئے ایک نوکیلا پتھر استعمال کیا جاتا تھا۔جس سے خون بہنا شروع ہو جاتا تھا اور مریض کچھ بہتر محسوس کرتا تھا۔یہ غالباً پتھر کے زمانے کی بات ہے۔(غالباً سے آپ مرزا غالب کی بیوی مطلب نہ لے لیجئے گا)۔

اس طرح قبض کا علاج کرنے کیلئے معالج پیٹ پر زور سے پتھر مارتا تھا Retention of Urine کیلئے بھی یہی فارمولہ آزمودہ تھا۔اسکے بعد کا دورلوہے کا زمانہ تھا۔جب ہر چیز کا جواب لوہا ہوتا تھا یعنی لوہے کے بنے چند اوزار (یہ اوزار آج تک استعمال میں ہیں) آگ اور لوہا علاج کیلئے استعمال ہونے لگا۔زخم میں پیپ پڑ جائے تو لوہا گرم کرکے لگا دو(یا پیپ بھاگ جائے گا یا مریض دونوں صورتوں میں آپ کامیاب)۔اگر زخم ٹھیک ہے تو مٹی لگادو۔اگر خون بہہ رہا ہے تو تیل گرم کرکے اُبلتے ہوئے تیل کو خون بہنے کے مقام پر ڈال دو۔اگر زیادہ خون بہہ رہا ہے تو مریض ہی کو تیل میں ڈال دو،یہ یقیناً تیل دریافت ہونے کے بعد کے زمانے کی بات ہے۔تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو کا محاورہ بھی اسکے بعد ہی ایجاد ہوا ہوگا۔اسکے بعد سرجنز نے کمان سنبھالی۔ جنہیں اس زمانے میں جراح کہا جاتا تھا۔ان کا کام صرف چیرنا ہوتا تھا۔سینا نہیں۔سینا درزیوں کا کام ہوتا تھا۔جب ہی تو علی بابا کھل جا سم سم کی کہانی میں ٹکڑے ٹکڑے لئے آدمی کو ایک درزی نے سی کر دیا۔یعنی یہ ایک ٹیم ورک ہوتا تھا۔یہ جراح بڑے زبردست ہوتے تھے۔تمام آپریشن کر لیتے تھے۔انکا Anesthetists بھی بڑا زبردست ہوتا تھا۔شروع شروع میں وہ ایک لکڑی کی موگری (موگری سمجھتے ہیں نا آپ؟ بہت سمجھدار ہیں فوراً سمجھ گئے) لیکر وہ مریض کے سر پر کھڑا ہوجاتا تھا۔(ادھر بھی واقعتاً نہیں مثال کے طور پر یعنی) سر کے پاس کھڑا ہوکر پوری طاقت سے (ارے بھائی یہ حلوا پوری والی پوری نہیں پوری کا مطلب ہے۔مکمل یعنی بھرپور) اب بھرپور یہ مجھے فراز کا شعر یاد آگیا۔

جسم بلور سا نازک ہے جوانی بھرپور
اُسکے انگڑائی نہ ٹوٹی تو بدن ٹوٹے گا

ہاں تو میں کہہ رہا تھا،کیا کہہ رہا تھا؟ایک تو آپ بیچ میں بولتے بہت ہیں۔ ہاں یاد آیا۔تو اس بھرپور طاقت کے استعمال سے جو کہ مریض کے سَر (سَر نہ سمجھ لیجئے گا) پر کیا جاتا تھا۔اور مریض ”گمنا غفیل“ (اب انکا مطلب بھی بتانا پڑے گا؟) یا سمجھ گئے۔یہ مریض اگر خوراک کم ملنے پر ہوش میں آنے کی کوشش کرتا تھا تو بے ہوشی والا ڈاکٹر ایک ضرب اور لگا دیتا تھا۔اور جراحی مکمل ہوجاتی تھی۔اسکے کچھ دنوں کے بعد مریض کو ہوش بھی آجاتا تھا۔مگر کبھی کبھی مریض کو ہوش میں لانے کے لئے نیورو سرجن کو بُلانا پڑتا تھا۔حیرت کی بات یہ ہے کہ بلاتے کہاں سے تھے۔شاید افغانستان سے۔جبھی تو بقول اقبال

قتل کے لئے گر ضرورت پڑی
بُلالوں گا اک افغان کابل سے

اسکے بعد جناب دنیا میں ایک انقلاب آیا۔اور بے ہوش کرنے کی ایک دوا ایجاد ہوگئی جسے کلوروفام کہا جاتا تھا۔اسکا استعمال یعنی آزادانہ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ استعمال جیسا پاکستان فلموں میں اسلم پرویز نے کیا کسی نے نہ کیا ہوگا۔یہ صاحب کلوروفام ہروقت رومال میں لگائے رکھتے تھے اور شادی اٹینڈ کرنے کے بہت شوقین تھے۔کھانے میں اگر مرغ پلاؤ اور قورمہ ہو اور انھیں دعوت بھی ہو تو خیر ہے،وگرنہ یہ پچھلے دروازے سے گھر میں کودتے تھے اور اپنا کلوروفام والا رومال دلہن کی عین ناک پر رکھ دیتے تھے۔اور پھر دلہن (جو کہ بیشتر شمیم آراء ہوکرتی تھیں) کندھے پر ڈال کر لے جاتے تھے۔اسی اثنا میں یہ خبر جب دُلہے صاحب کو ملتی (جو کہ عموماً محمد علی ہوتے تھے) تو وہ فوراً ایک بجی سجائی کار میں (شاید صرف اسی کی ہی چابی انکے پاس ہوتی ہو یا اس بلوے کیلئے کوئی اپنی کار دینے پر راضی نہ ہوتا ہو، یا شاید دونوں ہی باتیں ہوں) دشمن کا پیچھا کرتے اور دلہن چُھڑا کر ہی لاتے۔مگر صاحب آپ داد دیجئے اس Well calculated dose کی کہ مجال ہے جو ذرا over dose یا under dose ہو۔آج کے Anesthetists اگر اسلم پرویز سے ٹریننگ لیتے تو کلوروفام آج بھی اتنا ہی مقبول ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مناجات

الٰہی میں جب بھی دعا مانگتی ہوں
میں تجھ سے تری ہی رضا مانگتی ہوں

مجھے عیش و عشرت کی خواہش نہیں
میں ایمان کی بس بقا مانگتی ہوں

کہیں رنگِ دنیا نہ چڑھ جائے مجھ پر
اے رہبر ترا آسرا مانگتی ہوں

رضا میں تری میں رہوں خوش ہمیشہ
میں ایسی خوشی اور رضا مانگتی ہوں

جو ٹوٹے نہ طوفاں سے اور آندھیوں سے
میں مضبوط وہ رابطہ مانگتی ہوں

خطائیں مری میرا دل چیرتی ہیں
مجھے بخش دو میں دعا مانگتی ہوں

جو ہو حشر میں سر فرازی کا باعث
کرم کا میں وہ سلسلہ مانگتی ہوں

سیدہ انیقہ نذر، فائنل ائیر

نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دہن کھولوں تری ثناء کے لئے
مضطرب دل ہے مصطفٰے ﷺ کے لئے

چاند تارے زماں مکاں سب ہی
گویا تخلیق ہیں ، خدا کے لیے

ہوش مندوں کا ہوش قاصر ہے
معرفت سے تری ادا کے لئے

جس کا ہر ہر نفس رہا مصروف
تیرے اسلام کی بقا کے لئے

کس مسیحا کو رب نے بھیجا ہے
مرضِ انسان کی دوا کے لئے

کتنا عاصی حبیب ہے یارب
بخش فرمادے مصطفٰے ﷺ کے لئے

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن چوہان

شانِ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرہؑ

عذرا پروین، فائنل ائیر

کیا لکھوں ہے کیا مقام فاطمہ زہرہ بتولؑ
خالق و مخلوق کے مابین ہے پردہ بتولؑ
ہے نبوت اور امامت کا بھی دروازہ بتولؑ
از ازل تا ابد کونین کی ملکہ بتولؑ
پرورش ہوتی ہے بالآخر جہاں حسنینؑ کی
عظمتوں کی انتہا پر ہے وہ ماں حسنینؑ کی

عظمتوں کی رفعتوں کی جو علم بردار ہے
عالمیں کی عورتوں کی بی بیؑ جو سردار ہے
پر تو ے علم نبوتؐ جس کا ہر کردار ہے
جس کے در کا دیکھ کہ جبریلؑ پہریدار ہے
باپ کی امت سے ہے نالاں وہ بیچاری بتولؑ
قبر میں بھی بے سکوں ہے درد کی ماری بتولؑ

ایک فلسطینی کی نظم شناختی کارڈ

محمود درویش

محمود درویش ایک عظیم فلسطینی عربی شاعر تھے۔انہوں نے وطن کے لیے ایسے عظیم مصرے لکھے۔

میرا وطن ڈاک میں بھیجا ہوا ایک بوسہ ہے۔

وطن ماں کے ہاتھ کی پکی روٹی کھانے اور اپنی پسند کی موت مرنے کا نام ہے۔ ذیل میں ان کی ۳۲ زبانوں میں ترجمہ ہو کر دنیا کے لوگوں تک رسائی حاصل کرنے والی ایک نظم "شناختی کارڈ" کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔اس کے بعد پاکستان کے تناظر میں ڈاکٹر سید رضی محمد کی ایک ولدوز نظم ہے۔

ہاں درج کرو!
میں ایک عرب ہوں
اور میرے کارڈ کا نمبر پچاس ہزار ہے
میرے آٹھ بچے ہیں
اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟

ہاں درج کرو!
میں ایک عرب ہوں
پتھر توڑنے والے مزدروں کے ساتھ کام کرتا
ہوں
میرے آٹھ بچے ہیں
ان کے لئے چٹانوں سے روٹی
کپڑا اور لکھنے کی کاپیاں تراشتا ہوں
بھیک مانگنے تمہارے دروازے پر نہیں جاتا
مجھے اپنی دہلیز سے کمتر نہ سمجھو
اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟

ہاں درج کرو!
میں ایک عرب ہوں
ایک نام کسی لقب کے بغیر
ایک ایسے شہر میں مبتلا ہوں جہاں ہر چیز
غصے کے گرداب میں زندہ ہے
میری جڑیں وقت کی پیدائش سے پہلے
زمانوں کے شروع ہونے سے پہلے
صنوبر اور زیتون کے درختوں سے پہلے
بیج کے پھوٹنے سے پہلے قائم تھیں
میرا باپ ہل کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے
اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے
کسی اعلیٰ اور افضل گھرانے سے نہیں
اور میرا دادا ایک مزارع تھا
کسی شجرۂ نسب میں اس کا نام نہیں ہے
میرا گھر چوکیدار کی جھونپڑی ہے
گھاس پھونس سے بنی ہوئی
میرا رتبہ جان گئے ہو؟
میں ایک نام ہوں بغیر کسی ذات کے
اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے

ہاں درج کرو
میں ایک عرب ہوں
بالوں کا رنگ؟۔۔۔۔کالا سیاہ!
آنکھیں؟۔۔۔۔بھوری
امتیازی نشان؟
سر پر "کیفیہ" اور "اقل"
جو چھونے والوں کو چبھتی ہے
میرا پتہ
ایک گاؤں، دور، بھولا بسرا ہوا
اس کی بے نام گلیاں
رہائش؟ کھیتوں اور کانوں میں
اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے

ہاں درج کرو
میں ایک عرب ہوں
تم نے میرے بزرگوں کے انگوروں کے کھیت
چرا لئے
اور وہ کھیت بھی جن سے میں
اور میرے تمام بچے اناج اگاتے تھے
تم نے میرے پوتوں اور پوتیوں کے لئے بھی کچھ
نہیں چھوڑا
ان چٹانوں کے علاوہ جن کے بارے میں کہتے
ہیں
تمہاری حکومت ان کو بھی واپس لے لے گی
تو درج کرو، صفحہ کے اوپر
میں لوگوں سے نفرت نہیں کرتا
میں کسی کے علاقے سے بھی نہیں گزرتا
لیکن اگر مجھے بھوک لگی
تو ہر غاصب کو کچا کھا جاؤں گا
ہاں ڈرو! ڈرو!
میری بھوک سے!
میرے غصے سے!۔

ایک پاکستانی کی نظم

ڈاکٹر سید رضی محمد

یہ میرے دیس کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے
اِسے بازار کہتے تھے اور اب مقتل بھی کہتے ہیں
یہاں پر میں دھوئیں اور خون اور جسموں کے ٹکڑوں میں گھرا تم سے مخاطب ہوں
چلو آؤ تمہیں کچھ عام سے منظر دکھاؤں
یہ اعضاء جو یہاں بکھرے ہوئے ہیں ایک بچے کے ہیں جو ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھا
(اب اس کے ہاتھ کی ٹافی اسی کے خون سے بھیگی ہوئی ہے)
یہ آنکھیں ماں کی آنکھیں ہیں
اور اب ان کا مقدر روز اپنے لال کے دیدار کی حسرت میں مرنا ہے
یہ چہرہ باپ کا ہے اور اس میں جو بڑھاپے کے نشاں اب دیکھتے ہو
یہ بس کچھ ثانیوں میں گود کے پالے کی سانسیں ٹوٹنے کے دکھ سے ابھرے ہیں
یہ آنچل اک بہن کا ہے
وہ بھائی جس نے یہ رنگین آنچل سر پہ رکھا تھا
اب اس کے واسطے لٹھے کی اک بے رنگ چادر ڈھونڈتا ہے

یہ اک چھوٹا سا مقتل ہے
اسی بازار کے مقتل سے یہ اک سر ملا ہے
یہ سر ایسے درندے کا ہے جس نے لفظوں کے تاجر کسی اہلِ ہوس کے ہاتھ اپنی روح کا سودا کیا تھا
جہالت اور جنوں کو مذہبی گمراہ کن تائید مل جائے تو ایسے سانحوں کو روپ ملتا ہے
یہ اک چھوٹا سا مقتل ہے

تمہیں اب کیا بتاؤں میری ارضِ پاک ہی ساری کی ساری ایک مقتل بن گئی ہے
اور اس دھرتی میں جتنے نرم خصلت لوگ جو باقی بچے ہیں وہ سبھی یاں یرغمالی ہیں
یہاں کچھ مٹھی بھر وحشی درندہ خصلت و بے علم میری قوم کی تذلیل کرتے ہیں
مگر میں نے بھی دل میں ٹھان لی ہے
کہ میں مقتل میں رہ کر اپنی باری آنے تک سب قاتلوں سے بھی لڑوں گا
اور ان سے بھی جو اپنی خامشی سے بزدلی یا کم نگاہی کی بناء پر قاتلوں کا ساتھ دیتے ہیں

میں لڑنا چاہتا ہوں اور دنیا کو بتانا چاہتا ہوں
یہ میری قوم ہے مجمع نہیں ہے
یہ ارضِ پاک ہے جنگل نہیں ہے
یہ میرا دل ہے جس سے اپنی مٹی کے لیے چاہت مٹانا دشمنوں کے واسطے ممکن نہیں ہے

میں اپنے لوگوں سے اک بات کہنا چاہتا ہوں
اگر قاتل اور ان کا ساتھ دینے والے سب جھگڑے بھلا کر ایک ایجنڈے پہ یکجا ہیں
تو ہم کب تک اکیلے مارے جانے کو اکھٹے لڑنے پر ترجیح دیں گے
مرے معبود میرا تجھ سے وعدہ ہے کہ میں سارے دکھوں کو بھول جاؤں گا
اگر اک بار مجھ کو چشمِ مظلوماں میں خواب مشترک کی ایک جھلکی بھی دکھا دے
زبانوں اور عقیدوں کے تفاوت میں بٹے مجمع کو
مری مٹی کی خوشبو سے قریب آنے کی اور اک قوم، اک تہذیب میں ڈھلنے کی بار یکی سکھا دے

ھاسٹل نامہ

نادیہ امبرین، سال سوئم

ہمارے ہاسٹل کی ہم سے کوئی بات مت پوچھیں
یہاں کیا ہے یہاں کس طرح ہیں حالات مت پوچھیں
یہاں جس وقت بھی میس والے کھانا پیش کرتے ہیں
تو گویا ایک جنگل کا نظارہ پیش کرتے ہیں
سنا ہے میس کے مرغوں کی کبھی ٹانگیں نہیں ہوتیں
ذبح ہوتے ہیں بے آواز یاں بانگیں نہیں ہوتیں
چلو یہ بات جھوٹی ہے سرا سر فرض کرتے ہیں
مگر جو ہم نے دیکھی وہ حقیقت عرض کرتے ہیں
ذرا خوش ذائقہ کھانا یہاں پر کم ہی ملتا ہے
بہت ملتا ہے ایسا کھا کے جس کو غم ہی ملتا ہے
یہاں قلت دہی کی اس طرح سے ٹال دیتے ہیں
کہ جتنا کم ہو اتنا اِس میں پانی ڈال دیتے ہیں
یہاں ہر گوشت اکثر تو، گلا یا ہی نہیں جاتا
جسے انسان کھائیں یوں پکا یا ہی نہیں جاتا
یہاں ہر آلو قیمہ آلوؤں کا قیمہ ہوتا ہے
جسے کھانے کا عزم و حوصلہ بھی دھیمہ ہوتا ہے
فقط دال اور روٹی کی یہاں بہتات ہوتی ہے
پلاؤ گوشت مرغہ ڈش تو اِک سوغات ہوتی ہے
سدا ڈونگوں میں بھر بھر کے یہاں پر دال آئے ہے
پلیٹ آئے تو یوں لگتا ہے جیسے تھال آئے ہے
کئی احباب تو کھانے پر ایسے ٹوٹ پڑتے ہیں
کہ اُن کے ہاتھ منہ سے بھی نوالے چھوٹ پڑتے ہیں
بہت کم ٹھیک روٹی اور پوری گول ہوتی ہے
جلی ہوتی ہے آٹے کا وگرنہ ڈھول ہوتی ہے
کوئی کہتا ہے یہ تو سائیکل کی ٹیوب لگتی ہے
کسی کو کچھ مثلث اور کسی کو کیوب لگتی ہے
سبھی احباب مل کر سخت ہی روٹی چباتے ہیں
تو یوں لگتا ہے جیسے دوسرے کا منہ چڑاتے ہیں

G.R کا شکوہ
طالب علم کی خدمت میں

گر داخلہ تیرا نہیں کالج میں ہوا ہوتا
تو شعر مسیحا میں کیسے یہ چھپا ہوتا
لڑکے جو کلاسوں سے یوں ٹل نہ لگاتے تو
کیفے کا لغاری کی دھندا نہ چلا ہوتا
کل میں نے پڑھایا تھا لیکچر میں بھلا کیا کچھ
نہ اس کو خبر ہوتی نہ اس کا پتہ ہوتا
ساری میری محنت کا اتنا تو تقاضہ ہے
اے کاش کلاسوں میں کچھ سن ہی لیا ہوتا
پوچھا تو بہت ہم نے، پھر بھی رہی حسرت ہی
کچھ تم نے کہا ہوتا کچھ ہم نے سنا ہوتا
سادے سے سوالوں کے کورے سے جوابوں سے
تھا سامنے ایکسٹرنل رسوا نہ کیا ہوتا

ڈاکٹر غلام رسول بھرگڑی، (اسسٹنٹ پروفیسر فارماکولوجی)

غزل

جب خزاں کے موسم میں
سوکھے پتے گرتے ہیں
خوشبوئیں نہیں آتیں

ایسے موسموں میں تم
دل فگار کرتے ہو
اور سوجی آنکھوں میں
سرخ رنگ بھرتے ہو
یہ بتاؤ آج مجھے
جس کو تم نے کھویا ہے
دیکھنے میں کیسی تھی؟
وہ تمہارے واسطے
موج تھی۔سمندر تھی؟
کیا مقام رکھتی تھی؟
خوں بہا تھی۔۔۔مقتل تھی؟
راستہ تھی۔۔۔منزل تھی؟
وہ تمہاری چاہت ہے
یا تمہاری چاہت تھی

منظور حسین ,سال سوئم

غزل

میں کتنا خوش بخت ہوں میں نے حیراں ہوکر سوچا ہے
اپنا درد بھلانے والا مجھ پر ٹوٹ کے رویا ہے
بارش یا طوفان میں طائر لوٹ کے گھر ہی آئے گا
اک بوڑھا مالی گلشن کے ہر پودے سے کہتا ہے
اک وقتی ہیجان کی زد میں کتنے رشتے آئے ہیں
اک لہجے کی لغزش تھی اب ساری عمر کا رونا ہے
غم کی فوج اور میرے بیچ میں یادوں کی دیواریں ہیں
جس میں وقت کے شب خوں سے اک روزن بنتا جاتا ہے
پھول سی الفت شک کے موسم میں پیلی پڑ جاتی ہے
مجھکو بھی موسم کا ڈر ہے میرا پھول بھی مہکا ہے
سب کا منبع تم ہی ہو اور سب کا مرکز تم ہی ہو
میں نے جو کچھ لکھا ہے اور میں نے جو کچھ سوچا ہے
تقی ہمارے سارے ساتھی وہ پیغام نہ جان سکے
جو تتلی نے خون جگر سے اک مٹھی پر لکھا ہے

انجینئر سید تقی محمد (ٹرسٹی محمد فاؤنڈیشن ٹرسٹ)

غزل

رستہ روکے انا کھڑی ہے
گم صم میری صدا کھڑی ہے
باغی ہوں میں اسی لیے تو
دنیا مجھ سے جدا کھڑی ہے
میری موت ہے برحق لیکن
میرے آگے بقاء کھڑی ہے
ماں ہے پیار کی صورت رضواں
اوک میں بھر کے دعا کھڑی ہے۔

محمد رضوان جاوید، سال آخر

غزل

میں کہ شمشیر زدہ عشق کی تلواروں سے
کیوں وفا مانگتا ہوں آگ سے انگاروں سے
ذہن انسان سے جو فکر کے دریا پھوٹے
ٹھہر سکتے نہیں افلاک کی دیواروں سے
گوشہ خاص میرے نام سے منصوب نہ کر
میں گزر جاؤنگا پگڈنڈی سے بازاروں سے
اور تم دیتے ہو ظلمت کے ڈراوے مجھ کو
میں کہ واقف ہوں سبھی رات کے اندھیاروں سے
عالم ہوش میں کیوں مجھ کو بلاتے ہو حبیب
میں ہوں ہوشیار بہت ہوش سے ہشیاروں سے

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن چوہان، لیکچرار فزیالوجی

صحت کا فارمولا

جہاں تک کام چلتا ہو غذا سے — وہاں تک چاہیے بچنا دوا سے
اگر تجھ کو لگے جاڑے میں سردی — تو استعمال کر انڈے کی زردی
جو ہو محسوس وجدے میں گرانی — تو پی لے سونف یا ادرک کا پانی
بنے گر خون کم، بلغم زیادہ — تو کھا گاجر، چنے، شلجم زیادہ
جو بدہضمی میں چاہے تو افاقہ — تو دو اک وقت کا کر لے تو فاقہ
جو پیچش ہے تو کیلا اور دہی کو — ملا کر شہد میں کھالے اسی کو
جگر کے بل پہ ہے انسان جیتا — اگر ضعف جگر ہے کھا پپیتا
جگر میں ہو اگر گرمی دہی کھا — اگر آنتوں میں خشکی ہو تو گھی کھا
کی طاقت میں جو ہوتی ہو محسوس — تو پھر ملتانی مصری کی ڈلی چوس
زیادہ گر دماغی ہے تیرا کام — تو کھا پر شہد کے ہمراہ بادام
اگر ہو قلب پر گرمی کا احساس — مربہ آملہ کھا اور اناس
جو دکھتا ہے گلا نزلے کے مارے — تو کر نمکین پانی کے غرارے
اگر ہے درد سے اک دانت بے کل — تو انگلی سے سوڑھوں پر نمک مل
نبی کا قول سن بہ اُمید اِدراک — روزانہ تو کیا کر تازہ مسواک

عاطف عزیز، سال آخر

نظم

میرے آنگن کی دھوپ میں
اس کمزور سی بیل کا وہ ذرا سا پتہ
جسے اپنے مقدر کی چند گھڑیاں اور جینی ہیں
اس کے مرنے کا غم کون کرے گا
بیل کے پاس تو سینکڑوں پتے ہیں
اس کے بکھرنے کا ماتم کون کریگا
وہ چپ چاپ اپنے آنسو پی کر
اپنے حصے کی زندگی جی کر
خاموشی سے گذر جائے گا
میں نے اس پتے کی شاخ سے محبت کو دیکھا ہے
مرنے سے پہلے وہ شاخ کو
ایک نئی کونپل کا تحفہ دے گیا ہے

محمد عامر مستوئی، سال چہارم

دوشعر

اب اگر میل نہیں ہے تو جدائی بھی نہیں
بات توڑی نہیں تو، تم نے بنائی بھی نہیں
یہ سہارا ہی بہت ہے مرے جینے کے لیے
تم اگر میری نہیں ہو تو پرائی بھی نہیں

حسان اصغر، سال اول

اور کیا دیتے

تمہیں بخشی ہے دل پہ حکمرانی اور کیا دیتے
یہی تھی بس ہماری راج دھانی اور کیا دیتے
ستاروں سے کسی کی مانگ بھرنا اک فسانا ہے
تمہارے نام لکھ دی زندگانی اور کیا دیتے
وہ ہم سے مانگتا تھا عمر کا اک دلنشیں حصہ
نہ دیتے اسکو ہم اپنی جوانی اور کیا دیتے
بچھڑتے وقت اسکو اک نا اک طوفان دینا تھا
ہمارے پاس تھا آنکھوں میں پانی اور کیا دیتے

عمران سکندر، سال چہارم

غزل

جس کو چاہا تھا اُس کو پا نہ سکے
آرزو کا جہاں بسا نہ سکے

سن لیے اُن کے سب گلے شکوے
اپنی مجبوریاں بتا نہ سکے

خیر وہ تو خزاں کا موسم تھا
فصل گل میں بھی مسکرا نہ سکے

زندگی بھی ہمیں سے روٹھی ہے
موت کو بھی مگر منا نہ سکے

عمر بھر اک جھجک سی تھی سردار
ایک پردہ تھا جو ہٹا نہ سکے

سردار زوہیب، سال اول

سوات یادشتِ کربلا

سُرخی ہے چار جانب
شعلے برس رہے ہیں

ہر سمت بس دھواں ہے
یا رنج کا سماں ہے

یہ سوات کی زمیں ہے
یادشتِ کربلا ہے
ہر سمت ہے تباہی
سب کچھ ہی مٹ گیا ہے

گاؤں اجڑ رہے ہیں
اور سر بھی کٹ رہے ہیں

معصوم سے جنازے
آہیں نکل رہی ہیں

ہر دل تڑپ رہا ہے
پرسوز ہیں نظارے
خاموش کیوں ہے عالم
انسان تو ہے باقی!

انسانیت کہاں ہے
یہ سوات کی سرزمیں ہے
یادشتِ کربلا ہے۔۔۔

محمد لطیف شہزاد، سال آخر

اور پھر یوں ہوا

اس ملک کو کس نے لُوٹ لیا ؟
اس بات کا چرچہ کیسے ہو؟
جب اپنے محافظ سوتے ہیں
پھر شور و شکوہ کیسے ہو؟
جب آنچ تھی ہلکی ہلکی سی
شعلوں کو بُجھانا ممکن تھا
اَب آگ ہے گلیوں گلیوں میں
یہ ملبہ ٹھنڈا کیسے ہو؟
ہاں روز ہی خنجر چلتے ہیں
اور روز ہی لاشیں گرتی ہیں
اور اہلِ چمن یہ کہتے ہیں
ہر لاش پہ نوحہ کیسے ہو ؟

احسن خالد، سال آخر

غزل

اِک کرب مسلسل ہے کہ جاتا نہیں دل سے
اک بار بھی اس شخص نے دیکھا نہیں دل سے
کتنی ہی تمناؤں کا خوں ہم نے کیا پر
اس ایک محبت کو اتارا نہیں دل سے
تاریک ہوا شہر تو اب سوچ رہے ہیں
کیوں ہم نے چراغوں کو جلایا نہیں دل سے
یوسف کی طرح شہر میں بکتے ہی رہے ہم
پر ایک بھی گاہک نے خریدا نہیں دل سے
جب اس کو فسانے سے ہمارے نہیں مطلب
ہم نے بھی سنایا تو سنایا نہیں دل سے
وہ جس کی جدائی سے ہراساں تھا مرا دل
اس شخص کو چھوڑا ہے تو پوچھا نہیں دل سے

ساجد وقاص عاصؔی، سال آخر

رباعی

غبارِ غم جو جو چھٹ گیا ہوتا
میں بھی ہستی سے مٹ گیا ہوتا
تیرا غم ہے تو میں بھی یکجا ہوں
ورنہ ٹکڑوں میں بٹ گیا ہوتا

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن چوہان، لیکچرار، فزیالوجی

غزل

زندگی میں چھا گئے یوں درد کے سائے بہت
ہم نے آنکھوں میں وفا کے خواب ٹھہرائے بہت
کیسے کیسے لوگ بچھڑے ہیں سر راہِ حیات
وہ بچھڑنے والے کل شب مجھ کو یاد آئے بہت
ایک چہرہ جس کو یہ آنکھیں ترستی ہی رہیں
گو شناسا لوگ میری راہ میں آئے بہت
اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی کر چیاں چنتے رہے
ہم فرح خوابوں کو یکجا کر کے پچھتائے بہت

فرح قاضی، سال اول

غزل

زخمِ دل لے کے مرے دوست کہاں جاؤ گے
اس خزانے کے خریدار نہیں پاؤ گے
اے مرے شیشہ دلو، اے مرے نازک لوگو
قریۂ سنگ میں جاؤ گے تو پچھتاؤ گے
میری آنکھوں کا لکھا، تھوڑا سا ہے لیکن تم
ان سے تم دردِ رگِ دل نہ سمجھ پاؤ گے
اتنی پیچیدہ ہے یہ راہِ وفا کہ اسماء
گتھی کب سلجھے گی تم خود ہی الجھ جاؤ گے

اسماء بٹ، سال آخر

تعلق

تعلق ٹوٹ جائیگا مرا سارے زمانے سے
مرے اپنے خفا ہونگے تمہیں اپنا بنانے سے
تمھارے ساتھ رہنے سے مجھے تسکین ملتی ہے
بہت تکلیف ہوتی ہے تمھارے دور جانے سے
میرے گھر کو جلا دینا مگر یہ ذہن میں رکھنا
اُجا لا مل نہیں سکتا کسی کا گھر جلانے سے
ہماری جان جائیگی تو پھر تم جان جاؤ گے
کہ حاصل کچھ نہیں ہوتا کسی کو آزمانے سے
تمھارا نام میں کیسے مٹا دوں اپنے قصے سے
بہت گہرا تعلق ہے ترا میرے فسانے سے
کبھی طوفاں کبھی بارش، کبھی آندھی، کبھی سیلاب
سبھی نے دشمنی کرلی ہے میرے آشیانے سے

اشوک کمار راٹھور، سال آخر

غزل

میں تو قطرہ ہوں سمندر نہ بناؤ تم لوگ
میری پہچان کو یوں تو نہ مٹاؤ تم لوگ

کچا یا پکا ہے یہ رنگ مرا ہے اے دوست
غیر کے رنگوں سے مجھ کو نہ سجاؤ تم لوگ

سادگی میں مجھے پرکاری نظر آتی ہے
عارضی رنگ نہ چہرے پہ لگاؤ تم لوگ

آنا ہے تم کو اسی دیس کی جانب اک دن
عارضی جانا ہے تو چھوڑ کے جاؤ تم لوگ

سیدہ انیقہ نذر، فائنل ایئر

سرد لہو کے دیس میں

ڈاکٹر سید رضی محمد

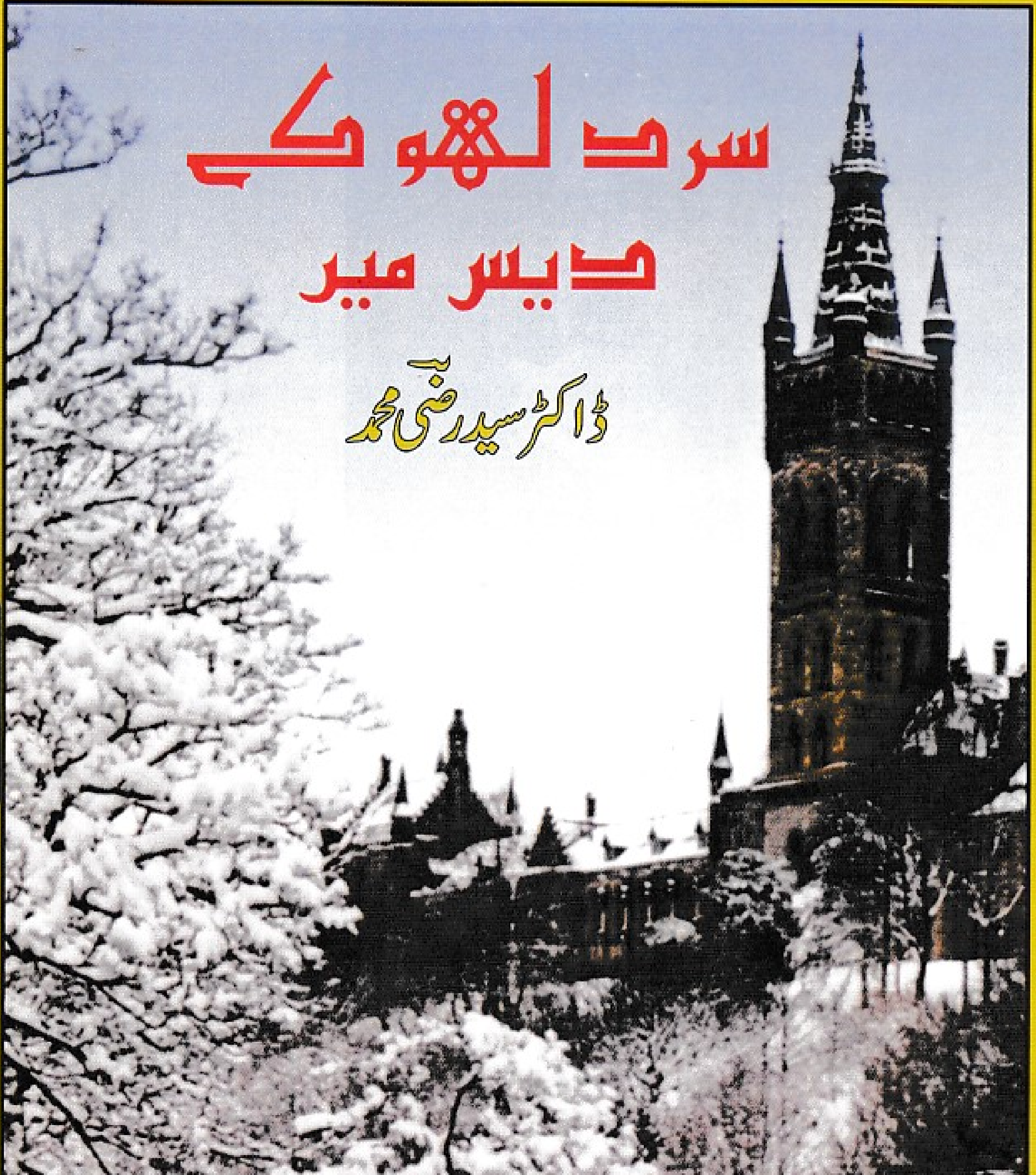

ارتقا پڑھ کے سمجھ آتا نہ تھا، آخر آیا
آٹھ ایام فقط حر کے سمجھ آنے سے

ISBN 978-1-873671-00-9
9 781873 671009 >

سرد لہو کے دیس میں

ڈاکٹر سید رضی محمد

یہ وصفِ عشق نہیں ، وصفِ ذات تھا جس نے

شعارِ عشق سے پہلے وفا شعار کیا

سرد لہو کے دیس میں

ڈاکٹر سید رضی محمد

کتاب ایسا تحفہ ہے جو بار بار کھولا جا سکتا ہے

☆ سرورق : ڈاکٹر سید رضی محمد ☆ اشاعت : ۲۰۱۰ء ☆ قیمت : ۲۰۰ روپے

پیشہ ورانہ قابلیت: ایم بی بی ایس (ڈاؤ)، ایف آر سی ایس (ایڈنبرا)، ایف آر سی ایس (گلاسگو)
ڈپلوما یورولوجی (یو سی ایل)، ڈپلوما میڈیکل ایجوکیشن (ڈنڈی، اسکاٹ لینڈ)
پیشہ ورانہ حیثیت: ڈین و پروفیسر آف سرجری، محمد میڈیکل کالج، میرپور خاص
ممتحن رائل کالج آف سرجنز ایڈنبرا و گلاسگو، ممبر ایڈیٹوریل بورڈ جوائنٹ رائل کالج آف یو کے و آئرلینڈ
ڈاکٹر سید رضی محمد، ڈین و پروفیسر محمد میڈیکل کالج، میرپور خاص، سندھ۔
E-mail:dean@mmc.edu.pk

انتساب

اپنی پیاری امی کے نام

تشکیک کی دنیا میں تیقن کا نشاں ہے
یارب ترے ہونے کی دلالت میری ماں ہے

فہرست

- صفحۂ دل — ڈاکٹر سید رضی محمد
- زندگی اور شاعری — سرور جاوید
- حمد
- وابستگی
- ڈیڈی کے لیے ایک نظم
- ایک پاکستانی کی نظم
- پھر یہ درد تو ہوگا
- زیرِ تہمت، سرِ زخمی کو اٹھائے ہوئے لوگ
- میں اس لیے مایوسی گوارا نہیں کرتا
- کتابِ زیست کا سرنامہ بقا میں ہوں
- کچھ دل میں مرے پہلے سے خدشات بہت ہیں
- ادھر سے جان لیا، اب ادھر سے دیکھتے ہیں
- حسابِ وصل چھٹا، ہجر کا شمار گیا
- چراغ عہدِ گزشتہ ہیں سامنے کتنے
- تمہارے منہ پہ جو دیکھا کہ کچھ بحالی ہے
- کسی تہوار آنے کے زمانے ڈھونڈتے ہیں
- بردباری کے تقاضوں کو نبھاؤں کیسے
- کس کا خوں کس کلاس روم میں ہے
- ڈیڈی کے لیے ایک اور نظم
- مجھے وہ شخص پھر واپس دلا دینا
- غلبۂ ضبطِ فغاں، جزوی ہے، لمحاتی ہے
- ماتھے پہ ایک بل رہا، پاؤں لہولہو گئے
- خلش کی بیل تھی، چپ چاپ دل میں پلنے لگی
- بجھتی شمعیں، بکھرے کاغذ، بے ترتیبی کپڑوں کی
- ڈھا کر فصیلِ شرم، نگاہیں نکل پڑیں
- بلا کا ہوش و تحمل تھا اس دوانے میں
- ستم سے خلق کو اب تم نے واگزار کیا
- پہلے اک خاک پا تلک پہنچا
- بارش کو پسند کرنے والی کے نام
- بوڑھے برگد کی آخری گفتگو
- بیٹیوں والوں کے نام ایک نظم
- تقابل
- رابطہ
- چلے جائیں، مگر جائیں گے کیسے؟
- گاہے گاہے رسمِ محبوبی ادا کرتا تو ہے
- جو نہیں آیا وہ طوفاں نہیں دیکھا ہم نے
- جو عکسِ حقیقت بھی ہے خوابوں کی نوا بھی
- بجا کہ اوجِ محبت کی انتہا بھی نہیں
- گزری رتوں کی داستاں، تیرا وجود اور میں
- میں جب کون و مکاں کو مستقل تسخیر کرتا ہوں
- تین شعر
- Regular Joe*
- خودکلامی
- اجنبی دوست کے نام ایک مکتوب
- **و نحن اقرب الیه من حبل الورید**
- بدلتے کردار
- پہلے تو رنگِ شفق چہرے پہ لہرائے گا
- لمحۂ وصل ہو عطا معبود
- متاعِ غیر ہو تم، غیر سے وفا کرنا
- تشکیک کی دنیا میں تیقن کا نشاں ہے
- یہ کیمیائی عمل سے ابھری کہ چشمِ غارت گراں سے آئی
- اپنوں کو کبھی ہم نے بھلایا بھی نہیں تھا
- کچھ دیر میں اشکوں کو ذرا اور چھپالوں
- تین شعر
- اعتراف کرنا ہے
- DRIFTING AWAY*
- پنڈورا بکس
- جانے والے سے سوال
- احتجاج
- کس کا غم ہے آج میرے دیدۂ نمناک میں
- سرِ پرشور کو اونچا اٹھا کر لے گئے ہو
- دل کا پتھر کبھی پگھلا بھی نہیں تھا اب تک
- درونِ ذات کے اصلی معاملے کی طرف
- دل کو گم کردہ راہ اس نے کیا
- جب خجل ہونا ہے آخر، تو خفا ہوتے ہو کیوں؟
- عجیب چپ تھی فضا میں سوال ہونے تک
- تین شعر
- استغاثہ
- **هل من ناصرٍ ینصرنا**
- استفسار
- کبھی کے جا چکے ہو تم

o- کل سے آج تک ایک سفر
o- نارسائی رہ گئی ہے، نارسا ہونے کے بعد
o- بیتتے وقت کی اِک چال کو چلنے نہ دیا
o- گرچہ ہر نقشِ کہن درپئے بیداد بھی ہے
o- گواب کے آرزوؤں کا حملہ بلا کا ہے
o- صبا کی، پیڑ کی، شاخوں کی، دسترس میں نہ تھی
o- زخموں کی کمی سے وہ پشیمان بہت ہیں
o- وہ قصیدے سرِ بازار سنائے جائیں
o- تین شعر
o- تضاد
o- مجھے ہارنا تم نے سکھایا ہے
o- نئی سمت کا پتھر
o- نشانِ قدم
o- زندگی
o- نظر میں خواب تھے اور ہاتھ میں نوالہ تھا
o- دلِ صد چاک میں ٹانکے لگا لیتے تو اچھا تھا
o- یادوں کی یورشوں سے مبرا نہیں رہے
o- تم عام سا چہرہ تو زمانے کے لیے ہو
o- سارے تیور تھے فضاؤں میں بدلتی رت کے
o- خندہ زن تھے ہر غم پر، ہم کسی زمانے میں
o- تین شعر
o- سوئمبر
o- تجدید
o- تشویش
o- بجنگ آمد
o- اضداد و ترجیحات
o- پھر آ رہی ہے خیالوں میں وہ صدا میرے
o- شکستِ دل ہی جہاں کا اصول ہو جیسے
o- جب اس نے بیچ میں رستہ بدل لیا ہے رضی
o- وہ حرفِ حق ہے، تیقن کا ترجمان بھی ہے
o- ٹوٹ کر اک عمر سے مجھ سے ملا تو بھی نہیں
o- نظر سے خود کو کبھی اس طرح گرایا نہیں
o- ہجر کی دو صدیوں کے بیچ میں وصل کا لمحہ آتا ہے
o- اندیشہ
o- ضرورت
o- ۱۰ ...... (دس)
o- اک اور استغاثہ
o- جہاں پہ دادِ شجاعت ہے، کامرانی ہے
o- بے کیف ہو گیا ہے بہت اعتمادِ دل
o- ترجیحات الگ ہیں ہماری، دل ملنے کی آس نہیں
o- sms پہ لکھی ایک غزل
o- اسباب راہ لٹ گیا، سرد لہو کے دیس میں

حرفِ اول

ڈاکٹر سید رضی محمد

سرد لہو کے دیس میں، میرا شاعری کا پہلا مجموعہ ہے۔
یہ کتاب ایک منفرد شخص کی غیر معمولی کتاب ہے۔
مجھے اپنی انفرادیت میں کوئی شبہ نہیں۔ جس طرح کرہ ارض پر اس وقت بسنے والے سوا چھ ارب، بلکہ بعض سائنس دانوں کے مطابق آج تک پیدا ہونے والے ساٹھ ارب (Carter and Leslie's Doomsday Argument) انسان اپنی جگہ منفرد ہیں، اسی طرح میں بھی ایک منفرد انسان ہوں۔ یہ کتاب اتنی غیر معمولی ہے کہ اسے میرے علاوہ کوئی اور نہیں لکھ سکتا تھا۔ بلکہ اس کا کوئی شعر یا مصرعہ لکھنا بھی کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی۔ یقیناً بہت سے لوگ بہتر شعر لکھ سکتے تھے۔ بہتوں نے لکھے ہیں اور لکھیں گے۔ مگر یہ اشعار لکھنا صرف میرے بس میں تھا۔

سو قارئین اکرام! سرد لہو کے دیس میں پیشِ خدمت ہے۔
دوستوں نے مشورہ دیا ہے کہ حرفِ اول میں اپنا تعارف کراؤں۔ مصیبت یہ ہے کہ اپنے بارے میں کچھ نہ کچھ جان لینے کے باوجود میں زیادہ تر باتیں نہیں جانتا۔ (سچ تو یہ ہے کہ یہ تھوڑی سی آگہی بھی خاصی empowering ہے)۔ بہر حال جو جانتا ہوں وہ کچھ یوں ہے کہ میں اپنی انفرادیت کے باوجود (اس کی نفی کیے بغیر) ایک عالمی بلکہ کائناتی انسان ہوں۔ چنانچہ تمام تعصبات کو رد کرتا ہوں (مگر انصاف و عدل کو رد نہیں ہونے دیتا)۔ میں اپنے اندر اس انسان کی حرارت محسوس کرتا ہوں جو ایک لاکھ پچانوے ہزار سال پہلے مشرقی افریقہ کی سرزمین پر موجود تھا۔ ستر ہزار سال پہلے جب ایک خشک سالی میں بحیرۂ احمر کی چوڑائی اٹھارہ میل سے سکڑ کر آٹھ میل رہ گئی تھی، اور دو سو منچلے اسے طے کر کے باقی دنیا کو آباد کرنے نکل کھڑے ہوئے تھے، ان کی تھکن اور خوف کی یادیں میری رگوں میں موجود ہیں۔ میری ہستی کا کچھ نہ کچھ خام مال معلوم کائنات کے باہر سے درآمد کیا گیا ہے۔
پیدا کرنیوالے نے مجھے کسی named نظریہ کے ساتھ نہیں پیدا کیا بلکہ فطرت میں عدل، سچائی، محبت، رحم اور کششِ جمال کو شامل کر کے مجھے تخلیق کیا ہے۔ چنانچہ میری ذات بھی ان عناصر کے ساتھ زیادہ committed ہے۔ اگر کوئی کسی بھی بہانے یا شخصیات و نظریات کا حوالہ دے کر ان عناصر سے متحارب رویے پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو میرے اندر گھٹن ہونے لگتی ہے۔ عقل کو سب سے بڑی دولت سمجھنے کے باوجود میں اس کی قربان گاہ میں (اگر ایسی کوئی قربان گاہ موجود ہے تو) اپنی فطرت کے خوب صورت عناصر کو قربان کرنے کے لیے تیار نہیں۔
میری شاعری کی جو بھی معمولی سی وقعت ہو، اس میں عقل فطرت کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کے گھومتی ہے۔ میں نے اپنے اندر بطونِ عقل سے ابھرنے والے انکشافات اور اجزائے فطرت کی بارش میں سرشار ہونے کے عمل کو یکجا کر دیا ہے۔ اس یکجائیت کے نتیجے میں، غیر محسوس طریقے سے سائنس اور شاعری گڈ مڈ ہو کر رہ گئی ہیں۔ اب یہ درست ہے کہ سائنس شاعری اور شاعری سائنس نہیں، مگر یہ بھی ضروری، بلکہ مناسب نہیں کہ اندرونِ ذات سے دونوں کو کھینچ کر علیحدہ کیا جائے۔

یہ کیمیائی عمل سے ابھری کہ چشمِ غارت گراں سے آئی
ہمارے برفیلے موسمِ دل میں یہ تمازت کہاں سے آئی
تمہاری یادوں کے سلسلے کو سلام فطرت کے معجزوں کا
یہ پھول دستِ فلک نے بھیجا، یہ شمع آبِ رواں سے آئی
عجب مراحل ہیں ارتقا کے، تمہاری چاہت کی چڑھتی ندیا
جو آج بڑھ کر یقیں بنی ہے، یہ ابتدا میں گماں سے آئی

حسابِ اولِ شب سے نکال سکتا ہوں
رہیں گے آخرِ شب تک جلے دیے کتنے
دلوں کو چشمِ اضافت سے دیکھنے والے
ہمارے بیچ میں ناپیں گے فاصلے کتنے

اسی رویے کے تحت مجھے مذہب، سائنس اور تہذیب و فہمِ انسانی کے ارتقائی تسلسل میں تضاد کے بجائے ہم آہنگی نظر آتی ہے۔

ارتقا پڑھ کے سمجھ آتا نہ تھا، آخر آیا
آٹھ ایام فقط حر کے سمجھ آنے سے

ایک اور رویہ جو تہذیب اور شائستگی کے زیر اثر میں نے شعوری طور پر اپنے اندر شامل کیا ہے، وہ حقِ اختلاف کو قبول کرنا (بلکہ خیر مقدم کرنا) ہے۔ دوسروں کے حقِ اختلاف کا عملاً احترام کرنا احترامِ انسانیت، اور اپنے حقِ اختلاف کو قبول کرانا اپنی عزت و آبرو کا جزو لازمی ہے۔
سچائی تک پہنچنے کا راستہ تمام معاملات پر ایماندارانہ غور کرنا ہے۔ بحث کر کے لاجواب کر دینا سچائی سے زیادہ شعلہ بیانی کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ اور جوازوں کا کیا ہے۔ وہ تو انسان ہر بات کا نکال ہی لیتا ہے۔ انسان کو اختلافات

کے باوجود پرخلوص بقائے باہمی کے ساتھ زندہ رہنے اور کبھی کبھی ہارنے کی لذت سے بھی آشنا ہونا چاہیے۔

تمھارا شکریہ جاناں
مجھے اب جیت سے بڑھ کر محبت آدمی سے ہے
خود اپنی عاجزی سے ہے
عدو کی زندگی سے ہے
تمھارا شکریہ جاناں
مجھے یوں ہارنا تم نے سکھایا ھے
مجھے یوں ہار کر بھی جیتنا تم نے سکھایا ھے

ایک بات اور ہے۔ انسان پر گزرنے والے واقعات، تجربات اور مشاہدات سب وہ stimuli ہیں جو اس کے اندر ایک اثر چھوڑتے ہیں۔ ان ہی stimuli کے نتیجے میں آرٹ اور شاعری معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ لیکن stimuli اور شاعری کے درمیان ایک اہم link ہوتا ہے۔ ہر بیرونی محرک کی انسانی ذات میں جا کے processing ہوتی ہے اور پھر انسان کا ردِ عمل کسی صورت میں سامنے آتا ہے۔ عمل اور ردِ عمل کے درمیان اندرونِ ذات میں ہونے والی processing کا دارومدار انسان کے اندر موجود mettle سے ہے۔ شاعری بھی ایک ردِ عمل ہے جہاں stimulus کو انسان کا باطن پہلے احساس، پھر فکر اور پھر الفاظ کا روپ دیتا ہے۔ دنیا تجربات وحوادث کے روپ میں جو کچھ دیتی ہے، اسے انسان بغیر processing کے یوں ہی نہیں لوٹا دیتا۔ ورنہ اگر ایسا ہوتا تو متعدد لوگوں کے ردِ عمل یکساں ہوتے اور شاعروں کی شاعری اور فنکاروں کے فن میں انفرادیت نہ ہوتی۔

شاعری اپنی ذات کے پرت دنیا کے سامنے کھولنے کا نام ہے۔ اور یہ شرط واقعی بہت کڑی ہے جہاں شاعر انا کی دیواروں کو ڈھا کر اپنا مطالعہ کرتا اور privacy کے ملبوس کو چاک کر کے اپنا مشاہدہ کراتا ہے اور اپنے ہی زخم کریدتا ہے۔ ذات کے پرت کھولنے سے پہلے کا قدم بھی کچھ کم سخت نہیں، یعنی ذات کو علوم وتجربات کی بھٹی میں تپایا جائے یہاں تک کہ اس کا دیدار واقعی قابلِ نظارہ ہو جائے۔ اگر کسی کو اپنی ذات اور سوچ کی privacy عزیز ہے تو اسے شاعری اوروں کے لیے چھوڑ دینی چاہیے۔

مرزا نے محض تفننِ طبع کے طور پر شعروں کے انتخاب کو اپنی رسوائی کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ درحقیقت (so called) رسوائی تو ان کا اسی وقت مقدر بن گئی تھی جب انہوں نے شاعری شروع کی تھی۔ اب ان کا سارا کلام بلا انتخاب منظرِ عام پر آتا یا ایک غزل یا انتخابِ کلام۔ انہوں نے اپنی ذات کے دریچے تو دنیا والوں کے لیے کھول ہی دیے تھے۔ مجھے اس مفروضے سے بھی اتفاق نہیں کہ نرم، حساس دل کے عوض چارہ سازی خریدی جاتی ہے۔

چارہ سازی، altruism (اپنی ذات پر اوروں کو فوقیت دینا) کے بغیر ممکن نہیں (Tomorrow's Doctors 1993 GMC)۔ اپنے پیشے کی مناسبت سے، نیز ہزاروں ڈاکٹروں اور درجنوں سرجنز کی تدریس وتربیت کے بعد مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ چارہ گری کے کمال تک پہنچا ہی اس صورت میں جا سکتا ہے جب دل کو اور بھی زیادہ نرم اور حساس بنا لیا جائے۔ ہاں اس میں اندر کی ٹوٹ پھوٹ کو چھپا کر خود کو بہت composed رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے (اداس لمحوں میں میرے سائے میں بیٹھنے والے رہ نوردو۔۔ اب آخری بات بھی بتا دوں۔ میں اس قدر سخت جاں تو ہرگز نہیں ہوں۔ جتنا کہ بن رہا تھا)۔

پیدا کرنے والے نے مجھے اتنی محبتوں کے درمیان پیدا کیا ہے اور پھر اتنی محبتوں سے سرشار کیا ہے کہ ان کا حق ادا کرنا اور ان کے درمیان تدریج کرنا ممکن نہیں۔ بہت دنوں تک سوچتا رہا کہ اس ذاتی نوعیت کی کتاب کا انتساب کس کے نام کروں۔ ۲۰۰۲ء میں میرے بہت پیارے والد چلے گئے۔ آج تک وجود ان کی یادوں سے مخمور ہے (مجھے ڈیڈی کی انگلی تھام کر چلنے کی لذت یاد آتی ہے) اور ان کی خوشبو سے سرشار ہے (یادوں کی یورشوں سے مبرا نہیں رہے۔ بچھڑے تو ایک روز بھی تنہا نہیں رہے)۔ ان کے حوالے سے کئی نظمیں اور اشعار اس کتاب میں موجود ہیں۔

مجھے بتلایئے ڈیڈی

میں اب کس کو بتاؤں، کون سمجھے گا کہ میں کیا ہوں؟
میں اپنے قلب کی پوشیدہ گرہیں کس پہ کھولوں گا؟
اگر میں آپ سے نہ بول پایا، کس سے بولوں گا؟
اجازت دیں گے تو میں آپ کی مرقد پہ رولوں گا
وگرنہ دکھ میں جلتا رہتا ہوں میں، رو نہیں سکتا
اکیلا وحشتوں میں گھر گیا ہوں، سو نہیں سکتا
مرے ڈیڈی! کبھی میں آپ جیسا ہو نہیں سکتا

پھر خیال آیا کہ ان کے ڈاکٹر ہونے کی نسبت سے اپنی Medical Education پر زیرِ ترتیب کتاب کا انتساب ان سے کرنا زیادہ بہتر رہے گا۔ پھر گھر کو گھر بنانے والے کا نام ذہن میں آیا (وفا سے ہٹ کے کوئی شے جو کائنات میں ہو۔ وہ اسکے گوشۂ دل میں نہ تھی، نفس میں نہ تھی)۔

بیتتے وقت کی اِک چال کو چلنے نہ دیا
تیری ممتا نے ترے حسن کو ڈھلنے نہ دیا
تجھ سے بڑھ کر ترے احساسِ رفاقت نے ہمیں
صحنِ ترغیب میں آ کر بھی پھسلنے نہ دیا
دل ہمارا کہ مچلنے میں بہت ماہر ہے
دل کو بھی تیرے حریفوں پہ مچلنے نہ دیا

کتاب پرنٹنگ کے لیے جا چکی تھی۔ اچانک اس ظاہری کائنات کے باہر کہیں سے آواز آئی کہ پہلی کتاب کا انتساب اس سے ہونا چاہیے جس نے سب انسانوں سے پہلے تم سے اور تم نے سب سے پہلے جس سے محبت کی ہے۔ اور جو عدم سے وجود میں آنے کے عمل میں خالقِ حقیقی کی طرف سے وسیلہ ہے۔

گو تجھ سے ملی، پھر بھی وسیلہ تو وہی تھی
اس پیکرِ خاکی کے رگ وپے میں جو جاں ہے
میں شرک سے ڈرتا ہوں مگر تیری کریمی
اور ماں کی محبت میں تسلسل کا سماں ہے
یارب مرے بچپن کی طرح ماں کا مرے ہاتھ
مجھ کو غمِ دنیا سے بچانے کے لیے ہو

اپنے بارے میں اور کیا لکھوں؟ اپنے آدرشوں پر سودے بازی کی صلاحیتوں سے محروم شخص۔ اٹھا سکا نہ جو ہاتھوں کو اپنے وقتِ شکست۔ تمہاری فوج کا اک ایسا سر پھرا میں ہوں۔ میں سب گنوا کے بھی یوں خوش بہت ہوں بعدِ شکست۔ بچانا چاہتا تھا چیز جو بچالی ہے۔ اپنے بچوں کے لیے اتنا تو کر سکتا تھا۔ کہ انہیں لقمۂ مشکوک پہ پلنے نہ دیا۔

لکھنے کو بہت سی باتیں لکھی جا سکتی ہیں، لیکن اپنے بارے میں زیادہ لکھنا اور بولنا مشکل بھی ہے اور عدمِ شرافت کا مظہر بھی۔ لہذا میں 1996 کے ادب کی نوبل پرائز یافتہ شاعرہ وسلاواز میبورسکا (Wislawa Szymborska) کی شاعروں کو تلقین کا ذکر کر کے اس ابتدائیہ کو تمام کرتا ہوں کہ

''شاعروں کو سائنس دانوں اور ریاضی دانوں کی طرح بنی نوعِ انسان کی شاہراہِ افہام وتفہیم کو روشن کرتے رہنا چاہیے اور ہر مناسب موقع پر یہ تین لفظ دہراتے رہنا چاہیے کہ ''میں نہیں جانتا''۔

کتاب کی تدوین وتزئین میں میں محترم علامہ طالب جوہری، محترم شاہد نقوی اور محترم سرور جاوید کی رہنمائی اور تعاون کا شکر گزار ہوں۔

زندگی اور شاعری

سرور جاوید

شاعری عام طور پر کسی بھی شاعر کے یہاں ذاتی احساسات کے اظہار سے نمو پذیری حاصل کرتی ہے۔ اخلاقیات کے بنیادی نظریات میں سے ایک نظریہ یہ ہے کہ انسان مسرت اور فرحت کی تلاش میں ہے اور سب سے پہلے اپنی ذات کے لیے مسرت اور فرحت تلاش کرتا ہے۔ دوسری جانب ادب کے بنیادی نظریات کہتے ہیں کہ ادبی تخلیق بالخصوص شاعری خود تخلیق کار کے لیے مسرت اور فرحت کے حصول کا ذریعہ ہے اور پھر قاری اور سامع کو بھی مسرت اور فرحت سے ہمکنار کرتی ہے۔ سو یوں ہے کہ شاعر اپنے احساسات کے اظہار سے مسرت و فرحت کشید کرتا ہے اور پھر اس کی شعری تخلیق قاری اور سامع کو بھی مسرت بہم پہنچاتی ہے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ شاعر کے احساسات ان تجربات زندگی اور مشاہدات سے وابستہ ہوں جو قاری اور سامع کے لیے مشترک تجربات کے مماثل ہوں اور احساسات کا اظہار اس طرح ہو کہ گویا یہ بھی اس کے دل میں ہے۔ شاعر کے بظاہر ذاتی تجربات اور احساسات دراصل عمر کی ہر منزل پر ذہین قاری کے لیے مشترک حیثیت رکھتے ہیں اس لیے شاعر کے ذاتی عشق کی داستان ذاتی نہیں رہتی اور اس کے ذاتی دکھ اور ذاتی مسرتیں ذاتی نہیں رہتیں۔ اخلاقیات کے دوسرے اصول کے تحت شاعر اپنے ذاتی تجربات عشق و مسرت و آلام سے گزر کر بہت جلد یہ جان لیتا ہے کہ دوسروں کی زندگی میں عشق و مسرت و آلام کی اہمیت کیا ہے اور ان سے وابستہ احساسات کا اظہار کسی بھی فرد کے لیے کتنا اہم ہے اسی لیے شاعر کا ذاتی احساس و ذاتی اظہار ذاتی نہیں رہتا اور وہ منظوم اظہار بہت جلد شاعری کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جس میں افراد کے ذاتی اور اجتماعی دکھ اور مسرتیں چشمک زنی کرتی نظر آتی ہیں اور کیونکہ مسرت اپنے وقوع کے بعد یاد میں تبدیل ہو کر دکھ اور درد کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لیے انسانوں کے درمیان یعنی ان انسانوں کے درمیان جو شعور زندگی اور شعور عشق رکھتے ہیں سب سے بڑا رشتہ درد کا رشتہ ہے جو زندگی کے حقائق کے پے بہ پے انکشاف کے ساتھ محکم سے محکم تر ہوتا جاتا ہے۔ اس درد کے رشتے سے منسلک رہ کر شاعری پر انکشاف کے ساتھ متصل احساسات کے اس اظہار کا عمل ہے جس کی نیت میں جمالیاتی قدر موجود ہو یعنی وہ اظہار جو اپنے اندر جاذبیت کشش اور اثر پذیری رکھتا ہو۔

شعری اظہار کے یہ مراحل ہر شاعر کی تخلیقات کا حصہ رہے ہیں۔ گرد و پیش سے متاثر ہونا، پیش پا افتادہ زندگی کے مسائل سے گزر کر سماج کے عمومی رویوں کی بازیافت اور ان سے متصل احساسات کا اظہار شاعری کی عمومی قدر ہوتے ہوئے ہے جو اس دردمندی کا منبع ہے جسے ہم درد کا رشتہ کہتے ہیں۔ اس موقع پر ان تمہیدی جملوں کے ساتھ مجھے ایسے شاعر کا ذکر چھیڑنا ہے جس نے گرد و پیش پھیلی ہوئی زندگی کو محسوس کیا اور ان تجربات و مشاہدات اور احساسات کو موضوع شاعری بنایا جو افراد کے اجتماعی رشتہ درد سے منسلک ہیں۔ اور جس کا کلام اس اجمال کی تفصیل کی صورت آپ کے سامنے ہے یعنی "ڈاکٹر" سید رضی محمد یہاں سید رضی محمد کے ساتھ ڈاکٹر کے لفظ کو واسین میں درج کرنے کا مقصد یہ ہے کہ رضی محمد نے اپنے پیشے سے مخلص ہونے کے ساتھ اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں دن کے 16 سے 18 گھنٹے روزانہ خرچ کرنے کے باوجود شاعری کی دیوی سے اپنا رشتہ بحال رکھا ہے۔

ہم اپنے خوابوں کا ہاتھ تھامے برائے کسبِ ہنر چلے تھے
یہ درد پہلو میں کیسے اٹھا، یہ تلخیِ جاں کہاں سے آئی

یہ بات بھی کم اہم نہیں ہے کہ شاعری سے ہمہ وقت منسلک رہنے والے بہت سے شاعر جو شعری محافل کا مستقل حصہ بنے رہتے ہیں شعری اظہار کی اس منزل تک نہیں پہنچ سکے ہیں جس منزل کو رضی محمد نے نہ صرف پا لیا ہے بلکہ ایک مخصوص قد و قامت کا منصب بھی حاصل کر لیا ہے۔ جس کا سبب یہ ہے جو حسی وفور شاعری کا اصل اساس ہے رضی محمد اس سے مستفیض نظر آتے ہیں۔ میں نے رضی محمد کے ضمن میں اک خاص قد و قامت شعری کی بات اس لیے کی ہے کہ رضی نے اردگرد پھیلی ہوئی زندگی کو بغور دیکھ کر اور ذاتی رنج و مسرت کو محسوس کر کے بھی شاعری کی ہے مگر اس راہ سے وہ راستہ بھی تلاش کر لیا ہے جو شاعری کی بڑی منزلوں کی طرف جاتا ہے۔ رضی کی شاعری میں نظم اور غزل دونوں ان کا پیرائیہ اظہار ہیں اور دونوں جگہ زندگی کے تجربات سے جمالیاتی تجربہ کشید کرنا اور معلوم سے نامعلوم کی طرف گریز ان کی شاعری کا وصف ہے یعنی ان کے شعری اظہار میں جگہ جگہ انکشاف حقیقت کی کیفیت سطور سے زیادہ بین السطور اپنی جھلک دکھاتی ہے۔ یہی صفت وہ راستہ ہے جو بڑی شاعری کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اسی صفت کی بناء پر میں لفظ کے صحیح معنی کے ساتھ انھیں سچا اور قابل قدر شاعر قرار دیتا ہوں۔ اس ادعا کی توضیح کے لیے ان کے کلام کے یعنی ان کے نظموں کے کچھ ٹکڑے پیش ہیں کہ آپ بھی اس مسرتِ روحانی میں شریک ہو سکیں جو مجھے حاصل ہوئی۔

بہت سے بے صدا لوگوں کا دُکھ جب خود پہ سہ لو گے
گنوا کر رات کی نیندیں یونہی کمرے میں ٹہلو گے
فقط اِک لذتِ احساسِ حق گوئی سے بہلو گے
تو پھر یہ درد تو ہو گا (پھر یہ درد تو ہو گا)

یہ اک چھوٹا سا مقتل ہے
تمھیں اب کیا بتاؤں میری ارضِ پاک ہی ساری کی ساری
ایک مقتل بن گئی ہے
اور اس دھرتی میں جتنے نرم خصلت لوگ جو باقی بچے ہیں وہ
سبھی یاں یرغمالی ہیں
یہاں کچھ مٹھی بھر وحشی درندہ خصلت و بے علم میری قوم کی
تذلیل کرتے ہیں
مگر میں نے بھی دل میں ٹھان لی ہے
کہ میں مقتل میں رہ کر اپنی باری آنے تک سب قاتلوں
سے بھی لڑوں گا
اور ان سے بھی جو اپنی خامشی سے بزدلی یا کم نگاہی کی بناء
پر قاتلوں کا ساتھ دیتے ہیں
میں لڑنا چاہتا ہوں اور دنیا کو بتانا چاہتا ہوں
یہ میری قوم ہے مجمع نہیں ہے (ایک پاکستانی کی نظم)

سو تم وہی ہو
اگر وہی ہو تو آ کے دیکھو
زمیں پہ ہنگام جنگ ہے اور کلام حق، حرف پر خطر ہے
سپاہِ اعدا کثیر ہے اور گروہِ ایمان مختصر ہے
بہت سے سینوں میں برچھیاں ہیں
بہت سے شانے کٹے ہوئے ہیں
مگر سب اک بات کہہ رہے ہیں
ہماری قلت، ہمارے جذبوں کو دیکھ جاؤ
اگر تم ہی ہو تو جلد آؤ (استغاثہ)

چلو جو ہونا ہے وہ تو ہو گا
تمھیں بتاؤ کہ کانپتی زندگی کو ڈگمگانے سے کیسے روکیں
زمیں کے زنداں کو تھرتھرانے سے کیسے روکیں
اداس آنکھوں میں سارے منظر کو جھلملانے سے کیسے روکیں
شکستہ دل پر ہم آج ضربِ شکست آنے سے کیسے روکیں
تمام سپنوں کو ٹوٹ جانا ہے، ٹوٹ جانے سے کیسے روکیں
(جانے والے سے سوال)

نجانے کتنی لمبی گفتگو کا منتظر تھا وہ
مجھے آتا بھی تھا جذبات کو الفاظ میں ملبوس کر دینا
مگر اس بار جتنے لفظ تھے منہ سے نہیں نکلے
فقط آنکھوں کا ملنا ہی اک ایسا رابطہ ٹھہرا
میں پھر اٹھ کر چلا آیا (رابطہ)

خیالوں کا جزیرہ تین جانب سے مری تحویل میں ہے
مگر چوتھا کنارہ

جسے بحرِ تفکر رفتہ رفتہ کھا رہا ہے
مری جانب مسلسل آ رہا ہے (اندیشہ)

دیکھیے کہ طوفاں میں
یہ وجودِ استادہ
باوجودِ وحشت بھی
مثلِ سنگِ جادہ ہے
خواہشوں کے چنگل میں
محوِ استغاثہ ہے (ایک اور استغاثہ)

مسکراتا ہوں کہ تاریخ کا پہیہ کیسے
دیکھتے دیکھتے ادوار بدل دیتا ہے
سب اداکاروں کے کردار بدل دیتا ہے (بدلتے کردار)

سنا ہے تم سمندر پار جا کر بس گئے ہو
مجھے تم سے سوا باتیں تمھاری یاد آتی ہیں
مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے
مگر اتنا بتا دو
جہاں تم ہو وہاں سے میری دنیا کیسی لگتی ہے
سسکتے بلبلاتے بھوکے بچے کیسے لگتے ہیں
کسی زخمی کی تیغوں سے بچھڑنے کی جہالت کیسی لگتی ہے
چراغوں کی ہوا میں جلتے رہنے کی جسارت کیسی لگتی ہے
(اجنبی دوست کے نام ایک مکتوب)

اگر قاتل اور ان کا ساتھ دینے والے سب جھگڑے بھلا کر
ایک ایجنڈے پہ یکجا ہیں
تو ہم کب تک اکیلے مارے جانے کو اکھٹے لڑنے پر ترجیح
دیں گے؟

مرے معبود میرا تجھ سے وعدہ ہے کہ میں سارے دکھوں کو
بھول جاؤں گا
اگر اک بار مجھ کو چشمِ مظلوماں میں خوابِ مشترک کی ایک
جھلک بھی دکھا دے
زبانوں اور عقیدوں کے تفاوت میں بٹے مجمع کو
مری مٹی کی خوشبو سے قریب آنے کی اور اک قوم، اک
تہذیب میں ڈھلنے کی
باریکی سکھا دے (ایک پاکستانی کی نظم)

رضی محمد کی نظموں میں مجھے تفکر اور خیال کی سطح پر کہیں کہیں ساحر لدھیانوی اور مصطفےٰ زیدی کی چھوٹ نظر آتی ہے مگر مجھے خوشی ہے کہ دونوں شاعروں کے عکس اتنے واضح نہیں کہ پرچھائیں بن جائیں۔ دوسری بات جو رضی محمد کے اظہار خوبصورت نظم میں اچھی لگتی ہے بلکہ اہم ہے کہ انھوں نے نظم کی ایک نئی صورت کا تجربہ کیا ہے جس میں آزاد نظم کی صفتی جہت یعنی نثر سے قریب تر صوتی آہنگ رکھنے والے مصرعوں کے ساتھ مسلسل پابند ردیف و قافیہ مصرعوں کی تکرار بھی شامل ہے اور اس طرح ہے کہ پوری نظم کی وحدت بھی قائم رہتی ہے۔ آزاد اور پابند نظم کی صفات رکھنے والی نظم کو موضوع کے اعتبار سے طوالت اور کہیں اختصار میں پابند کرنا بھی رضی محمد کی اختراع ہے جو مجھے بہت پسند آئی۔

گرد و پیش کی زندگی سے زندگی کے حقائق کی بازیافت کا عمل رضی محمد کی غزل میں بھی جاری نظر آ رہا ہے اور یہ بھی قابلِ توجہ بات ہے کہ غزل کی جمالیات اور نظم کی جمالیات میں واضح فرق کی وجہ سے کئی بڑے شاعروں کے یہاں بھی نظمیہ شاعری اور غزلیہ کلام کی فضا میں جو فرق واضح طور پر نظر آتا ہے وہ فرق رضی محمد کے یہاں بہت کم ہے۔ رضی محمد کی غزل کی طرف رخ کرنے سے پہلے ایک بات کہنا ضروری ہے کہ شاعری میں تفکر اور معنی آفرینی سے پہلے اظہار کی خوبصورتی یعنی جمالیاتی اظہار اصولی طور پر فوقیت رکھتا ہے۔ فلسفے اور منطق اور سماجی علوم کی بیشتر کتابیں کتنی بھی حکمت و دانائی رکھتی ہوں مگر افراد اور اجتماع کی فکر تک اور بالخصوص ان کے قلوب تک رسائی نہیں رکھتیں جب کہ شاعری کے توسط سے جو حکمت و دانائی سفر کرتی ہے وہ لوگوں کے قلوب میں جاگزیں ہو جاتی ہے جسے ہم دل پذیری کی صفت کہتے ہیں۔ رضی محمد خوش قسمت ہیں کہ نظم اور غزل دونوں میں شاعری کی اس صفت سے بہرہ ور ہیں۔ غزل کی جمالیات کو رضی محمد نے اپنی حمد، نعت اور پھر سلام اور منقبت میں جس طرح برتا ہے وہ بھی قابلِ تحسین ہے۔

رضی محمد کی غزل روایت سے جڑی ہوئی غزل ہے جس میں جمالیات کا برتاؤ بھی روایت سے جڑا ہوا ہے۔ نظم میں جہاں زندگی کے عمومی مسائل اور عشق کی عمومی منزلیں موضوع بنی ہیں وہاں محبوب سے گفتگو میں واسوخت جیسی کیفیت بھی ملتی ہے لیکن غزل میں ان کا محبوب وہی ہے جو ہونا چاہیے۔

سوچ سکتے ہو کہ اس دل کے مکیں نے ہم سے
ابتدا میں تو تکلف بھی برتنا چاہا

تھا وہ پتھر مگر اثنائے سفر میں اس نے
اک گھڑی ایسی بھی آئی کہ پگھلنا چاہا

ہم بھی مجبورِ وفا اتنے مکمل اب ہیں
ابتدا میں تو حقیقت میں سنبھلنا چاہا

ٹوٹ کر اک عمر سے مجھ سے ملا تو بھی نہیں
بے وفا میں ہوں تو فطرت آشنا تو بھی نہیں

اک وقفہ ہے تسلسل میں متاعِ درد کے
دردِ ہجراں کی مگر شافی دوا تو بھی نہیں

ہم آبلہ پا دھوپ میں جلتے تھے کھلے سر
ہم پر تری دیوار کا سایہ بھی نہیں تھا

اس پھول کو کیوں سونپ دیا بارِ محبت
اس نے تو کبھی بوجھ اٹھایا بھی نہیں تھا

میں اپنے لمس سے جذبے کو منتقل کر دوں
ذرا سے کام میں لفظوں کو رائیگاں نہ کروں

کچھ وہ بھی بہت محتاط تھا اور کچھ ہم بھی ایسے رند نہ تھے
پھر وہ ہی ہوا جو ہونا تھا اور جو اکثر ہو جاتا ہے

ماسوائے چشمِ نم کل وجود کوشاں تھا
آبرو بچانے میں، آرزو گنوانے میں

میں انتہا پسند بھی اک خاص حد میں ہوں
وہ معتدل مزاج مگر انتہا کا ہے

عجیب چپ تھی فضا میں سوال ہونے تک
پھر اس کے بعد میں رویا نڈھال ہونے تک

انساں کی بے بسی تو محبت میں دیکھیے
ہم روکتے ہی رہ گئے، باہیں نکل پڑیں

آپ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ غزل کی روایت سے منسلک ہونے کے بارے میں رضی محمد کی بات میں نے روایتاً کی تھی۔ میرا اصل مدعا غزل کی ایمائیت سے پر اور جمالیاتی اظہار کی کاٹ رکھنے والے رضی کے شعر آپ کی خدمت میں پیش کرنا تھا۔ اور جس طرح میں ابتدا میں عرض کیا تھا کہ رضی کی شاعری میں زندگی کو برتنے کے آثار کے ساتھ اس کے انکشافات کی کیفیت بھی بخوبی نظر آتی ہے اور رضی کے اشعارِ غزل میں اس کا مظاہرہ جابجا نظر آتا ہے۔ ان انکشافات سے یہ نشاندہی ہوتی ہے کہ وہ بڑے انکشافات کی اہلیت رکھنے والے شاعر ہیں۔ ان کے کلام کے مطالعے میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے عنفوانِ شباب میں یا بزمانہ طالب علمی میں شاعری شروع کر دی تھی جس کے اثرات ان کی شاعری میں نظر آتے ہیں اور وہ سنجیدہ غزل میں بھی کسی بچے یا نوجوانی کے سچے جذبوں کو بخوبی رقم کر دیتے ہیں۔ اس کیفیت کی نمایاں شکل وہ ہے جہاں انہوں نے اپنے والد کی یاد میں کئی نظمیں لکھی ہیں جن سے شدید محبت اور شدید احساسِ تنہائی نمایاں ہوتا ہے۔

مگر یہ اپنی کلی حیثیت میں صرف غم ہی تو نہیں ہے
جدائی ہر تعلق کا مقدر ہے
بچھڑنا ہر محبت کی روایت ہے
روایت کے مگر آداب ہوتے ہیں
امانت اپنی واپس لینے والے اب میں اپنی زیست کے
ہر موڑ پر آداب تنہائی نبھاؤں گا
بطونِ روح سے اٹھتی ہوئی چیخیں دباؤں گا
جو فطرت کے تقاضے ماورائے بردباری ہیں
انہیں سب سے چھپاؤں گا
(مجھے وہ شخص پھر واپس دلا دینا)

غزل میں مجموعی کیفیت میں ان کی شاعری محکم و مستحکم اظہار کی حامل ہے جس میں غزل کی جمالیات کے برتاؤ

اور زندگی کے دکھوں اور خوشیوں کی اشارتوں کے ساتھ اظہار کی وہ صورت موجود ہے جسے میر تقی میر کے ضمن میں نشتر زنی قرار دیا گیا تھا۔

ترک ملاقات کی تلقین مسلسل
ممکن ہے کہ شعلوں کو بڑھانے کے لیے ہو
رخصت کا یہ ہیجان یہ آنسو یہ نگاہیں
اے کاش یہ سب لوٹ کے آنے کے لیے ہو
لائیں کہاں سے ہم کوئی مانوس ثانیہ
ہم اپنے آپ سے بھی شناسا نہیں ہے
اب سینہ چیرتی ہوئی خواہش سے کیا کہیں
تم دید کے لیے بھی مہیا نہیں رہے
لہو کی موج میں آثار ہیں کہ آج کی شب
رکے گا در پہ اذیت کا قافلہ میرے
ہماری لاش تھی تاریخ کی صلیبوں پر
ہم اہل درد بھی تھے حامل نسب بھی تھے
شکست دل ہی سے کا اصول ہو جیسے
تمام علم و فضیلت فضول ہو جیسے
غم حیات سمیٹے کل اس طرح میں نے
پرانا قرض کسی کو وصول ہو جیسے
میں کہ اک اشکِ معلق تھا ترے چہرے پر
تو نے چھوڑا بھی نہیں، اپنا بنایا بھی نہیں
اظہارِ مدعا پہ جو مائل ہوئے تھے لب
واپس ہوئے نگاہ میں تعظیم دیکھ کر
ہے سرِ کوچۂ تنہائی یہی رازِ حیات
تو سرِ بزم یونہی شاد بھی آباد بھی ہے
ہمارے ہوتے دو ننھے سے آنسو
تمہاری آنکھ میں آئیں گے کیسے؟
اے مرکزِ دل! تجھ کو پتہ ہے کہ مرا دل
اک شہر ہے اور اس میں مضافات بہت ہیں
میں اس لیے مایوسی گوارا نہیں کرتا
اس رت میں خدا خواب اتارا نہیں کرتا

رضی کا پورا کلام آپ کے سامنے ہے۔ اس لیے اور اشعار درج کرنے سے گریز کر رہا ہوں ورنہ رضی کی ہر غزل میں دل میں اتر جانے والے اشعار نظر آتے ہیں۔ رضی کی شاعری پڑھ کر تا ہم میں تھوڑے سے تاسف کا شکار ہوا ہوں اور سوچتا ہوں کہ کاش وہ ڈاکٹر نہ ہوتے صرف شاعر ہوتے کیونکہ عدیم الفرصتی اس پیشے کی ایسی دین ہے جس سے مفر ممکن نہیں ہے۔ کہنا یہ ہے کہ رضی محمد میں ایک بہت اچھا شاعر موجود ہے۔ رضی کا اندازِ شعر اور اظہار کی پختگی اور احساس کو تصویر بنانے کی صفت بتاتی ہے کہ اگر اسے شاعری کرنے کا پورا وقت مل سکے تو اس کی شاعری میں وہ تمام رنگ سمٹ سکتے ہیں جس کی اردو شاعری کے زوال کے اس دور میں ایوان شعر کو سخت ضرورت ہے۔ یہ بات میں نے مستقبل کے حوالے سے کہی ہے لیکن رضی کی موجودہ شاعری کا سرمایہ بھی انتہائی قابل قدر ہے اور اس کی شاعری سے سرسری گزرنا کسی بھی قاری کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔

(کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست) سرور جاوید

حمد

کمک طلب تھا یہ دل، حلقہ گمان میں تھا
جبیں کے جھکتے ہی معبود کی امان میں تھا
نجات بن کے کہاں سے اُٹھا وہ حرفِ عجیب
مرے قلم میں نہ تھا، نا مرے بیان میں تھا
خدا تھا اور میں تھا اور کچھ نہ تھا موجود
بس اِک وجود کا احساس درمیان میں تھا
مجھے عدم سے تعلق نہیں کہ میرا وجود
نمودِ ذات سے پہلے بھی رب کے دھیان میں تھا
نکل چکا تھا میں جب حلقہ اطاعت سے
میں اُس گھڑی بھی ترے حلقہ امان میں تھا
جو لطف آبلہ پا کے لیے تھا صحرا میں
نہ آبجو کے کنارے، نہ سائبان میں تھا
تھے زیرِ کفشِ محمدؐ کے لعل و گوہر و تاج
ترا حبیب عجب شان کی اُٹھان میں تھا
اسے خیالِ عذاب و ثواب کم تھا رضی
رضائے رب میں مگن وہ عجب دھیان میں تھا

وابستگی

ایک یہ میں ہوں رضی
زرم گردوں پہ سہولت کے سب اسباب کے ساتھ
پہرے داروں کے کڑے پہرے میں احباب کیساتھ
ظاہری ساری سکوں بخش مراعات کے ساتھ
لطف و آسائش و آرام کی بہتات کے ساتھ
فکر و تشویش و تذبذب کے تلے زندہ ہوں
اپنے اعمال پہ شرمندہ تھا شرمندہ ہوں
ایک وہ تم تھے حسینؑ
زرغۂ کفر میں صدمات کی بھرمار لیے
دہر اقرار طلب میں لب انکار لیے
ربِ کونین کی تائید کے آثار لیے
دوش پردیں کی حفاظت کا ہر اِک بار لیے
تیر کھاتے تھے کبھی تیغ و تبر سہتے تھے
کوئی بے فیض سخن لب سے نہیں کہتے تھے
ایک وہ خالق کل ہے جس نے
بہرِ تکمیل براہیمؑ اتارا تم کو
ٹوٹتے تاروں کا ٹھہرایا سہارا تم کو
بے خلش روحِ مطہر سے سنوارا تم کو
'مطمئن نفس' کے لفظوں سے پکارا تم کو
کیا تھے تم اور میں اِک ماننے والا کیا ہوں
پھر بھی ہے ناز کہ بس تم سے ہی وابستہ ہوں

ارتقا پڑھ کے سمجھ آتا نہ تھا، آخر آیا
آٹھ ایام فقط حر کے سمجھ آنے سے
کیوں نہیں ملتا تمہیں عظمتِ انساں کا سراغ
جاؤ اک روز اٹھا لاؤ عزا خانے سے

ڈیڈی کے لیے ایک نظم

مجھے ڈیڈی کی اُنگلی تھام کر چلنے کی لذت یاد آتی ہے
عجب ایام بے فکری تھے جن میں
فقط بڑھنے کی خواہش تھی
ذرا سی لڑکھڑاہٹ پر کئی بازو لپکتے تھے
دُعائیں دیتے ہونٹوں کو دُعاؤں سے کبھی فرصت نہیں تھی
کوئی دشمن نہیں تھا اور پناہیں حد سے زائد تھیں
بلائیں دور تھیں پھر بھی دعائیں حد سے زائد تھیں
عجب مدہوش لمحے تھے کہ جب تک تھے
تو اُن کے بیتنے کا کوئی خدشہ تک نہیں تھا
مگر جب جل بجھے تو
بجھ گئی جینے کی خواہش بھی
دلِ صد چاک کو سینے کی خواہش بھی
سبوئے زندگی پینے کی خواہش بھی
میں کتنا بے بضاعت ہوں
مگر بچپن میں وحئ آسمانی کی طرح مجھ پر
جو لمحہ لمحہ اُتری تھی وہ شفقت یاد کرتا ہوں
جو نغمہ بن کے میرے باپ کے ہونٹوں سے نکلے تھے
میں اب اُن سارے لفظوں کی بشارت یاد کرتا ہوں
وہ اڑسٹھ سال کی جہدِ مسلسل کر کے لوٹے ہیں
میں تینتالیس برسوں کی رفاقت یاد کرتا ہوں
فقط موجودگی اُن کی مرے حق میں وہ نعمت تھی
جو میرے تجربوں کو اور محسوسات کو تبدیل کرتی تھی
جو بن بولے ہوئے ہی پھوٹتے تھے ان کے اندر سے
مری ہر سوچ ان احکام کی تعمیل کرتی تھی
مجھے اپنے ادھورے پن کا بھی احساس تھا لیکن
انہیں کی ذات میری ذات کی تکمیل کرتی تھی

عجب اک لمس تھا اُس دستِ شفقت کا مرے سر پر
عجب قوت تھی جو آغوش کی گرمی سے آتی تھی
عجب تھا حوصلہ جو دن میں شیروں سے لڑاتا تھا
عجب تسکین تھی جو رات میں نیندیں بلاتی تھی
میں اکثر سوچتا تھا آپ میں ہوتیں نہ اتنی خوبیاں
تو بھولنا آسان ہو جاتا
مگر میں جانتا ہوں آپ پر جو فخر ہے مجھ کو
وہ غم کے بوجھ کو سہنے میں میرا ساتھ دیتا ہے
درونِ کذب سچ کہنے میں میرا ساتھ دیتا ہے
بغیر اسباب کے رہنے میں میرا ساتھ دیتا ہے
یہ فخرِ ذات، منطق اور مذہب مل کے میری زندگی کو تھام لیتے ہیں
مگر جب وقفے وقفے سے ہوائے درد چلتی ہے
تو سینہ پھٹنے لگتا ہے
خیالوں کی تمازت سے کلیجہ جلنے لگتا ہے
اُمنگوں کا پیالہ قطرہ قطرہ کر کے خالی ہونے لگتا ہے
دُکھوں کی اوٹ میں پھر آپ کا بیٹا دوبارہ مرنے لگتا ہے
مجھے بتلایئے ڈیڈی
میں اب کس کو بتاؤں کون سمجھے گا کہ میں کیا ہوں؟
میں اپنے قلب کی پوشیدہ گرہیں کس پہ کھولوں گا؟
نہ گر میں بول پایا آپ ہی سے، کس سے بولوں گا؟
اجازت دیں گے تو میں آپ کی مرقد پہ رولوں گا
وگرنہ دُکھ میں گھلتا جا رہا ہوں، رو نہیں سکتا
اکیلا وحشتوں میں گھر گیا ہوں، سو نہیں سکتا
مرے ڈیڈی! کبھی میں آپ جیسا، ہو نہیں سکتا

ایک پاکستانی کی نظم

یہ میرے دیس کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے
اِسے بازار کہتے تھے اور اب مقتل بھی کہتے ہیں
یہاں پر میں دھوئیں اور خون اور جسموں کے ٹکڑوں میں گھرا تم سے مخاطب ہوں
چلو آؤ تمہیں کچھ عام سے منظر دکھاؤں
یہ اعضاء جو یہاں بکھرے ہوئے ہیں ایک بچے کے ہیں
جو ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھا
(اب اس کے ہاتھ کی ٹافی اسی کے خون سے بھیگی ہوئی ہے)
یہ آنکھیں ماں کی آنکھیں ہیں
اور اب ان کا مقدر روز اپنے لال کے دیدار کی حسرت میں مرنا ہے
یہ چہرہ باپ کا ہے اور اس میں جو بڑھاپے کے نشاں اب دیکھتے ہو
یہ بس کچھ ثانیوں میں گود کے پالے کی سانسیں ٹوٹنے کے دکھ سے ابھرے ہیں
یہ آنچل اک بہن کا ہے
وہ بھائی جس نے یہ رنگین آنچل سر پہ رکھا تھا
وہ اس کے واسطے لٹھے کی اک بے رنگ چادر ڈھونڈتا ہے
یہ اک چھوٹا سا مقتل ہے
اسی بازار کے مقتل سے یہ اک سر ملا ہے
یہ سر ایسے درندے کا ہے جس نے لفظوں کے تاجر کسی اہلِ ہوس کے ہاتھ اپنی روح کا سودا کیا تھا
جہالت اور جنوں کو مذہبی گمراہ کن تائید مل جائے تو ایسے سانحوں کو روپ ملتا ہے
یہ اک چھوٹا سا مقتل ہے
تمہیں اب کیا بتاؤں میری ارضِ پاک ہی ساری کی ساری ایک مقتل بن گئی ہے
اور اس دھرتی میں جتنے نرم خصلت لوگ جو باقی بچے ہیں وہ سبھی یاں یرغمالی ہیں
یہاں کچھ مٹھی بھر وحشی درندہ خصلت و بے علم میری قوم کی تذلیل کرتے ہیں
مگر میں نے بھی دل میں ٹھان لی ہے
کہ میں مقتل میں رہ کر اپنی باری آنے تک سب قاتلوں سے بھی لڑوں گا
اور ان سے بھی جو اپنی خامشی سے بزدلی یا کم نگاہی کی بناء پر قاتلوں کا ساتھ دیتے ہیں
میں لڑنا چاہتا ہوں اور دنیا کو بتانا چاہتا ہوں
یہ میری قوم ہے مجمع نہیں ہے
یہ ارضِ پاک ہے جنگل نہیں ہے
یہ میرا دل ہے جس سے اپنی مٹی کے لیے چاہت مٹانا دشمنوں کے واسطے ممکن نہیں ہے
میں اپنے لوگوں سے اک بات کہنا چاہتا ہوں
اگر قاتل اور ان کا ساتھ دینے والے سب جھگڑے بھلا کر ایک ایجنڈے پہ یکجا ہیں
تو ہم کب تک اکیلے مارے جانے کو اکٹھے لڑنے پر ترجیح دیں گے؟
مرے معبود میرا تجھ سے وعدہ ہے کہ میں سارے دکھوں کو بھول جاؤں گا
اگر اک بار مجھ کو چشمِ مظلوماں میں خوابِ مشترک کی ایک جھلکی بھی دکھا دے
زبانوں اور عقیدوں کے تفاوت میں بٹے مجمع کو
مری مٹی کی خوشبو سے قریب آنے کی اور اک قوم، اک تہذیب میں ڈھلنے کی باریکی سکھا دے

پھر یہ درد تو ہوگا

تو پھر یہ درد تو ہوگا
بہت سے بے صدا لوگوں کا دُکھ جب خود پہ سہ لوگے
گنوا کر رات کی نیندیں یونہی کمرے میں ٹہلو گے
فقط اک لذتِ احساسِ حق گوئی سے بہلو گے
تو پھر یہ درد تو ہوگا
نئے سوٹوں میں کالے بوٹ والے فیصلے کی مے سے جب سرشار نکلیں تو
تمہارے جیسوں کو کچلے بنا واپس نہیں ہوتے
جو اہلِ درد کی توہین کی لذت میں جیتے ہوں
بنا پامالیِ اہلِ وفا، واپس نہیں ہوتے
جوازوں کے کئی لشکر بھی جن کے ساتھ چلتے ہوں
نہ رسی کھینچ لے جب تک خدا واپس نہیں ہوتے
تمہیں کس نے کہا تھا؟
تمہیں کس نے کہا تھا جس نگر میں خواب لٹتے ہوں
وہاں خوابوں کی اک دنیا بسا لینا
تمہیں کس نے کہا تھا محفلِ فرعون میں سر کو اٹھا لینا
تمہیں کس نے کہا تھا لائقِ تعزیر کو دل میں بٹھا لینا
تمہیں کس نے کہا تھا؟
مگر تم کو تو عادت ہے
جہاں دنیائیں لٹتی ہوں وہاں دنیا بسانے کی
جہاں پر سر قلم ہو جاتے ہوں واں سر اٹھانے کی
جہاں ہو حکمِ تنہائی وہاں مجمع لگانے کی
مگر تم کو تو عادت ہے
تو پھر یہ درد تو ہوگا
بہت سے بے صدا لوگوں کا دُکھ جب خود پہ سہ لوگے
گنوا کر رات کی نیندیں یونہی کمرے میں ٹہلو گے
فقط اک لذتِ احساسِ حق گوئی سے بہلو گے
تو پھر یہ درد تو ہوگا

زیرِ تہمت، سرِ زخمی کو اٹھائے ہوئے لوگ
غور سے دیکھ، یہ ہیں تیرے ستائے ہوئے لوگ
اپنے چہروں کے تغیر سے بھی پہچانے گئے
اس کی آمد پہ کئی آس لگائے ہوئے لوگ
ایک اک کر کے ترے دیس سے ہجرت کرتے
گٹھریاں سر پہ اصولوں کی اٹھائے ہوئے لوگ
دیکھ ان میں ہی کوئی حاکمِ فردا تو نہیں
یہ ترے پاؤں تلے، ٹھوکریں کھائے ہوئے لوگ
اے وطن، تیرے تہی دستوں کی ناموس کی خیر
جانے کیا اوڑھے ہیں اور کیا ہیں بچھائے ہوئے لوگ
چشمِ تاریخ میں ملبے ہی نظر آتے ہیں
سیل میں جھوٹے قصیدوں کی نہائے ہوئے لوگ
کس قدر دور ہیں اور کتنے ہیں نزدیک رضی
جاگتی، وحشی آنکھوں میں سمائے ہوئے لوگ

میں اس لیے مایوسی گوارا نہیں کرتا
اس رت میں خدا خواب اتارا نہیں کرتا
بس ذات کی عکاسی ہے پہچان کو کافی
میں خواہ مخواہ مجمع سے کنارا نہیں کرتا
جو حسن و صداقت کی ہو یکجائی کا قائل
وہ جھوٹ سے شعروں کو سنوارا نہیں کرتا
سو جاتا ہوں محروم بنا شعر میں اکثر
پر مانگے کی سوچوں پہ گزارا نہیں کرتا
ایسا بھی نہیں کہ نہیں کرتا میں خطائیں
اک بار جو کر لوں وہ دوبارہ نہیں کرتا
ہاں ہو گا، بہت ہو گا منافع کا یہ سودا
میں ایسی کوئی فصل اتارا نہیں کرتا
جس طرح خیال آپ کا اس دل نے کیا ہے
اس طرح تو کوئی بھی ہمارا نہیں کرتا
یہ ہار ہے یا چال ہے آئندہ کی، کیوں کہ
ایسے رضی آسانی سے ہارا نہیں کرتا

کتابِ زیست کا سرنامہ بقا میں ہوں
فنا ہے نفس کو اور نفس سے سوا میں ہوں
تمہاری عمر میں آئے ہیں صرف دو اشخاص
تو پہلا شخص بھی میں ہی تھا، دوسرا میں ہوں
سرِ مزاج دوں اب کیا جوازِ دیدہ نم
تمہارے ان کہے لفظوں کا آشنا میں ہوں
کسی کے پیار کی منزل اگر نہ بن پایا
تو کیا یہ کم ہے کہ منزل کا راستہ میں ہوں
جسے قبول ہوئی بے وقار آسائش
اک ایسی قوم کا مجروح ماجرا میں ہوں
اٹھا سکا نہ جو ہاتھوں کو اپنے وقتِ شکست
تمہاری فوج کا اک ایسا سرپھرا میں ہوں
جو ڈٹ گیا ہے قتال و غنیم کے مابین
حریف فوج کا اک ایسا سورما میں ہوں
محیط ہیں جو رموزِ حیات پر، اے دوست
انہی میں ایک پر اسرار دائرہ میں ہوں

کچھ دل میں مرے پہلے سے خدشات بہت ہیں
اور کچھ تری یادوں کی کرامات بہت ہیں
بے چارگی ہے، لمحہ سفاک ہے، میں ہوں
بھیگی ہوئی آنکھوں میں سوالات بہت ہیں

دنیا کا بھرم حشر کے میداں میں کھلے گا
لیکن یہاں کرنی کے مکافات بہت ہیں
اے سادگیِ رہ کے طلبگار! سفر میں
پیچیدگیِ رہ کے کمالات بہت ہیں
اے منزلِ ایمان! تری راہ میں ہر گام
تشکیک و تذبذب کے مقامات بہت ہیں
اے مرکزِ دل! تجھ کو پتہ ہے کہ مرا دل
اک شہر ہے اور اس میں مضافات بہت ہیں
اے رہروِ حق! دیکھ بہت بچ کے گزرنا
سچائی کی راہوں میں روایات بہت ہیں
اے منکرِ آزادیِ جاں! اب بھی مرے پاس
اک سر ہے اور اس سر میں خیالات بہت ہیں
اے حاملِ یک طرفہ نظر! غور دوبارہ
ان بند لبوں میں بھی جوابات بہت ہیں
اے حرمتِ میثاق کے پامال کنندہ!
الفاظ و مطالب میں تضادات بہت ہیں
اے شکوہ کناں! بہرِ رضی اب بھی ترے پاس
انکار بہت تھوڑے ہیں، اثبات بہت ہیں

ادھر سے جان لیا، اب ادھر سے دیکھتے ہیں
وجودِ یار کو طرزِ دگر سے دیکھتے ہیں
وہی ہے ذات جسے اے کمالِ دیدہ وری
وہ چشمِ عیب سے اور ہم ہنر سے دیکھتے ہیں
یہ معرفت ہے تو توہینِ معرفت کیا ہے؟
بلند و پست کو جو اک نظر سے دیکھتے ہیں
نگاہِ تند سے غمگیں نہ ہو کہ ہم بھی کبھی
شکستِ ذات کے غالب اثر سے دیکھتے ہیں
شمار کر نہیں پائے ہم اپنا عرصۂ ہجر
نکل کے گردشِ شام و سحر سے دیکھتے ہیں
اس اختلافِ موقف پہ حیرتیں کیسی؟
وہ اپنی آنکھ، ہم اپنی نظر سے دیکھتے ہیں
رجوعِ شوق کو، امکانِ دوستی کو رضی
کبھی جو لوٹ کے آؤ سفر سے، دیکھتے ہیں

حسابِ وصل چھٹا، ہجر کا شمار گیا
وہ بارِ طوقِ وفا، راہ میں اتار گیا
اب اس کے ردِ عمل میں عجب تسلسل تھا
تمام پچھلی وفاؤں کا اعتبار گیا
نہ جانے کیوں یہ طبیعت اداس اداس سی ہے
ہرانا چاہتے تھے جس کو، جب وہ ہار گیا

نہ جانے یہ سرد ہلیز لکھ دیا کس نے
سدا سے تھا جو یہاں محوِ انتظار، گیا
بعیدِ عقل تھی اس بار بازی، لمحات
وہ چال چلنے نہیں پایا تھا کہ ہار گیا
رضی فرشتہ نہیں تھا، مگر رخِ ہستی
بگاڑا تھوڑا سا اور بیشتر سنوار گیا

میں اپنے لمس سے جذبے کو منتقل کر دوں
ذرا سے کام میں لفظوں کو رائیگاں نہ کروں

چراغِ عہدِ گزشتہ ہیں سامنے کتنے
تمہاری یاد نے دکھلائے معجزے کتنے
حسابِ اولِ شب سے نکال سکتا ہوں
رہیں گے آخرِ شب تک جلے دیے کتنے
تمہاری آنکھ کے آنسو سے اپنا حال کھلا
وگرنہ ایسے گزارے ہیں تذکرے کتنے
مرے بغیر جو گزری، مرے بغیر تھی کیا؟
حیات کتنی گزاری ہے، واہمے کتنے
دلوں کو چشمِ اضافت سے دیکھنے والے
ہمارے بیچ میں ناپیں گے فاصلے کتنے
کتاب ختم ہوئی اور مجھ کو لکھنا ہے
ذرا نکالو تو بچتے ہیں حاشیے کتنے
تھکن وجود پہ چھائے مگر جگانا ہے
مرے قلم کا مقدر ہیں معجزے کتنے
رضی نے زخموں کو شعروں میں ڈھالنا چاہا
تو کتنے ہاتھ میں آئے، نکل گئے کتنے

ہم اپنے دل کی سنتے تھے عمل کرتے نہیں تھے
مگر اب تو یہ اس کی آنکھ نے بھی کہہ دیا ہے

تمہارے منہ پہ جو دیکھا کہ کچھ بحالی ہے
ٹھٹھک کے ہم نے اداسی کہیں چھپالی ہے
تمہاری فتح پسندی نے میرے عجز کے ساتھ
مذاکرات کی اک راہ تو نکالی ہے
نگاہ کی پسِ اندازِ ظاہری تو کھلا
کہ کون کس سے کسی چیز کا سوالی ہے
انا پسند طبیعت نے دل سے گھبرا کر
تمہارے آگے نظر اور بھی چرالی ہے

نگاہِ زود فغاں نے مگر تباہی دیا
تمہارے بعد تمہارا مکان خالی ہے
ہمیں خبر نہ ہوئی کب گری متاعِ انا
نگاہ پڑتے ہی چپکے سے پھر اٹھالی ہے
میں سب گنوا کے بھی یوں خوش بہت ہوں بعدِ شکست
بچانا چاہتا تھا چیز جو بچالی ہے
بھرا تھا چاہنے والوں سے اور خزانوں سے
رضی کا کمرہ جو لگتا تھا جیسے خالی ہے

کسی تہوار آنے کے زمانے ڈھونڈتے ہیں
ترستے لوگ خوشیوں کے بہانے ڈھونڈتے ہیں
دکھوں کا ذکر تو ہے روز کا معمول لیکن
یہ روزِ عید ہے، اچھے فسانے ڈھونڈتے ہیں
بہت شفاف لوگوں کے لیے بھی دنیا والے
برائے دل لگی، جھوٹے فسانے ڈھونڈتے ہیں
جوازِ آشیاں تو دو دلوں کے میل سے ہے
یہ طائر کیوں اکیلے آشیانے ڈھونڈتے ہیں
اگر کھو جائیں محفل میں اچانک تو نہ ٹوکو
یہ کچھ احباب، کچھ لمحے پرانے ڈھونڈتے ہیں
گلے ملتے ہوئے لوگوں سے عیدیں کچھ برس سے
رضی کے ہاتھ کچھ ساتھی پرانے ڈھونڈتے ہیں

دیکھ یہ طرزِ زندگی ، تیرا ہی انتخاب تھا
سینے میں سرکشی رہی، آنکھوں میں رت جگے رہے
اے مری چشمِ مصلحت ، ایسی بھی کیا مفاہمت
لاکھوں اذیتیں رہیں تھوڑے سے فائدے رہے

بردباری کے تقاضوں کو نبھاؤں کیسے
بن ترے چیختی وحشت کو چھپاؤں کیسے
تیرے بن خاک ہوں اور عالمِ اجسام میں ہوں
اے مری روح تجھے ڈھونڈ کے لاؤں کیسے
تو گیا اور ترے ساتھ گئی لذتِ زیست
سانس کی رسم میں تاعمر نبھاؤں کیسے
کیسے ہونٹوں پہ میں مسکان سجا لیتا ہوں
اپنا یہ معرکہ اب تجھ کو دکھاؤں کیسے
جس سے کہہ دینا ہی ہر دکھ کی دوا تھی لیکن
اس کے بخشے ہوئے دکھ درد مٹاؤں کیسے
جاگتی وحشی آنکھوں کے لیے اس کے بغیر
دشتِ امکان سے اب نیند بلاؤں کیسے
ہاتھ سے ریت کی مانند جو نکلے ہیں رضی
زیست کے کھوئے ہوئے لمحے اٹھاؤں کیسے

کس کا خوں کس کلاس روم میں ہے

(۸/اکتوبر ۲۰۰۵ء کے ہولناک زلزلے پہ لکھی گئی)

کیا عجب بات ہے جو ہے اس بار
یوں خزاں رنگ روئے فصلِ بہار
اے وطن صرف ایک دن میں ترے
گل ہوئے ہیں چراغ سترہ ہزار
راستہ چلتے یاد کرتا ہوں
راستے بند ہو گئے جن پر
فرش و دیوار جزوِ قبر ہوئے
آج سے ایک ہی ہیں گور اور گھر
سانس لیتا ہوں جب تو سوچتا ہوں
کس گھڑی سانس رک گئی کس کی
کون پہلے گیا تھا جانبِ خلد
دیر تک کس کی جان اٹکی رہی
تھا وہ مکتب بھرا ہوا جس کے
کرب سے فرش و در چٹختے ہیں
ننھی لاشوں کے ہاتھ میں اب بھی
اپنے ہی خوں سے لال بستے ہیں
ایک ایسا بھی طفل تھا جس کا
جسم اندر تھا ہاتھ باہر تھا
فکر تھی اُس کو درسِ مکتب کی
یا خیالوں میں روئے مادر تھا
ملبہ چنتی مشین کیا جانے
ہاتھ کس کے ہیں یہ، بدن کس کا
کس کا خوں کس کلاس روم میں ہے
اس قدر نرم ہے یہ تن کس کا
جو بھی غم آشنا ہوں دنیا میں
وہ سمجھتے ہیں دوسروں کا غم
جو مصیبت زدہ ہوں جانتے ہیں
اہلِ غم کے قلوب کا عالم
اے رسولِ خداؐ جنابِ امیرؑ
نورِ تطہیر سے سنوارا ہوا
آپ کا بھی بھرا گھرانہ تھا
ایک دن میں خدا کو پیارا ہوا
اے حسینؑ و حسنؑ، جنابِ بتولؑ
قوم کی آنکھ آج ہے پُرنم
آپ سے بڑھ کے کون سمجھے گا
وحشتِ والدین کا عالم
اب یہ بچے سپرد آپ کے ہیں
سایۂ رب میں اِن کو کر لیجے
چھن گئی گود ماں کی آج کے دن
اپنی گودی میں اِن کو بھر لیجے

ڈیڈی کے لیے ایک اور نظم

دور ہوتی ہوئی گاڑی کے عقب کی بتی
دیکھ کر روح میں جلنے لگے یادوں کے چراغ
پھر چلی آئی کسی سمت سے آوازِ شفیق
پھر نگاہوں میں اُبھرنے لگے ماضی کے سراغ
روز ہی حال عجب ہوتا ہے دل کا لیکن
آج ہر دن سے سوا حال ہے اپنے دل کا
یہ جدائی کہ جدائی بھی نہیں ہے گویا
فاصلہ کچھ تو مگر راہ سے ہے منزل کا
وقت ہر نقش کو دھندلاتا ہے، کم کرتا ہے
آپ کے نقش مگر اور اُبھر آتے ہیں
دور ہوتے ہوئے ماضی کے بکھرتے لمحے
شدتِ شوق سے کچھ اور سنور جاتے ہیں
وہ مناظر کہ نظر عادی تھی میری جن سے
آپ کو یاد دلانے کا وسیلہ اب ہیں
آپ تو یوں بھی مسیحا تھے مگر میرے لیے
آپ کی یاد کے لمحات مسیحا اب ہیں
منتخب ہے جو زمانے میں دُکھی لوگوں کی
آپ کے غم نے اسی صف میں سمویا مجھ کو
ایک لہر آئی تھی، کیا جانیے کس جانب سے
ایک مانوس سمندر میں ڈبویا مجھ کو
روح ہو، خون ہو، تعمیرِ جنوں ہو، میری
آپ کی چھاپ سے خالی نہیں کوئی شے بھی
زندگی درد کا مجموعہ ہے لیکن مجھ کو
آپ کے درد سے بھاری نہیں کوئی شے بھی
یوں تو اک سوزشِ پیہم ہے مسلسل دل میں
سانس جو آتی ہے اِک درد کے ساتھ آتی ہے
بعض اوقات تو یوں پھٹتا ہے سینہ میرا
شدتِ درد سے بس جان نکل جاتی ہے
کتنا تنہا ہے یہ انسان سرِ بزمِ حیات
آپ نے مجھ سے بچھڑ کر یہ بتایا ہے مجھے
نوحہ لکھتا تھا میں اور سچ ہی لکھا کرتا تھا
آپ کے غم نے تو خود نوحہ بنایا ہے مجھے
وقتِ رخصت وہ جدا ہوتی نگاہوں کی قسم
ان نگاہوں کی مری آنکھ میں بینائی ہے
اور اس جسم سے اٹھتی ہوئی اِک برقِ مثال
روشنی میرے رگ و پے میں اُتر آئی ہے

مجھے وہ شخص پھر واپس دلا دینا

مگر یہ اپنی کلی حیثیت میں صرف غم ہی تو نہیں ہے
جدائی ہر تعلق کا مقدر ہے
بچھڑنا ہر محبت کی روایت ہے
روایت کے مگر آداب ہوتے ہیں
محبت جتنی گہری ہو، روایت کا نبھانا اتنا ہی دشوار ہوتا ہے
(مگر اس سے مفر بھی تو نہیں ہے)
امانت اپنی واپس لینے والے اب میں اپنی زیست کے
ہر موڑ پر آداب تنہائی نبھاؤں گا
بطونِ روح سے اُٹھتی ہوئی چیخیں دباؤں گا
جو فطرت کے تقاضے ماورائے بردباری ہیں
انہیں سب سے چھپاؤں گا
جدائی بخشنے والے
میں تجھ سے اپنی ہر کاوش کے بدلے ہاتھ پھیلا کر فقط
یہ مانگتا ہوں
کہ جب تو پھر جلائے گا
سبھی ارواح کو واپس بلائے گا
بساطِ زندگی پھر سے بچھائے گا
مجھے اس شخص، اسکی ہر ادا، ہر آن سے پھر سے ملا دینا
جو میری زندگی سے زندگی چھینی ہے وہ واپس دلا دینا

غلبۂ ضبطِ فغاں، جزوی ہے، لمحاتی ہے
فوجِ غم دل کے کہیں پاس ہی منڈلاتی ہے
مطلبِ مرگ تو کچھ اور تھا جانے والے
تو نے بتلایا یہ تنہائی بھی کہلاتی ہے
منکشف آج ہوا مجھ پہ کہ مجھ میں اک شے
تجھ سے ملنے سے، ترے قرب سے گھبراتی ہے
اپنے ہی جسم کے کچھ باغی تقاضوں سے کھلا
کیسے اپنوں کی وفاداری بدل جاتی ہے
تم تو تحقیق کے خواہاں ہو، مگر میرے یہاں
مختلف سوچ ابھی جرم ہی کہلاتی ہے
جو خدا والے ہیں، تھراتی ہے دنیا ان سے
جو طلب گار بھٹکنے کے ہیں، بہکاتی ہے
یوں تو سیدھی ہی چلی جاتی ہے یہ راہِ حیات
راہِ الفت جہاں مل جاتی ہے، بل کھاتی ہے
یوں تو ہر دل میں محبت کے ہیں اسرار جدا
اک پر اسرار سی یک سمتی نظر آتی ہے
میں نے اس میں بھی کئی راستے ڈھونڈے ہیں رضی
یہ جو تم لوگوں میں آوارگی کہلاتی ہے

ماتھے پہ ایک بل رہا، پاؤں لہو لہو گئے
ہم تو تری گلی میں بھی، ہم رو آبرو گئے
ہم کو نہ دیکھو اس طرح، دیکھو ہمارے پاس تم
آئے تو تھے دریدہ دل، لوٹے تو بار فو گئے
ہم ہیں وہ نخلِ راستی، سائے میں جس کے تم سبھی
ٹھہرے تو ہم نفس ہوئے، گزرے تو مشکبو گئے
وہ لب کشا ہوئے بھی تو موسم پہ آ کے رک گئے
ابرِ ملال جب اٹھا، سامانِ گفتگو گئے
ایسا تھا پر کشش سرود، دل کی جھجک کے باوجود
رکتے، ٹھہرتے، سوچتے، ہم بھی کبھو کبھو گئے
کیسا عجب دیار تھا، کس کا تھا سامنا رضی
جو نہ تھے قائلِ خدا، وہ سب بھی باوضو گئے

کتنے طوفان دل سے گزرے تب
ایک قطرہ مژہ تلک پہونچا
گوشِ صیاد تک بھی بات گئی
ذکرِ گل جب صبا تلک پہونچا

خلش کی بیل تھی، چپ چاپ دل میں پلنے لگی
ہماری تھوڑی سی قربت بھی تم کو کھلنے لگی
فشارِ ردِ عمل میں اگر کبھی دل سے
تمہیں نکالنا چاہا تو جاں نکلنے لگی
عجیب سوچ میں ہو ہم سفر! بتاؤ مجھے
ہوا کدھر سے یہ آئی کہ رت بدلنے لگی
یہی تھی جس کو کبھی ہم غبارِ خاطر تھے
گزر گئے تو یہی بزم ہاتھ ملنے لگی
اب اس سے بڑھ کے ندامت کی بات کیا ہوگی
تمہارے ہجر میں حالت اگر سنبھلنے لگی
خود اپنے دل کے طلسمات میں مچلنے لگی
عجیب برف تھی، اک آنچ سے پگھلنے لگی
جو گرم و سردِ زمانہ سے ماورا تھی بہت
درونِ ذات کی تنہائیوں میں جلنے لگی
ملے جو رنج کے مارے تو معجزہ یہ ہوا
لبوں سے بات، دلوں سے خلش نکلنے لگی
اب اور کیا وہ تمہیں دے اشارۂ تائید
چلے تو بادِ صبا ساتھ ساتھ چلنے لگی
ابھی تو عین بلندی پہ تھی حیات کی دھوپ
پلک جھپکنے نہ پائے تھے اور ڈھلنے لگی

بجھتی شمعیں، بکھرے کاغذ، بے ترتیبی کپڑوں کی
ہم نے اپنے کمرے کا بھی اپنا سا انجام کیا
اب سے پہلے سہل پرستی شیوہ اہلِ عشق نہ تھی
تم نے ریت پہ حرف لکھے اور لہروں کو بدنام کیا
کہنے کا محتاط طریقہ اب ہم کو بھی آتا ہے
لہجے میں تو پیار بسایا، لفظوں میں ابہام کیا

ڈھا کر فصیلِ شرم، نگاہیں نکل پڑیں
سمجھایا غیر کو نہیں چاہیں، نکل پڑیں
دیکھے تھے آسمان کو سب منکرانِ عشق
اور آسماں سے پیار کی راہیں نکل پڑیں
چپ تھا ہرن تو گھیرے رہے اس کو بھیڑیے
بولا تو آسماں سے پناہیں نکل پڑیں
انساں کی بے بسی تو محبت میں دیکھیے
ہم روکتے ہی رہ گئے، باہیں نکل پڑیں
اک حد ہے اپنے آپ پہ بھی اختیار کی
آنسو جو ہم نے روکے تو آہیں نکل پڑیں
احساسِ قرب سے تھا کھڑا قصرِ صبر و ضبط
تم چھوڑ کر چلے تو کراہیں نکل پڑیں
گھر میں تھی زیست بند گلی کی طرح رضی
نکلا تو میرے ساتھ ہی راہیں نکل پڑیں

مجھے بھی کاش تو اپنا بنا لے
اسی صورت سے جیسے تو مرا ہے

بلا کا ہوش و تحمل تھا اس دوانے میں
تمہارا نام تک آیا نہیں فسانے میں
مری نگاہ کو پڑھ کر بھی فرق پوچھتے ہو
تمہارے اور کسی اور کے نہ آنے میں
نبھانا عہدِ وفا ہے تو پھر جیے جاؤ
اکیلے رہ کے بھی اس عہد کو نبھانے میں
ہمارا لمحۂ شاداں بھی کٹ گیا آخر
تمام عمر کی محرومیاں چھپانے میں
جدائی لاکھ قیامت کی، ہمتیں مانگے
مزید حوصلہ درکار ہے نبھانے میں
نئی ہیں قدریں، نئی جزئیات ہیں لیکن
کہانی ایک ہے آدم کی ہر زمانے میں

نہ جانے نغمہ سرایانِ دل پہ کیا گزری
کہیں کہیں پہ زباں رک گئی ترانے میں
صدائے طوق بجی نا کام ہی رہی ہے رضی
درونِ ذات کی سرگوشیاں چھپانے میں

ستم سے خلق کو اب تم نے واگزار کیا
ہمارا دل ہی دکھانے پہ انحصار کیا
یہ وصفِ عشق نہیں ، وصفِ ذات تھا جس نے
شعارِ عشق سے پہلے وفا شعار کیا
تسلسلِ غمِ ہجراں وہ درد تھا جس نے
درونِ وصل کئی بارا شکبار کیا
مرا رویہ تھا اُس لمحے غلبۂ غم میں
عجب ہے تم نے وہی لہجہ اختیار کیا
اسے مدد کی طلب تھی، مقابلے کی نہیں
یہ اس کی نرم نگاہوں نے آشکا رکیا
خلافِ شانِ رضی ہے تقابلِ اعداد
اگرچہ دل میں کئی مرتبہ شمار کیا

کتنے طوفان دل سے گزرے تب
ایک قطرہ مژہ تلک پہونچا
گوشِ صیاد تک بھی بات گئی
ذکرِ گل جب صبا تلک پہونچا

پہلے اک خاکِ پا تلک پہنچا — پھر یہ انساں خدا تلک پہنچا
خامشی بے گناہ اس لمحے — اپنا نعرہ صبا تلک پہنچا
قصرِ حاکم پہ میں پہنچ تو گیا — جیسے اک بیسوا تلک پہنچا
اے کٹے بازوؤں کے شاہ سوار — کون تیری وفا تلک پہنچا
تیرے قدموں کی دھول سے یہ فقیر — آصفِ برخیا تلک پہنچا
تیری چادر تھی چادرِ تطہیر — کون تیری ردا تلک پہنچا
اب بھی دل من کی گونجتی ہے صدا — مجھ کو بس اس صدا تلک پہنچا
حق پرستوں کی ہے جوازِ کمال — بس اسی کربلا تلک پہنچا
کر رضی پر بھی اک کرم کی نظر — اس کو اپنی رضا تلک پہنچا

بارش کو پسند کرنے والی کے نام

مری آنکھوں میں، اُس کی ذات میں، کھیتوں کی مٹی میں
جھڑی ساون کی پیغامِ نمو کے ساتھ آتی تھی
عجب اس کا وہ چہرہ تھا
کہ جب بھی بھیگتا تھا اور بھی شاداب لگتا تھا
عجب اس کی وہ زلفیں تھیں
کہ جو بارش کے قطروں سے نئے سانچے میں ڈھلتی تھیں
عجب میری وہ آنکھیں تھیں
کہ جو ساون کی پہلی بوند کے گرتے ہی اس کو اس طرح سے
ڈھونڈتی تھیں
کہ جیسے دید کے قابل بھری دنیا میں بس اس کا ہی چہرہ ہو
مگر وہ زلف، وہ چہرہ تو اب ماضی کی باتیں ہیں
گرجتے اور چمکتے بادلوں کی روشنی میں اس کا یکدم سہم جانا
اور پھر یوں کھلکھلا کے ہنسنا تو یادوں کا حصہ ہیں
مگر یہ دل ہے جو برکھا کی پہلی بوند گرتے ہی مرے کانوں
میں کہتا ہے
تمہیں معلوم ہے بارش کے ہر قطرے کے گرنے پہ
وہ اپنے بچوں کے جھرمٹ میں آنکھیں بند کر لیتی ہے
تم کو یاد کرتی ہے
اور اپنے دل کے اک گوشے میں
(جس میں بس فقط یادیں تمہاری ہیں)
اترتی ہے اور اپنے قید کچھ جذبوں کو تھوڑی دیر کو آزاد کرتی ہے
حسیں یادوں کا اُجڑا دیس پھر آباد کرتی ہے

بوڑھے برگد کی آخری گفتگو

میں فیصلہ کن سمے کی اب راہ دیکھتا ہوں
مگر مجھے سرسری نظر سے برتنے والے تماش بینو
تمہارے دل میں
ہوا کے پتے گراتے جھونکوں کی شدتوں کا حساب بھی ہے؟
میں جن کے مابین سینہ تانے کھڑا رہا ہوں
تمہیں خبر ہے کہ میں نے سورج کی کتنی حدت، سلگتی لو
دیتی آتما میں اتار لی ہے؟
تمہیں پتہ ہے کہ کتنے بے بال و پر پرندے
مری پناہوں میں کاٹ کر بے امان لمحے
بلندیوں میں نکل گئے ہیں؟
اداس لمحوں میں میرے سائے میں بیٹھنے والے رہ نوردو
اب آخری بات بھی بتا دوں
میں اس قدر سخت جاں تو ہر گز نہیں ہوں
جتنا کہ بن رہا تھا

بیٹیوں والوں کے نام ایک نظم

نوجوانی کے تقاضے بھی عجب تھے جن میں
عمر قابو میں نہ تھی
اور اُسے بانہوں میں جکڑنے کی تمنا بھی نہ تھی
زندگی نام تھا ہیجان کا طغیانی کا
زیست کے ضابطوں کی بے سروسامانی کا
نظم و ترتیب کی، تہذیب کی ارزانی کا
جب حریفوں سے نہ تھے، خود سے تھے گتھم گتھا
مطمئن لمحوں سے لٹھم لٹھا
گرمیِ خون سے ہکا بکا
پھر ہوا یوں کہ مہ و مہر کی کرنوں کی طرح
اپنے آنگن میں اُتر آئے درخشاں چہرے
چاند سورج سے بھی تاباں چہرے
ہر غم و درد کا درماں چہرے
ہارمونوں کو اُبلنے سے ذرا دیر کو فرصت جو ملی تو ہم کو
بیٹیوں کے رخِ پرنور کی تابانی میں
عاشقی کا نیا مفہوم سمجھ میں آیا
زندگی کا نیا مفہوم سمجھ میں آیا

تقابل

تم محبت کے تقابل پہ مصر ہو تو رہو
میں مگر ساتھ نہیں دے سکتا
اپنے محبوب کی تعریف تمہارا حق ہے
اور یہ حق تو ہر اک شخص کو ہے
پر تقابل میں تو اِک جبرِ عدالت بھی ہے
راہ رو جس کے سبب راہ سے کٹ جاتے ہیں
پاسِ ناموسِ وفا کھیل تماشا تو نہیں
گرمیِ جسم اُتر جائے تو اس آگ میں حدت نہ رہے
یہ محبت ہے کوئی فرضِ کفایہ تو نہیں
چند لوگوں کے ادا کرنے سے باقی کو ضرورت نہ رہے
تم سمجھتے ہو کہ عادت کے مطابق میں فقط رفعِ ضرر کی خاطر
مسکراؤں گا پگھل جاؤں گا
کینوس کی کسی تصویر میں ڈھل جاؤں گا
اے مرے دوست، محبت میں تقابل کیسا
تم کسی کو بھی یہ کس طرح بتاؤ گے کہ میرا محبوب
اُس کے محبوب سے بالاتر ہے
پھر محبت میں تو تذلیل کا عنصر ہی نہیں
(کتنی حیرت ہے کہ تم نے یہ تقاضا بھی فقط مجھ سے کیا)
اور اگر پھر بھی مُصر ہو تو سنو
میری آنکھوں میں فقط ایک ہی چہرہ ہے مقیم
جو برا چاہنے والوں کے نکالے سے نکلتا ہی نہیں
میرے باطن میں فقط ایک ہی منظر کا ہے نقش
جو کسی طور بدلتے ہوئے لمحوں سے بدلتا ہی نہیں
سو مرے دوست مرے ربطِ دلی کے باوصف
آج میں ساتھ نہیں دے سکتا
ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے سکتا
تم محبت کے تقابل پہ مصر ہو تو رہو

رابطہ

نجانے کتنی لمبی گفتگو کا منتظر تھا وہ
مجھے آتا بھی تھا جذبات کو الفاظ میں ملبوس کر دینا
مگر اس بار جتنے لفظ تھے منہ سے نہیں نکلے
فقط آنکھوں کا ملنا ہی اک ایسا رابطہ ٹھہرا
کہ سب جذبے گزر کر دوسرے کے دل میں جا پہنچے
میں پھر اُٹھ کر چلا آیا

چلے جائیں، مگر جائیں گے کیسے؟
اکیلے آپ رہ پائیں گے کیسے؟
ہمارے بن، ہمارے پیار کے بن
بساطِ دل بچھا پائیں گے کیسے؟
ہمیں یہ خوشبو جب تم سے ملی ہے
تو ہم اوروں کو مہکائیں گے کیسے؟
تمہارا اسم ہے جب اسمِ الفت
تو ہم اوروں پہ دہرائیں گے کیسے؟
یہ گھر اک آدمی سے بھر گیا ہے
مسافر اس میں ٹھہرائیں گے کیسے؟
ہمارے ہوتے دو ننھے سے آنسو
تمہاری آنکھ میں آئیں گے کیسے؟
مقام ابتدا گر انتہا ہے
تو اس نکتے سے بڑھ پائیں گے کیسے؟
اکھٹے جو بہت آساں لگے تھے
وہ غم تنہا سہے جائیں گے کیسے؟
تمہارے نام کے آخر میں کل سے
نیا اک نام سن پائیں گے کیسے؟
محبت آج سمجھوتا بنی ہے
یہ سمجھوتا نبھا پائیں گے کیسے
کہا تو تھا کہ سمجھائیں گے دل کو
بتے سمجھاؤ کہ سمجھائیں گے کیسے
رضی کو تنگ جو کرتے رہو گے
تو پھر وہ پاس آ پائیں گے کیسے

ایسی ہی بے گانگی تھی، تو نظر ملتے ہی کیوں
زلزلہ سا اس کے چشم و جسم میں برپا ہوا

گاہے گاہے رسمِ محبوبی ادا کرتا تو ہے
گو جھجک کر ہی سہی، وعدہ وفا کرتا تو ہے
وہ نہیں رکھتا مرا عرفانِ کلی آج بھی
پھر بھی مجھ کو اور لوگوں سے جدا کرتا تو ہے
شک نہ گزرے اس لیے اک سرسری انداز میں
اپنے لوگوں میں وہ میرا تذکرہ کرتا تو ہے
بعدِ تکمیلِ تمنا وہ مرا جانِ حیا
کام پڑ جانے پہ میرا سامنا کرتا تو ہے
سارے پیچیدہ عوامل پر سمجھ کر، سوچ کر
انقطاعِ فاصلہ کا فیصلہ کرتا تو ہے
وہ سمجھ لیتا ہے میری آنکھ کے پیغام کو
گو عمل کرتا نہیں لیکن پڑھا کرتا تو ہے
یہ غلط باتیں ہیں تو وہ ابتدا میں ٹوک دے
وہ خفا ہونے سے پہلے سب سُنا کرتا تو ہے
پہلے خود سے بھی چھپاتا ہے وہ جذبوں کو مگر
دھیرے دھیرے پھر سُپردِ تجزیہ کرتا تو ہے
تو سمجھتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں کرتا مگر
کچھ نہ کچھ کرتا تو ہے، اے ناصحا کرتا تو ہے
بخش دیتا ہے وہ نادیدہ سفر کی لذتیں
درمیانِ مہربانی نارسا کرتا تو ہے
وہ جھجک جاتا ہے بس اس ایک نکتہ پر رضی
ورنہ ہر ردِ عمل وہ برملا کرتا تو ہے

جو نہیں آیا وہ طوفاں نہیں دیکھا ہم نے
خود بخود لہروں کو لرزاں نہیں دیکھا ہم نے
چونکہ ہر شے کو دیا اس کا مقامِ جائز
عقل کو سر بگریباں نہیں دیکھا ہم نے
ہم نہ تھے شام کا تشویش بڑھاتا اخبار
چائے کی پیالی میں طوفاں نہیں دیکھا ہم نے
اور سب کچھ تھا اشاروں میں تمہارے لیکن
ان اشاروں میں وہ پیماں نہیں دیکھا ہم نے
کچھ تو شک یوں بھی ترے عزمِ سفر پر گزرا
پوٹلی میں کوئی ساماں نہیں دیکھا ہم نے
پھرتری آنکھ کے میداں میں سرِ بادِ خزاں
برگِ امید کو رقصاں نہیں دیکھا ہم نے
اہلِ ناموس کے دل میں تھے کئی حرفِ سوال
پھر بھی کوئی سرِ مژگاں نہیں دیکھا ہم نے
بردباری کے ہنر سیکھے تھے ان آنکھوں سے
جن کو بازار میں خنداں نہیں دیکھا ہم نے
تیری آنکھوں میں لکھا تھا ترا کردار رضی
فیصلے کے لیے داماں نہیں دیکھا ہم نے

اک لحۂ مضطر میں ترے حاملِ ایثار
جاں اپنی بچانے کے گنہ گار رہے ہیں

جو عکسِ حقیقت بھی ہے خوابوں کی نوا بھی
اس حرف کے لکھنے پہ مقرر ہے سزا بھی
اب بندشِ تشہیر کی تدبیرنئی ہے
طائر بھی ہیں پابند، مقید ہے صبا بھی
جلتے نظر آتے ہیں اصولوں کے بھی خیمے
چھنتی نظر آتی ہے اناؤں کی ردا بھی
رہ رہ کے تڑپ اٹھتے ہیں بستی میں کئی دل
آ آ کے پلٹ جاتی ہے صحرا کی صدا بھی
اے شخص جوازِ غمِ الفت نہیں کچھ بھی
کچھ بھی نہیں دردِ دلِ مجنوں کی جزا بھی
ہر اہلِ وفا، اہلِ محبت نہیں ہوتا
اس میں کئی شرطیں ہیں وفاؤں کے سوا بھی
یادوں کے جزیرے میں اتر جاتے ہیں ہر شب
اک شاعرِ غم دیدہ بھی اک ماہ لقا بھی

بجا کہ اوجِ محبت کی انتہا بھی نہیں
مگر وہ پہلا تاثر کہ بھولتا بھی نہیں
سبھی دلیلیں خلافِ دلیلِ الفت ہیں
انہیں میں مان سکوں، مجھ میں حوصلہ بھی نہیں
اب ایسے دل میں تلاشِ نشاط کیا کیجے
جسے تمہارے تعلق کا آسرا بھی نہیں
اسے فریبِ وفا دیتے ہو جسے تم پر
سوائے سچ کے کسی شے کا شائبہ بھی نہیں
عجب اکائی ہوں میں نارونور کے مابین
میں عینِ کفر نہیں ہوں، میں پارسا بھی نہیں
اگر میں ایک نہیں ہوں تو پھر نہیں ہوں میں
میں دوسرا بھی نہیں ہوں، میں تیسرا بھی نہیں
اسیرِ شب پہ گراں ہے عذابِ تنہائی
وہ اضطراب ہے، خوابوں کا سلسلہ بھی نہیں
ہوا نے ست روی کا صلہ دیا ہے رضی
وفا کے دشت میں اب کوئی نقشِ پا بھی نہیں

گزری رتوں کی داستاں، تیرا وجود اور میں
کربِ عذابِ بے فغاں، تیرا وجود اور میں

خارِ جفا نکل گیا، دورِ گریز ٹل گیا
راہِ وفا کے کامراں، تیرا وجود اور میں
شام و سحر کی ہمرہی، یونہی ہمیں نہیں ملی
فصلِ عذابِ بے کراں، تیرا وجود اور میں
تجھ کو مگر نہیں پتہ، خوابوں میں اے گریز پا
تنہا پھرے کہاں کہاں، تیرا وجود اور میں
اہلِ جنوں میں نامور، صحنِ حرم میں معتبر
وحشتِ وفا میں گل فشاں، تیرا وجود اور میں
رات کٹی سفر نصیب، ساتھ ہوئے تو رک گئے
تارے، زمین، کہکشاں، تیرا وجود اور میں
دونوں بہم نصیب ور، دونوں قریب باثمر
دونوں اکیلے رائیگاں، تیرا وجود اور میں
ارض و سما دھواں دھواں، جن میں ہیں گم زماں مکاں
ایک صدائے بیکراں، تیرا وجود اور میں
راہِ حیات میں رضی، ہم کو وہ سرخوشی ملی
کچھ بھی نہیں ہے درمیاں، تیرا وجود اور میں

میں جب کون و مکاں کو مستقل تسخیر کرتا ہوں
بباطن خود سے بچ جانے کی یہ تدبیر کرتا ہوں
میں شاعر ہوں مگر بس خواب ہی دیکھا نہیں کرتا
جفاکش بھی ہوں اپنے خواب کو تعبیر کرتا ہوں
نہ ہو جو خرچ مٹی کی نمو پر وہ لہو کیا ہے
میں اپنے خون سے بچوں کا کل تعمیر کرتا ہوں
جو کارِ زندگی ہے، اس میں تو پابندِ ساعت ہوں
جو کارِ دل ہے، میں اس میں بڑی تاخیر کرتا ہوں
لٹاتا کیسے ہوں میں خود کو ہر شب نرم بستر پر
تمہیں کیونکر سپردِ داورِ تقدیر کرتا ہوں
بہت گرتے ہیں لکھتے وقت آنسو صفحہ ء دل پر
پھر ان قطروں سے سچی شاعری تحریر کرتا ہوں
کبھی لفظوں میں بھر دیتا ہوں بے معنی خرافاتیں
کبھی آیاتِ ربانی کی میں تفسیر کرتا ہوں
الگ کرتا نہیں اپنی جبیں سے جائے سجدہ کو
غمِ دنیا سپردِ حضرت شبیرؑ کرتا ہوں
کتابِ زندگی میں جس جگہ باتیں تمہاری ہیں
میں اپنا بابِ تنہائی وہیں تحریر کرتا ہوں
الجھ کر رہ گیا ہوں فخر و استغفار میں اکثر
کہاں حقدارِ تحسیں ہوں کہاں تقصیر کرتا ہوں

تین شعر

خوف کے مارے آنگن پر بھی چھت تعمیر کرالی ہے
سورج، چاند، ہوا اور بارش سب کچھ مجھ سے چھوٹا سائیں
روشنی سب کی خواہش ٹھہری لیکن اک تدریج کے ساتھ
میرا سپنا سورج سائیں، اور تو سورج کا سپنا سائیں
سائے کا قد تو سورج ہی کے زاویے سے طے پاتا ہے
تیری آنکھ بھی سورج سائیں، میری ذات بھی سایا سائیں

Regular Joe*

مسئلہ یہ ہے کہ اب مجھ کو یہ سرگشتہ حیات
دو تضادات کے ہمراہ بسر کرنی ہے
دل وہ کافر کہ مفادات سے ناواقف ہے
منصب و عمر کے حالات سے ناواقف ہے
مصلحت والی ہر اک بات سے ناواقف ہے
اور دنیا ہے کہ بازار ہے زنجیروں کا
پیار کے نام پہ لکھی ہوئی تعزیروں کا
نامۂ دل پہ لگائی گئی تکفیروں کا
میں نہ فرہاد نہ مجنوں نہ میں فرعون نہ بش
میں فقط دل بھی نہیں دل کا مخالف بھی نہیں
میں تو بس عام سے لوگوں کا نمائندہ ہوں
ہر طرف ڈھونڈتا ہوں راستہ مل جائے کہیں
میں تضادات کی تہذیب کا وہ طائر ہوں
جو قفس میں بھی نہیں اور فضا میں بھی نہیں
میں نئے دور کا انساں ہوں، مرے دکھ کا علاج
ایف ڈی اے** کی کسی اپرووڈ*** دوا، میں بھی نہیں
دل و دنیا کو یوں ہی ساتھ لیے چلنا ہے
عہدِ حاضر کے کمالات لیے چلنا ہے
دوش پر بارِ تضادات لیے چلنا ہے
جب تلک موت نہ دے مات لیے چلنا ہے

* عام آدمی Regular Joe
Food & Drug Administration
FDA **
*** مانی ہوئی Approved

خود کلامی

بس اب سب چھوڑ کر اپنے ہی سے باتیں کروں گا میں
یہی ماضی کے سب اہلِ انا کا طور گزرا ہے
یہی میرا قرینہ تھا
نہ جانے کس لیے کچھ دن یہ عادت چھٹ گئی مجھ سے
مجھے شاید گماں یہ تھا
کہ تم سے گفتگو کر کے مرے جذباتِ تشنہ کا وہ پنہاں رخ
جسے سیراب ہونا ہی نہ تھا، سیراب ہو جائے
لبِ خشکیدہ تھوڑی دیر کو پُر آب ہو جائے
مگر کچھ پیاسے ہونٹوں کے لیے پانی نہیں ہوتا
نہیں ہو، کم سے کم احساس ارزانی نہیں ہوتا
سو اب اس سمت نظریں پھیرنے سے بھی ڈروں گا میں
بس اب سب چھوڑ دوں گا، خود سے ہی باتیں کروں گا میں

اجنبی دوست کے نام ایک مکتوب

سنا ہے تم سمندر پار جا کر بس گئے ہو
سنا ہے خواب کی بستی میں تم نے گھر خریدا ہے
مجھے اس پر کسی بھی فیصلے کا حق نہیں ہے
تمھیں بچوں کے مستقبل کی پرواہ بھی بہت تھی
(اور بجا تھی، یہ مجھے بھی ہے)
جہاں تم ہو وہاں اسکول بھی اچھے ہیں
اپنے ملک کے احباب بھی ہیں
تمھاری زندگی پر مجھ کو اپنی رائے کے اظہار کا بھی حق نہیں ہے
مجھے تم یاد آتے ہو
مگر تم سے بھی کچھ بڑھ کر تمھاری باتیں مجھ کو یاد آتی ہیں
خلوصِ قلب کی احساس کی پندار کی باتیں
وطن کی سرزمیں سے پھوٹتی مہکار کی باتیں
مری مٹی مرے دشت و جبل سے پیار کی باتیں
مجھے سب یاد آتی ہیں
سنا ہے تم یہ کہتے ہو کہ میرے ملک میں سرمایہ کاری اِک حماقت ہے
یہاں پر آگہی کی گفتگو کرنا جہالت ہے
جنونِ تفرقہ بازی کی بابت سوچنا بھی ایک بے معنی جسارت ہے
مجھے تم سے سوا باتیں تمھاری یاد آتی ہیں
مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے
مگر اتنا بتا دو
جہاں تم ہو وہاں سے میری دنیا کیسی لگتی ہے
سسکتے بلبلاتے بھوکے بچے کیسے لگتے ہیں
مری دنیا سے دنیا کی عداوت کیسی لگتی ہے
کسی زخمی کی تیغوں سے بھڑنے کی جہالت کیسی لگتی ہے
چراغوں کی ہوا میں جلتے رہنے کی جسارت کیسی لگتی ہے

و نحن اقرب الیہ من حبل الورید

(اور ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) القران

مرے ساتھی مری تنہائی پر رنجیدہ مت ہونا
اکیلا میں نہیں ہوں گا
سنا ہے تم نے ٹھانی ہے

جدائی کی بھڑکتی آگ کے شعلوں میں جلنے کی
مری ہر دسترس سے یک بیک باہر نکلنے کی
سڑک پر چلتی گاڑی کی طرح رستہ بدلنے کی
سنا ہے تم نے ٹھانی ہے
کمال غم یہ ہے راہِ رفاقت کٹ گئی ہے اور روانفاس باقی ہے
پیالہ چھن گیا ہے اور لبوں کی پیاس باقی ہے
نہیں امکان جس کا اُس کرم کی آس باقی ہے
مجھے تم پوچھتے ہو تم اکیلے جی تو لو گے نا؟
جو باقی جامِ ہستی ہے اکیلے پی تو لو گے نا؟
جو سینہ چاک ہے تم اُس کو تنہا سی تو لو گے نا؟
مجھے تم داد دو میں نے کبھی یہ بھی نہیں پوچھا
کہ جو راہی اکیلا اک قدم بھی چل نہیں سکتا
وہ تنہا راستے کو کیسے کاٹے گا؟
جسے گھاؤ چھپا لینا ہو اُس کا درد کوئی کیسے بانٹے گا؟
جو گہری کھائی میرے اور متاعِ زندگی کے بیچ چھوڑے جا رہے ہو
اُسے اب کون پاٹے گا؟
مجھے تم داد تو دے دو
مرے محبوب کل شب تم نہ میرے پاس بھی گر ہو
تو میری فکر مت کرنا
تمہیں معلوم ہے مجھ کو محبت کی ضرورت تھی (ضرورت ہے)
مگر تم فکر مت کرنا
قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میرے دل و جاں ہیں
قسم ہے خالقِ وصل و جدائی کی
اکیلا میں نہیں ہوں گا
مرے ہمراہ وہ ہوگا
جو مجھ کو تم سے بڑھ کر چاہتا ہے
مرے محبوب مجھ کو علم ہی کب تھا
کہ اک ایسا بھی دن آئے گا جب میں یہ کہوں گا
کہ اب میں بھی اُسے
تم سے زیادہ چاہتا ہوں
سو تم جاتے ہوئے میرے لیے غمگین مت ہونا
اکیلا میں نہیں ہوں گا

بدلتے کردار

شوقِ اظہار سے مجبور مگر
جبرِ ماحول سے مغلوب وہ پیاری لڑکی
شعر چن چن کے مجھے بھیج کے یوں دیکھتی ہے
جیسے ان شعروں کے مفہوم کی یہ یک جہتی
اتفاقاتی ہو
جنبشِ چشم سے میں اس کی بتائی ہوئی توجیہ کی توثیق بھی کر دیتا ہوں
اور پھر گزرے ہوئے برسوں کے پردوں کو ہٹا کر میں کسی اور ہی
دنیا میں پہنچ جاتا ہوں
مسکراتا ہوں کہ تاریخ کا پہیہ کیسے
دیکھتے دیکھتے ادوار بدل دیتا ہے
سب اداکاروں کے کردار بدل دیتا ہے

پہلے تو رنگِ شفق چہرے پہ لہرائے گا
وقت بدلے گا تو چہرہ بھی بدل جائے گا
جانا ممکن ہے بھلانا نہیں ممکن اے دوست
تو بھی فطرت کے لکھے کو نہ مٹا پائے گا
جانے والے نے کہا دیکھ کے یہ سوئے قرار
جب میں لوٹوں گا تو یہ ساتھ چلا آئے گا
مجھ کو کافی ہے کہ دھڑکن جو جگا دی میں نے
کوئی بھی آئے، یہ دھڑکن نہ جگا پائے گا
چھوڑ کر ساتھ بہت ساتھ نبھانے والے
خالی تکیہ بھی ترا نام ہی دھرائے گا
اس نئے خواب کو درکار ہے تازہ سینہ
ورنہ یہ بار پہاڑوں سے نہ اٹھ پائے گا
ایک منظر ہے ہر اک ظاہری منظر سے پرے
زاویہ ٹھیک بدل لو تو نظر آئے گا
تاجرِ عشق ہے امکان کے چوراہے پہ
عالمِ شک میں بہت سوچ کے گھبرائے گا
نوعیت ایک ہے احساس جو سچا ہو رضی
تیرا ہر درد مرے دل میں اتر جائے گا

لمحۂ وصل ہو عطا معبود
کچھ مری سن لے ،کچھ سنا معبود
کون ہوتا ، اگر نہ تو ہوتا
تیرے ہونے کا شکریہ معبود
اُس طرف وہ ہیں اور بھری دنیا
اِس طرف میں ہوں اور مرا معبود
میں نے دیکھا تھا ایک خواب کبھی
کتنی سنگین ہے سزا معبود
لوگ کس طرح دل دکھاتے ہیں
تو نے کل رات کچھ سنا معبود؟
زیرِ وحشت، ہجومِ امکاں میں
اور کرتا بھی میں تو کیا معبود؟
شب ہوئی، خوب شب ہوئی اس شب
دل دکھا ، خوب دل دکھا معبود
اب تو یوں ہے کہ عمر گزرے گی
بے طلبگار و بے صدا معبود
تنہا روتے میں تھک گیا تو مجھے
یوں لگا جیسے رو پڑا معبود
شہرِ عصیاں میں اب بھی ہر رضی
گونجتی ہے تری صدا معبود

متاعِ غیر ہو تم، غیر سے وفا کرنا
کبھی ہمارے لیے بھی کوئی دعا کرنا
دلوں کو توڑنے والے ترا مقدر تھا
اکیلے بیٹھ کر آئینے کو تکا کرنا
کئی دنوں سے یہ ہمت بھی چھن گئی ہم سے
خود اپنے حق میں کوئی حرفِ حق لکھا کرنا
وہ جنگ بین اصول و طلب ہے جس میں ہمیں
ہے لڑنا خود ہی سے،اور خود ہی تصفیہ کرنا
متاعِ درد سلامت، تجھی سے سیکھا ہے
درونِ عشق کھلے دل سے تجزیہ کرنا
تمھارے حق میں بہت فیصلے ہوئے ہیں رضی
تمھاری شان نہیں اس طرح گلہ کرنا

تشکیک کی دنیا میں تیقن کا نشاں ہے
یارب ترے ہونے کی دلالت میری ماں ہے
گو تجھ سے ملی ، پھر بھی وسیلہ تو وہی تھی
اس پیکرِ خاکی کے رگ و پے میں جو جاں ہے
میں شرک سے ڈرتا ہوں مگر تیری کریمی
اور ماں کی محبت میں تسلسل کا سماں ہے
میں کیسے تری بات کی کر سکتا ہوں تردید
الفاظ تیری دین ہیں گو میری زباں ہے
اس بات پہ رونا بھی بہت آیا ہنسی بھی
ڈیڈی کا جہاں نام تھا اب میرا وہاں ہے
وہ حاملِ ناموسِ محبت تھے مگر یاں
چہرے سے تمناؤں کی فہرست عیاں ہے
اک جز ومرا محو ہے پروازِ فلک میں
اور ایک بہت نیچے ڈھلانوں پہ رواں ہے
دنیا نے مگر ایک یہی بات نہ جانی
اس آنکھ میں اک اور بھی تصویر نہاں ہے

اک نام سے وہ چہرہ نکھر جاتا ہے یک دم
اک پل میں معمر ہے وہ اک پل میں جواں ہے
کچھ روز ہیں ، یہ راز چھپا لو تو بھلا ہو
یہ مردِ سکوں ساز بہت سوختہ جاں ہے
تم اُس کو کبھی پورا نہ پاؤ گے مرے دوست
تھوڑا سا یہاں ہے رضی، تھوڑا سا وہاں ہے

یہ کیمیائی عمل سے ابھری کہ چشمِ غارت گراں سے آئی
ہمارے برفیلے موسمِ دل میں یہ تمازت کہاں سے آئی
ہم اپنے خوابوں کا ہاتھ تھامے برائے کسبِ ہنر چلے تھے
یہ درد پہلو میں کیسے اٹھا، یہ تلخیٔ جاں کہاں سے آئی
ہم اپنی بے خوابیوں کے سارے جواز دنیا کو دے چکے تھے
یہ دفعتاً چشمِ آئینہ پھر، سوال بن کر کہاں سے آئی
تمہاری یادوں کے سلسلے کو سلام فطرت کے معجزوں کا
یہ پھول دستِ فلک نے بھیجا، یہ شمع آبِ رواں سے آئی
صبا و موسیقی، رنگ و خوشبو، سب احترامار کے ہوئے تھے
اسی دریچے سے آئے ہیں اب، تمہاری چاہت جہاں سے آئی
غمِ زمانہ ہو یا ترا غم، ہے دونوں باتوں میں فرق اتنا
وہ بات کون و مکاں سے ابھری، یہ روح کون و مکاں سے آئی
گرفتہ حبسِ جان وحشت سے سوئے افلاک دیکھتے تھے
مگر وہ جاں بخش موجِ خوشبو، جب آئی تو آشیاں سے آئی
ہماری سعیٔ خراب تھک کر گری تو منزل قریب تر تھی
قبولیت کی نوید آئی تو کوششِ رائیگاں سے آئی
عجب مراحل ہیں ارتقا کے، تمہاری چاہت کی چڑھتی ندیا
جو آج بڑھ کر یقیں بنی ہے، یہ ابتدا میں گماں سے آئی
رضی کو کارِ عبث مبارک، یہ بستی بستے جو دیکھتے ہو
یہ جو نمو اس میں دیکھتے ہو، یہ کاوشِ رائیگاں سے آئی

اپنوں کو کبھی ہم نے بھلایا بھی نہیں تھا
اور غیر کو سینے سے لگایا بھی نہیں تھا
لو اس کو ہمیں پر ہے گماں ترکِ وفا کا
ہم نے تو کبھی لکھ کے مٹایا بھی نہیں تھا
سادات کی عزت کے محافظ بھی ہمیں تھے
ہم پر کسی ترغیب کا سایہ بھی نہیں تھا
جو حق پہ ہو، ہوتی ہے اسے فتح بالآخر
یہ سوچ کے کچھ تم سے چھپایا بھی نہیں تھا
ہم آبلہ پا دھوپ میں جلتے تھے کھلے سر
سر پر تری دیوار کا سایہ بھی نہیں تھا
اس پھول کو کیوں سونپ دیا بارِ محبت
اس نے تو کبھی بوجھ اٹھایا بھی نہیں تھا

پھر اس سے گلہ کیوں ہے تمھیں کم نظری کا
تم نے تو اسے زخم دکھایا بھی نہیں تھا
دنیا کو نہ جانے کا سبب کیسے بتائیں
تم نے ہمیں دعوت میں بلایا بھی نہیں تھا
اس لفظ کا بھی بوجھ اٹھایا ہے رضی نے
جو لفظ ترے ہونٹوں تک آیا بھی نہیں تھا

کچھ دیر میں اشکوں کو ذرا اور چھپالوں
ان آخری لمحات میں عزت تو بچالوں
پھر تم کو دکھادوں گا میں پندارِ غریباں
بس چند دقیقے میں اکیلے میں بتالوں جاتا ہوں، مرا
سارا چمن تم کو مبارک
دو چار اگر پھول اٹھالوں، تو اٹھالوں
احساس کی یورش بھی ہے اور پاسِ شرف بھی
اب دل کو بچاؤں کہ میں دستار سنبھالوں؟
ہے مرگِ تعلق تری غفلت کا تسلسل
کیا فکرِ جہاں چھوڑ کے بس دل کو سنبھالوں؟
اک وقت تھا بے چین رہا کرتا تھا ہر پل
یہ بات بتا دوں تمھیں ، وہ زخم دکھا لوں
اور آج یہ عالم ہے کہ بس سوچ رہا ہوں
ملنے کے لیے تم سے ذرا وقت نکالوں
اے روحِ غزل اور بڑھا دکھ کی عطائیں
میں سینۂ الفاظ میں دھڑکن تو جگا لوں
کہہ دو یہ فرائض کے تسلسل سے کہ ٹھہرے
کچھ پل دلِ تنہا کے بھی ہمراہ بتالوں
چل دوں میں بس اب کام پہ یار کے پھر اک بار
تکیے کو ہٹا کر تیری تصویر نکالوں
وہ شخص رضی مجھ کو بہت یاد کرے گا
اک بار ذرا اورا سے شکل دکھالوں

کسی کی معذرتوں سے پلٹ نہیں سکتا
جو قطرہ آنکھ سے مژگاں تک آ گیا لوگو

تین شعر

مجھے محبت نے دو دنوں میں کچھ اتنا تبدیل کر دیا ہے
کہ اپنی سوچوں کے آئینے میں، میں خود کو حیرت سے دیکھتا ہوں
مجھے محبت نے شاعری میں نئے سفر کی نوید دی ہے
میں اپنے افکار لکھ رہا تھا، میں اپنا احساس لکھ رہا ہوں
میں وہ شجر ہوں کہ جو اصولوں پہ موسموں سے الجھ گیا تھا
میں سوچتا ہوں اور اپنی شاخوں سے گرتے پتوں کو دیکھتا ہوں

اعتراف کرنا ہے

ٹھہر جاؤ مجھ کو اک اعتراف کرنا ہے
زندگی کی راہوں میں
دل کی رزم گاہوں میں
بے پناہ تنہائی
یا اُچاٹ باہوں میں
میں جو کہتا رہتا تھا
مجھ کو کچھ نہیں ہوتا
زیست کی اِکائی میں
اِس بھری خدائی میں
کھوئے جانے والے کو
اپنی نارسائی میں
میں جو کہتا رہتا تھا
مجھ کو کچھ نہیں ہوتا
روز و شب کے جالوں میں
زندگی کی چالوں میں
بھول کر حسابِ دل
گم خراب حالوں میں
میں جو کہتا رہتا تھا
مجھ کو کچھ نہیں ہوتا
بوجھ تھے جہانوں کے
گھاؤ تھے زبانوں کے
دفعتاً نگل کر تھوک
بیچ میں بیانوں کے
میں جو کہتا رہتا تھا
مجھ کو کچھ نہیں ہوتا
بات سچ یہ ہے بھائی
میرنے بھی کب پائی
ایسی ایک عمارت جو
درد نے نہیں ڈھائی
میں جو کہتا رہتا تھا
مجھ کو کچھ نہیں ہوتا
آج میں یہ کہتا ہوں
ہنس کے درد سہتا ہوں
اور مثلِ ساحر پھر
محوِ یاس رہتا ہوں
میں جو کہتا رہتا تھا
مجھ کو کچھ نہیں ہوتا
تم صحیح سمجھتے تھے
جب چراغ جلتے تھے
ڈھا کے صبر کے پشتے

سیلِ غم نکلتے تھے
میں جو کہتا رہتا تھا
مجھ کو کچھ نہیں ہوتا
ٹھہر جاؤ مجھ کو اِک اعتراف کرنا ہے

DRIFTING WAY*

تم وہ تھے جو مرے جذبات کو پڑھ لیتے تھے
حرف اور نطق کا تو ذکر ہی کیا
جذبہ اس دم مرے احساس تک آتا بھی نہ تھا
تم ہر اک بات کو پڑھ لیتے تھے
ماضی وحال کے حالات کو پڑھ لیتے تھے
دل پہ گزرے ہوئے صدمات کو پڑھ لیتے تھے
آج تیزی سے گزرتے ہوئے تم نے یوں ہی
سرسری پوچھا ہے، کیسے ہو رضی؟
جب سے دل ہے کہ سنبھلتا ہی نہیں
کسی پہلو سے بہلتا ہی نہیں
سوچتا ہوں کہ گزرتے ہوئے لمحوں کا اثر
دل کی دنیا پہ بھی ہو جاتا ہے؟
بحرِ اُلفت سے نکلا ہوا اِک اِک موتی
وقت کے سر پھرے منجدھار میں کھو جاتا ہے؟
دل تمھارا ہی اثاثہ تھا، تمھارا ہے مگر
آج خود اپنی ہی دولت سے جدائی کیوں ہے؟
نارسائی کیوں ہے؟
تم بھی اوروں کی طرح حال مرا پوچھو گے؟
کس طرح گزرا ہے یہ سال مرا، پوچھو گے؟
تم تو وہ تھے کہ جو جذبات کو پڑھ لیتے تھے
حرف اور نطق کا تو ذکر ہی کیا
جذبہ جب تک مرے احساس تک آتا بھی نہ تھا
تم ہر اک بات کو پڑھ لیتے تھے
* دور ہوتے جانا

پنڈورہ بکس

حاملِ رشتۂ بے نام ہم اِک عمر سے ہیں
اب نہ کھولو اسے یہ زیست ہے پنڈورے کا بکس
تھوڑی سی باقی ہے، چپ چاپ گزر جائے گی
میں نے گر محرومی خاموش میں دن کاٹ دیے
اور اظہار کی دنیا سے بہت دور رہا
تم اب ان آخری سالوں میں مصر کیوں ہو کہ میں
اپنے پندار کی تحقیر کا سامان کروں؟
یہ جو اک رشتۂ بے نام رہا، اس کو کوئی نام دوں
اپنی ہی اقدار کا نقصان کروں؟

تم مری آنکھوں سے اِک بار تو دنیا دیکھو
تم کھو دینا بھی اک جبرِ مسلسل تھا مگر
اس سے بڑھ کر تھی تمنا کی مری ارزانی
صرف میں ہی تو نہ تھا مجرمِ خاموشیٔ لب
اس میں شامل تھی تمہاری بھی بہت نادانی
میں اگر پیار کو الفاظ نہیں دے پایا
تم نے بھی کب مرے جذبوں کی تپش پہچانی
حاملِ رشتۂ بے نام ہمیں رہنے دو
بردباری ہی سے ناکام ہمیں رہنے دو
اب نہ کھولو اسے یہ زیست ہے پنڈورے کا بکس
تھوڑی سی باقی ہے، چپ چاپ گزر جائے گی

جانے والے سے سوال

تو آج تم نے بھی کہہ دیا اب جدائی کا موڑ لازمی ہے
یہ بات اوروں سے سن رہے تھے
رموزِ فطرت بھی جانتے تھے
مگر یہ سچ ہے کہ سب دلائل کو جان کر بھی تمہاری باتیں ہی مانتے تھے
ہم اپنے خوابوں میں پل رہے تھے
تمہیں خبر ہے کہ خواب کی زندگی تو اک رات سے بھی کم ہے
ہم اپنی سوچوں میں چل رہے تھے
تمہیں خبر ہے کہ سوچ کی وحشتوں کی گہرائی سے ہی اشعار کا جنم ہے
ہم اپنی یادوں میں جل رہے تھے
تمہیں خبر ہے دُکھے دلوں کا، لبوں کی مسکان میں بھرم ہے
چلو جو ہونا ہے وہ تو ہو گا
تمہیں بتاؤ کہ کانچ زندگی کو ڈگمگانے سے کیسے روکیں
زمیں کے زنداں کو تھرتھرانے سے کیسے روکیں
سماعتوں کو فضول باتوں کے تازیانے سے کیسے روکیں
اُداس آنکھوں میں سارے منظر کو جھلملانے سے کیسے روکیں
شکستہ دل پر ہم آج ضربِ شکست آنے سے کیسے روکیں
دُکھے بدن کو اداسیوں کے گلے لگانے سے کیسے روکیں
خود اپنے رب کی بنائی قسمت کو جیت جانے سے کیسے روکیں
تمام سپنوں کو ٹوٹ جانا ہے، ٹوٹ جانے سے کیسے روکیں

احتجاج

شہر میں چند دھماکوں کی صدائیں اُبھریں
کچھ مکانوں کا مکینوں سے تعلق ٹوٹا
ایک انسان نے ڈرتے ہوئے اوپر دیکھا
اور پھر نیچی نگاہیں کر کے
کام میں ڈوب گیا
کان کے پردے خموشی کی طوالت سے پھٹا چاہتے ہی تھے
کہ اچانک کسی جھاڑی تلے جھینگر کی صدائیں اُبھریں
اور سناٹے کے سیال میں پھر ڈوب گئیں

کس کا غم ہے آج میرے دیدۂ نمناک میں
ہوگیا یزداں بھی شامل، ماتمِ افلاک میں
آج اس کی گود میں ہے کس بدن کا ذائقہ
یہ مزہ پہلے کہاں پایا تھا اس خاک میں
غم کی موج بے کراں، چھائی تو چھاتی ہی گئی
لاکھ ڈھونڈا ہم نے ساحل کشتیٔ ادراک میں
کیا خبر کیا آرزوئے خاکِ زیرِ آب تھی
ورنہ ہمت کی کمی کب تھی ترے تیراک میں
لمحۂ بے ابتلا و ساعتِ بے اضطراب
بعد تیرے ڈھونڈتا ہوں ہستیٔ سفاک میں
گر رہی ہے بوند بارش کی سمندر پر رضی
چھا رہا ہے پھر سحابِ غم دلِ صد چاک میں

اس بے وفا کے مکر پہ فطرت ہے طعنہ زن
غافل سمجھ رہا ہے کہ تہمت سے بچ گیا

سرِ پر شور کو اونچا اٹھا کر لے گئے ہو
پرائی چنچنی نیچے گرا کر لے گئے ہو
ہمارے دل سے کچھ نامہرباں لفظوں کے بل پر
تم اپنی آخری شے بھی اٹھا کر لے گئے ہو
پڑا تھا درمیانِ زیست اک گھمسان کا رن
مبارک ہو، تم اپنے کو بچا کر لے گئے ہو
میں اتنا کر نہیں سکتا ہوں ورنہ پوچھتا تو
کہاں ہے وہ جسے تم آزما کر لے گئے ہو
یہ ساری گفتگو معلوم ہے اس واسطے ہے
کہ کہہ پاؤ کہ سب کچھ تو بتا کر لے گئے ہو
کبھی اسکے بھی دل میں جھانکنا اور تولنا تم
جسے اپنے تئیں اپنا بنا کر لے گئے ہو
کبھی کچھ وزن بھی اسکے ارادوں کو دیا ہے
جسے تم بیچ محفل سے اٹھا کر لے گئے ہو
رضی سے فتح پانے کی تمہیں امید کب تھی
رضی کے پیار کو تیشہ بنا کر لے گئے ہو

دل کا پتھر کبھی پگھلا بھی نہیں تھا تب تک
پر میں اس آگ سے گزرا بھی نہیں تھا تب تک
اک قیامت تھی جو بڑھتی ہی چلی جاتی تھی
میں نے اس کرب کا سوچا بھی نہیں تھا تب تک
میں کہ چاکِ بدن اوروں کے سیا کرتا تھا
اپنے ہی خون میں ڈوبا بھی نہیں تھا تب تک
درد کی لہریں بہت دور تھیں مجھ سے اور میں
ناؤ کی طرح سے ڈولا بھی نہیں تھا تب تک
مجھ کو صدمات پہ ہنس دینا نہیں آتا تھا
صدمہ ایسا کوئی گزرا بھی نہیں تھا تب تک
تب کسی چشمِ تمنائی کا منظر تھا میں
ان ہجوموں کا تماشا بھی نہیں تھا تب تک
شعلۂ عشق فروزاں تھا، تپش رکھتا تھا
میں نے اس کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا تب تک
میں نے دیکھا تو سماعت کے بھی روشن تھے دیے
حرف کا نطق سے رشتہ بھی نہیں تھا تب تک
میں شرابور تھا سر تاپا اسی بادل میں
میرے آنگن میں جو برسا بھی نہیں تھا تب تک
مجھ کو جس خواب کی تعبیر نے سرشار کیا
میں نے وہ خواب تو دیکھا بھی نہیں تھا تب تک
اس زمانے کے خدوخال مجھے ازبر تھے
وہ زمانہ جو گزارا بھی نہیں تھا تب تک
بس کہ ہر بات اضافی تھی کسی نسبت سے
پسِ نسبت کبھی سوچا بھی نہیں تھا تب تک

درونِ ذات کے اصلی معاملے کی طرف
چلو نہ روز مشقت سے رت جگے کی طرف
کبھی تو متن سے ہٹ کر بھی ہم نظر ڈالیں
کتابِ زیست کے رنگین حاشیے کی طرف
نظر ہٹے نہ کبھی اپنے کشفِ ذاتی سے
نظر پڑے نہ کبھی اُن کے تجزیے کی طرف
تمہیں یہ قربِ مسلسل نظر نہیں آتا
نگاہ رہتی ہے تھوڑے سے فاصلے کی طرف
وفا کے سارے تقاضے ہیں پاش پاش مگر
اٹھی ہوئی ہے اک انگشت حوصلے کی طرف
میانِ رزمِ جبلت ، درونِ سنگ زنی
بڑھائے ہیں یہ قدم میں نے تصفیے کی طرف
رکا رہا تیرا پروانہ دیر تک کل شب
نظر جمائے ہوئے مستقل دیے کی طرف

میں جب بھی دیکھتا ہوں رخ بدل کے پیچھے کو
عجیب ہوتا ہے نظارہ سامنے کی طرف
اب اُس کے لہجے سے لگتا ہے اُس نے جان لیا
یہ راستہ بھی نکلتا ہے سانحے کی طرف
بٹی ہوئی تھی محبت سوڈکھ بھرے پاؤں
چلا اٹھا کے وہ اک گھر سے دوسرے کی طرف
گھسٹ رہا تھا وہ اور روکتا تھا ساتھی کو
جو بڑھ رہا تھا تسلسل سے سانحے کی طرف
عجب سوال تھا اس آنکھ میں رضی کل شب
میں مڑ کے چل دیا منزل سے راستہ کی طرف

اب حسن کی نہیں ہے تقدس کی بات ہے
کم ہو تو ہو، وفا کے مگر پیرہن میں ہو

دل کو گم کردہ راہ اس نے کیا
یہ گنہ بے پناہ اس نے کیا
کوئی انسان تھا کہ طوفاں تھا
کیسے مجھ کو تباہ اس نے کیا
میں نے بخشی تھیں منزلیں اس کو
مجھ کو گم کردہ راہ اس نے کیا
میں نے اسکی خلیج غم پاٹی
میرے غم کو اتھاہ اس نے کیا
میں نے اسکی شبوں کو چاند دیے
میرے دن کو سیاہ اس نے کیا
درد پہلے رفیقِ جاں تھا مگر
درد کو بے پناہ اس نے کیا
چاند کا وہ حریف تھا لیکن
چاندنی کو گواہ اس نے کیا
اسکی فطرت میں ضد بہت تھی رضی
کیسے خود سے نباہ اس نے کیا

جب خجل ہونا ہے آخر، تو خفا ہوتے ہو کیوں؟
بے دلیل و تجزیہ یوں لب کشا ہوتے ہو کیوں؟
اتنا گہرا ہے تعلق ، اتنا چھوٹا ہے گلہ
یوں جدا ہوتا ہے کوئی؟ یوں جدا ہوتے ہو کیوں؟
اے مرے تقسیم لمحو، اے مرے کارِ معاش
لمحہء ذاتی پہ وجہِ ابتلا ہوتے ہو کیوں؟
چند لمحوں میں یہ ڈھل جائے گا گہرے پیار میں
عارضی ہے رنج میرا، تم خفا ہوتے ہو کیوں؟

مجھکو کچھ قربِ مسلسل کے سوا آتا نہیں
نارسائی مت سکھاؤ، نارسا ہوتے ہو کیوں؟
اب کسی کی دل نوازی پر بھی دل راضی نہیں
دل کو مانوسِ خلش کر کے دوا ہوتے ہو کیوں؟
جس کو قبلِ قیدِ الفت یاد اک لمحہ نہ ہو
کیوں رہا کرتے ہو اس کو، خود رہا ہوتے ہو کیوں؟
سیکھ لو غیروں سے اب کرنا سلوکِ سرسری
مدعا بس پوچھ لو ، خود مدعا ہوتے ہو کیوں؟

عجیب چپ تھی فضا میں سوال ہونے تک
پھر اس کے بعد میں رویا نڈھال ہونے تک
میں روتے روتے ہنسا ہوں تو بدگمان نہ ہو
مسرتیں ہیں سپردِ خیال ہونے تک
یہ سانحہ تو کچھ ایسا ہے کیا خبر کیا ہو
خود اپنے دل پہ بھروسہ بحال ہونے تک
پھر اسکے بعد کوئی بات میرے بس میں نہ تھی
میں روٹھتا تھا بس اس کو ملال ہونے تک
میں لفظ کا نہیں قائل ہوں، کر گزرتا ہوں
کسی کی آنکھ سے جاری سوال ہونے تک
بدلتا طرزِ تخاطب بہت گراں تھا مجھے
میں بے کہے چلا آیا وبال ہونے تک
جدائی یوں بھی نہیں سہل اور پھر اس سے
عجیب حال تھا میرا یہ حال ہونے تک
میں کیسا سینہ سپر تھا کسی کے آگے رضی
کسی کے زہرِ جفا سے نڈھال ہونے تک

تین شعر

کل ذات سرا میں ٹھہرے ہم، کچھ نئے پرانے لوگ ملے
اک عشق مسلسل ہے اس میں، کچھ اس میں ادھورے پیار بھی ہیں
جب پیار تمہارا ہلکا تھا تو بھاری بات کہی کیوں تھی؟
اب دیکھو ہجر کے درد میں شامل خوابوں کے آزار بھی ہیں
اس یکطرفہ نسبت نے رضی کیا کیا جذبے انعام کیے
اک جیب میں درد کے سکے ہیں اک مٹھی میں اشعار بھی ہیں

استغاثہ

تو تم وہی ہو
جو کل رُتوں پر اُترنے والے عذاب کو اپنے
فدیۂ جاں سے ٹالتے تھے
جو منزلوں کے سفیر تھے اور راستوں کو اُجالتے تھے
گلوئے نازک پہ لگتے تیروں کو بازوؤں سے سنبھالتے تھے
تو تم وہی ہو

اگر وہی ہو تو آ کے دیکھو
زمیں پہ ہنگام جنگ ہے اور کلام حق حرف پُرخطر ہے
سپاہِ اعدا کثیر ہے اور گروہ ایمان مختصر ہے
مگر ہر اک بے نوا مجاہد تمہاری آمد کا منتظر ہے
بہت سے بازو میں رسیاں ہیں
بہت سے سینوں میں برچھیاں ہیں
بہت سے شانے کٹے ہوئے ہیں
مگر سب اک بات کہہ رہے ہیں
ہماری قلت، ہمارے جذبوں کو دیکھ جاؤ
اگر تم ہی ہو تو جلد آؤ

ھل من ناصرٍ ینصر نا

میرے گلشن پہ یہ کیسی یلغار ہے
کارابلیس میں۔۔لفظ کے سحر کو۔۔بے عمل اشقیاء
میرے آنگن میں کب سے بچھاتے رہے
پیار کے نام پر معصیت کے بتوں کو سجاتے رہے
معصیت کا محبت سے کیا واسطہ؟
گندگی کا طہارت سے کیا واسطہ؟
مجھ کو لڑنا بھی ہے
زخمی زخمی بدن کو بچانا بھی ہے
ساتھیوں کی نگاہوں سے غفلت کا پردہ اُٹھانا بھی ہے
کون آئے گا ھل من کی آواز پر؟
زخمی ہونٹوں سے نکلے ہوئے ساز پر؟
وہ منافق ہیں، لفظوں کے سردار ہیں
پر عمل کے دبستاں میں بیکار ہیں
المدد اے خدا، اے خدا المدد
جھوٹ تو جھوٹ ہے
سچ کے آگے کہاں تک ٹھہر پائے گا
چند لمحوں میں یہ رات کٹ جائے گی
چند لمحوں میں سورج نکل آئے گا
آنکھ دیکھے گی جھوٹوں کے انجام کو
سچ کے پیغام کو
چند لمحوں میں نقشہ بدل جائے گا
ہاں مگر کیا پتہ
چند لمحوں میں شاید رضی کا اُکھڑتا ہوا دم نکل جائے گا

استفسار

یاد ہے اپنی چاہت کے آغاز میں
میں نے تم سے کہا تھا
پیار کی یوں تکمیل کبھی ہوتی ہی نہیں
جب تک اس میں عنصر اعتماد نہ شامل ہو
تم نے بھی اثبات میں سر کو جنبش دی تھی
پھر تم نے کیوں
آج مری چاہت کے سینے میں
تشکیک کا خنجر گھونپ دیا ہے؟

کبھی کے جا چکے ہو تم

کبھی کے جا چکے ہو تم
مگر وہ لمحہ وارفتگی بیتا نہیں اب تک
ابھی تک تو رگ و پے میں تمہارا لمس باقی ہے
ابھی جو تولیے میں بو رچی ہے، وہ تمہاری ہے
ابھی آنکھوں میں جو صورت بسی ہے، وہ تمہاری ہے
مرے تکیے کی زینت کچھ تمہارے بال ہیں اب تک
کبھی کے جا چکے ہو تم
(نجانے کیوں دلوں کی بات ذہنوں کیلئے انجان رہتی ہے)

کل سے آج تک ایک سفر

وہ بھی اک دن تھا رضی
میرے قالب پہ محبت کا فسوں طاری تھا
اور نگاہوں میں تقاضوں کا عمل جاری تھا
ہونٹ ملتے تھے مگر حرف بہت بھاری تھا
آج ابلاغ کا عالم یہ ہے
دل میں جو آتا ہے وہ ہونٹوں پہ آ جاتا ہے
جذبہ کچھ لمحوں میں الفاظ میں ڈھل جاتا ہے
حرف ناوک کی طرح لب سے نکل جاتا ہے
سو مری جان بتاؤ تو سہی
راتیں انکار کی بہتر تھیں کہ اقرار کے دن؟
وہ خموشی بہت اچھی تھی کہ اظہار کے دن؟
حرف کے شعر کے اور غزلوں کے انبار کے دن؟

نارسائی رہ گئی ہے ، نا رسا ہونے کے بعد
ساکنِ شہرِ خموشاں سے جدا ہونے کے بعد
مطمئن سانسوں کو میں نے مضطرب پایا بہت
ایک دن کچھ رفتگاں کا تذکرہ ہونے کے بعد
ہے جلو میں سانحے کے اک فرائض کا ہجوم
روؤں گا میں ہر فریضے کے ادا ہونے کے بعد
پیش بینی کچھ نہ کچھ تو تھی مگر کچھ بھی نہ تھی
یہ کھلا اس سانحہ کا سامنا ہونے کے بعد
تشنگی آرزو میں بھی ادب ملحوظ ہو
سجدہ تسلیم بھی کر لو دعا ہونے کے بعد
کیا قناعت کا سمے تھا، کیا توکل کی گھڑی
ایک مدت تک سراپا مدعا ہونے کے بعد

اک عجب شانِ فقیری تھی ترے بیمار میں
بے صدا ہونے سے پہلے ، باصفا ہونے کے بعد
ایک مشفق گود میرا بھی مقدر ہے رضی
زیست کے سفاک لمحوں سے جدا ہونے کے بعد

بیتتے وقت کی اک چال کو چلنے نہ دیا
تیری ممتا نے ترے حسن کو ڈھلنے نہ دیا
تجھ سے بڑھ کر ترے احساسِ رفاقت نے ہمیں
صحنِ ترغیب میں آ کر بھی پھسلنے نہ دیا
محرمِ موسمِ دل داد ادب دے ہم کو
حرف شکوے کا کبھی منہ سے نکلنے نہ دیا
دل ہمارا کہ مچلنے میں بہت ماہر ہے
دل کو بھی تیرے حریفوں پہ مچلنے نہ دیا
پھول سے بچوں کا تھا بار گراں بھی اس میں
دوسرے شخص کا پلڑا کبھی ڈھلنے نہ دیا
اپنے بچوں کے لیے اتنا تو کر سکتا تھا
کہ کبھی لقمۂ مشکوک پہ پلنے نہ دیا
زعمِ پیرا کی تھا، دن بھی تھے جوانی کے رضی
موجۂ زیست نے پر ہم کو سنبھلنے نہ دیا

گرچہ ہر نقشِ کہن درپئے بیداد بھی ہے
جب تلک سانس ہے سینے میں تری یاد بھی ہے
ہے سرِ کوچۂ تنہائی یہی رازِ حیات
تو سرِ بزم یونہی شاد بھی آباد بھی ہے
میری آنکھوں کے نوشتے کو پڑھا ہے تو نے؟
اس صحیفے میں ترے عشق کی روداد بھی ہے
کیسا مجموعۂ اضداد ہے الفت میں وہ شخص
جو مسیحا بھی ہے، ناصح بھی ہے، صیاد بھی ہے
پیش بینی بھی ہمیشہ نہیں ہوتی اے دوست!
اب کے علم تھا قسمت میں یہ افتاد بھی ہے
درد ایسا کہ ہر اک رگ میں ہے طوفاں بپا
اور انا ایسی کہ جو مانعِ فریاد بھی ہے
اے دلِ زود فغاں تو نے بتایا تو نہیں
اس خموشی میں کوئی ان کہی روداد بھی ہے
اب بھی اک شخص ترے نام پہ زندہ ہے رضی
جو ترے فیض سے تنہا بھی ہے، برباد بھی ہے

گو اب کے آرزوؤں کا حملہ بلا کا ہے
اک باوفا کو پاس بھی عہد وفا کا ہے

جھولی میں اہل عشق کی ہے مال و زر کہاں
بس اک خدا کا نام ہے ، وہ بھی خدا کا ہے
میں انتہا پسند بھی اک خاص حد میں ہوں
وہ معتدل مزاج مگر انتہا کا ہے
دن دوستوں کا ، رات عزیزوں کی ہے مگر
راتوں کا ایک پہر کسی بے وفا کا ہے

صبا کی، پیڑ کی، شاخوں کی، دسترس میں نہ تھی
مہک گلوں سے اٹھی تھی، گلوں کے بس میں نہ تھی
بہت عجیب تھی، میرے مفاد کی خاطر
زیاں بھی اسکا اگر تھا تو پیش و پس میں نہ تھی
وفا سے ہٹ کے کوئی شے جو کائنات میں ہو
وہ اسکے گوشہ دل میں نہ تھی نفس میں نہ تھی
خود اس نے پہنی تھیں الفت کی بیڑیاں ورنہ
مرے وجود کی مالک تھی وہ قفس میں نہ تھی
رضی کی دردشناسی، رضی کی چارہ گری
کسی کے بس میں نہیں ہے، کسی کے بس میں نہ تھی

زخموں کی کمی سے وہ پشیمان بہت ہیں
اتنے ہی میں میں خوش ہوں مری جان، بہت ہیں
یہ شہرِ دل اہل تمنا ہے یہاں کا
مالک تو فقط ایک ہے، مہمان بہت ہیں
محفل کی چکا چوند میں کچھ خواب صفت لوگ
اندر سے کبھی دیکھو تو ویران بہت ہیں
افلاک پہ، پرواز پہ، آشفتہ سری پہ
کچھ ہے جو طیور آج بھی حیران بہت ہیں
کیا پھینکیں گے ہم آپ کی دہلیز پہ کنکر
ہم لوگ تو دم لینے سے ہلکان بہت ہیں
کیوں ہم کو بناتے ہو کسی خواب کی تعبیر
ہم اپنے ہی خوابوں سے پشیمان بہت ہیں
وحشت سے رضی کی وہ گریزاں بھی بہت تھے
پتھر جو بنا ہے تو پریشان بہت ہیں

ایسی ہی بے گانگی تھی ، تو نظر ملتے ہی کیوں
زلزلہ سا اس کے چشم و جسم میں برپا ہوا

وہ قصیدے سرِ بازار سنائے جائیں
سچ کی اور جھوٹ کی تفریق مٹائے جائیں
مرگِ یک لحہ نہیں سوزِ مسلسل سے سوا
آ غمِ ہجر تری عمر بڑھائے جائیں
شاملِ زیست ہوا جاتا ہے احساسِ زیاں
اب حسابوں کے بکھیڑے نہ اٹھائے جائیں
جسم و جاں راکھ ہوئے جاتے ہیں جل کر اے دل
ہم کہاں تک تری وحشت کو نبھائے جائیں
جانے کس لمحے یہ میثاق ہوا تھا ان سے
ہم چنیں خواب کی دیوار، وہ ڈھائے جائیں
اے دلِ زود فغاں، گردشِ افلاک کی خیر
تجھ کو کیا علم کہاں تک ترے سائے جائیں
ہیں کہیں خواب جو اغیار سے محفوظ رہے؟
اور مل جائیں تو یاروں سے چھپائے جائیں

تین شعر

اے لذتِ حیات بھلا ہم بھی کیا کریں؟
جی چاہتا نہیں کہ بہت خوش ہوا کریں
اور یہ بھی ہے محال کہ اس کیفیت کے ساتھ
جیسے زمانہ جیتا ہے ویسے جیا کریں
پانے کو بھی بہت ہے گنوانے کو بھی بہت
دل ہی مفاہمت پہ نہ مانے تو کیا کریں ؟

تضاد

مگر تم راحتِ دل ہو
میں اک بیمارِ شب ہوں اور تم صبحِ گریزاں ہو
مگر تم راحتِ دل ہو
مگر تم نغمۂ جاں ہو
تمھاری یاد سے وابستہ تلخی بھی حقیقت ہے
تمھارے ہاتھ سے منسوب گھاؤ بھی صداقت ہیں
مگر اے شعلہ و شبنم کے سنگم
مگر اے حرفِ ذو معنی
مگر اے نقشِ دو پہلو
نہ ہونے سے گلستاں جس کے ویراں ہے
وہی فصلِ گلستاں ہو
نہ ہونے سے نشیمن جس کے مدفن ہے
وہی اسرارِ پنہاں ہو
تمہی تو راحتِ دل ہو
تمہی تو نغمۂ جاں ہو

مجھے ہارنا تم نے سکھایا ہے

عدو سے دیدہ و دانستہ مجھ کو ہارنا تم نے سکھایا ھے
میں ایسا اک کھلاڑی تھا
جو جسم و جاں کی ساری سختیوں سے کھیلتا تھا، جیت جاتا تھا
عدو کی ہمتوں کو انتہا تک آزماتا تھا
مخالف شخص کی آہوں کو سن کر مسکراتا تھا
میں ایسا اک کھلاڑی تھا
مجھے پروا نہیں تھی
مجھے پروا نہیں تھی ہارنے والے پہ کیا گزری
مری جیتوں پہ خوشیاں وارنے والے پہ کیا گزری
مرے مفتوح پر، دل مارنے والے پہ کیا گزری
کھلاڑی ہارتا جائے تو سب کچھ کھو بھی سکتا ہے
یہ غم اک دل میں تخمِ نا امیدی بو بھی سکتا ہے
دلِ انساں کسی زد سے شکستہ ہو بھی سکتا ہے
مجھے پروا نہیں تھی
تمھارا فیض تھا جاناں
عداوت کو محبت میں بدل دینے کی مجھ کو جرأتیں بخشیں
چٹانی فطرتوں کو سبزۂ نوخیز جیسی خصلتیں بخشیں
نگاہوں کو پس فتحِ مسلسل دیکھنے کی عادتیں بخشیں
دلِ آہن کی ٹھنڈک ختم کر کے حدتیں بخشیں
لبوں کو مسکراہٹ بخشنے کی لذتیں بخشیں
تمھارا شکریہ جاناں
مجھے اب جیت سے بڑھ کر محبت آدمی سے ہے
خود اپنی عاجزی سے ہے
عدو کی زندگی سے ہے
تمھارا شکریہ جاناں
مجھے یوں ہارنا تم نے سکھایا ھے
مجھے یوں ہار کر بھی جیتنا تم نے سکھایا ھے

نئی سمت کا پتھر

آج کس راہ سے آئی ہے ہوا صدمے کی
حوصلہ ریت کی دیوار ہوا جاتا ہے
تاب لانا کہ رہا شیوۂ عشاق مگر
تاب لانا بھی تو دشوار ہوا جاتا ہے
تم یہ کہتے ہو کہ اظہارِ حقیقت کیوں ہے؟
جذبۂ شوق کو لفظوں کی ضرورت کیوں ہے؟
مسلکِ عشق میں یہ کارِ شکایت کیوں ہے؟
صفحۂ چشم میں تصویرِ اذیت کیوں ہے؟
دامنِ زیست پہ آنسو کی عبارت کیوں ہے؟
کیسا بھی حال ہو، ظاہر میں یہ حالت کیوں ہے؟
مجھ کو سب جان کے بھی کچھ نہیں جانا تم نے
یہ شناسائی تھی یا زیست کے صحرا کا سراب؟
تم کہ مقدار ہی کو پوری حقیقت سمجھے
تم کو تو ایک لگیں آب و لہو، خار و گلاب
جو شناسائے تہِ بحر ہے، اس سے پوچھو
تم کو کیا علم کہ کیا سیپ ہے کیا موتی ہے
اے مرے دیدۂ نمناک پہ ہنسنے والے

بات پتھر کی نہیں، سمت کی بھی ہوتی ہے
اے مرے رب تو سمیع، اتنا سمیع، اتنا سمیع
استغاثوں کی غریبوں کے پذیرائی کر
جو مرا حامی و ناصر تھا، اُٹھایا تو نے
اب تو خود آ کے مرے دل کی مسیحائی کر
اے مرے لفظ میں احساس سمونے والے
جو نیا درد ہے سینے میں، اُسے کیسے لکھوں؟
اے مجھے حوصلہ ہر ضرب پہ دینے والے
جو نئی سمت کا پتھر ہے، اُسے کیسے سہوں؟

نشانِ قدم

اے نشانِ قدم
تو کہ پُل ہے مرے دوش و امروز میں
یہ وجود حزیں
کل تلک آرزوؤں سے روشن تھا جو
آشنا ذائقوں، رنگ و خوشبو سے معمور گلشن تھا جو
نغمہ و ساز کی والہانہ صداؤں کا مسکن تھا جو
اتنے سے وقت میں کیا سے کیا ہو گیا
درد کے سلسلے
ایک کے بعد اِک
دل میں اپنا نشیمن بنانے لگے
ذائقوں، خوشبوؤں، رنگ و نغمات کے
قافلوں کے پڑاؤ اُٹھانے لگے
وقت کی سیل میں
زندگانی کا ذوقِ نمو بہہ گیا
سارے رخصت ہوئے
پاس میرے فقط ایک تو رہ گیا
اے نشانِ قدم

زندگی

قبر سے وابستہ پھولوں سے منہ مت پھیرو
ان کے رنگ میں، ان کی بو میں اُلفت کے انبار لگے ہیں
شہرِ خموشاں کی گلیوں سے مت کتراؤ
ان تاریک خرابوں میں بھی چاہت کے دربار سجے ہیں
میں اپنی زندہ سانسوں کی قسمیں کھا کر آج گواہی دیتا ہوں کہ
میں نے اِک مردہ چہرے کے چاروں اور رکھے پھولوں میں
ایسی خوشبو ایسی تازگی دیکھی تھی
جو سہرے کے پھولوں سے بڑھ کر زندہ تھی

نظر میں خواب تھے اور ہاتھ میں نوالہ تھا
مرے کسان کے رخ پر بڑا اجالا تھا
تماش بین نظر کو خبر ہی کیا کہ ابھی
گزر گیا ہے جو جاں سے گزرنے والا تھا
وہ ایک لحظہ عقدہ کشا تھا جس کے بعد
مرے مزاج کا موسم بدلنے والا تھا
مرا ہوا تو گلستانِ رنگ رنگ ہوا
اگر چہ وہ کئی صدیوں سے دیکھا بھالا تھا
وہ زاویہ تھا ہماری نگاہ کا جس نے
بدن کو شاخ میں رخ کو گلوں میں ڈھالا تھا
زبان چپ تھی مگر آنکھ بولتی تھی رضی
فقط حیا نے اسے پیش و پس میں ڈالا تھا

دلِ صد چاک میں ٹانکے لگا لیتے تو اچھا تھا
کسی دعوے سے پہلے آزما لیتے تو اچھا تھا
تمہاری زلف کے سائے گریزاں تھے گریزاں ہیں
خود اپنی گود میں سر کو چھپا لیتے تو اچھا تھا
جسے ہم رنج اور اندوہ کا موسم سمجھتے تھے
اسی موسم میں کھل کر مسکرا لیتے تو اچھا تھا
جہاں قسمت کی دیوی تھک کے گہری نیند سوتی ہے
وہیں خواہش کے جذبے بھی سلا لیتے تو اچھا تھا
بچا لائے تھے جس سوزِ دروں کو اک زمانے سے
اسی کی آگ سے دل کو جلا لیتے تو اچھا تھا

یادوں کی یورشوں سے مبرا نہیں رہے
بچھڑے تو ایک روز بھی تنہا نہیں رہے
لیکن کسی کو کیسے بتائیں کہ پچھلے سال
ہم کیا بھرا وجود تھے، ہم کیا نہیں رہے
ہر شے سے کچھ نچوڑ گیا ہے ترا فراق
سانسوں میں بھی حیات کے اجزا نہیں رہے
ہم سینہ چیرتی ہوئی خواہش سے کیا کہیں
تم دید کے لیے بھی مہیا نہیں رہے
ہم ڈھونڈتی نگاہوں کی وحشت کا کیا کریں
ہونٹوں پہ لاکھ حرفِ تمنا نہیں رہے
لائیں کہاں سے ہم کوئی مانوس ثانیہ
دن ہوں کہ رات ہم سے شناسا نہیں رہے
ہم کو ملا تو اترِ غم میں سکونِ ذات
ہم اس قدر لٹے کہ تماشا نہیں رہے
تھے ساتھ تو دوئی کا تصور محال تھا
بچھڑے تو یوں کہ جیسے شناسا نہیں رہے
ہم بے نیازِ چشمِ زمانہ رہے مگر
ہم اندرونِ ذات تو رسوا نہیں رہے
اب اس دعا کا کرب بتائیں کسے رضی
یارب کوئی جہاں میں اکیلا نہیں رہے

تم عام سا چہرہ تو زمانے کے لیے ہو
اور خاص، فقط مجھ کو دکھانے کے لیے ہو
یہ ہاتھ تمہارا جو ہے، یہ ہاتھ تمہارا
یہ ہاتھ فقط میرے سرہانے کے لیے ہو
رخصت کا وہ ہیجان وہ آنسو وہ نگاہیں
اے کاش یہ سب لوٹ کے آنے کے لیے ہو
ترکِ ملاقات کی تلقین مسلسل
ممکن ہے کہ شعلوں کو بڑھانے کے لیے ہو
تو اپنی اداؤں کو اب اتنا بھی نہ کر عام
اک آدھ تو بس مجھ کو منانے کے لیے ہو
اے محرمِ دل! تیرے لیے، تجھ سے بھی اک بات
شاید میرے سینے میں چھپانے کے لیے ہو
شاید کہ مرے دل میں تیرے پیار کا تیشہ
اغراض کے اصنام گرانے کے لیے ہو
توہینِ محبت بھی ہے، توہینِ وفا بھی
دیکھے کا تعلق جو زمانے کے لیے ہو
یارب مرے بچپن کی طرح ماں کا مرے ہاتھ
مجھ کو غمِ دنیا سے بچانے کے لیے ہو

سارے تیور تھے فضاؤں میں بدلتی رت کے
وہ نہیں سمجھا کہ جس نے نہ سمجھنا چاہا
تھا وہ پتھر مگر اثنائے سفر میں اس نے
اک گھڑی ایسی بھی آئی کہ پگھلنا چاہا
سوچ سکتے ہو کہ اِس دل کے مکیں نے ہم سے
ابتدا میں تو تکلف بھی برتنا چاہا
ہم بھی مجبورِ وفا اتنے مکمل، اب ہیں
ابتدا میں تو، حقیقت میں سنبھلنا چاہا
اس پرندے کو تو پنجرہ ہی نشیمن تھا رضی
جس نے در کھلنے پہ باہر نہ نکلنا چاہا

خندہ زن تھے ہر غم پر، ہم کسی زمانے میں
اور اب تو شاداں ہے، ہر خوشی رلانے میں
دوستوں سے کیا رنجش، دشمنوں سے کیا شکوہ
خود حیات کوشاں ہے آج دل دکھانے میں
آگ کیوں نہیں بجھتی، چین کیوں نہیں ملتا
کیوں سحر نہیں ہوتی آج آشیانے میں

روز ڈھونڈتا ہوں میں وجہیں بے وفائی کی
روز ہار جاتا ہوں کچھ جواز پانے میں
ماسوائے چشمِ نم کل وجود کوشاں تھا
آبرو بچانے میں، آرزو گنوانے میں
جی کڑا کرو اک دن اس فقیر سے پوچھو
کیسے جی رہے ہو تم آج کے زمانے میں
ڈر ہے ایک روح پاک، آئے اور یہ کہہ دے
یہ کبھی نہیں ہوتا تھا مرے گھرانے میں
وقت نے سکھایا تھا، مشق نے مہارت دی
زور کچھ نہیں لگتا، اب تمھیں جتانے میں

تین شعر

وفا شناس بھی تھے ہم وفا طلب بھی تھے
لہٰذا اخندۂ احباب کا سبب بھی تھے
ہماری لاش تھی تاریخ کی فصیلوں پہ
ہم اہل درد بھی تھے حامل نسب بھی تھے
نہ جانے کیا مرے کم گو کو ہو گیا کہ وہ لفظ
جو زیرِ لب تھے ہمیشہ، وہ زیبِ لب بھی تھے

سوئمبر

یہ لمحہ سچ کا لمحہ ہے
محبت کرنے والوں کو یہ لمحہ جھیلنا ہوگا
یہ ساعت دکھ کی ساعت ہے
اسے تقدیر کی بازی سمجھ کر کھیلنا ہوگا
یہ ایسی راہ ہے جس میں
تساہل راہ میں آ جائے تو رستہ نہیں ملتا
اگر آئینہ مل بھی جائے تو چہرہ نہیں ملتا
کتابِ دل میں اس الجھن کا حل لکھا نہیں ملتا
تمھیں میں اپنا جزوِ دل سمجھتا تھا
تمھارے ہاتھ میں کل ہار ہوگا اور طلب گاروں کی صف
آرائیاں ہوں گی
کل اپنی عرضیاں آنکھوں میں لے کر جمع ہوں گے سب
بدن کے ولولے ہر حرکت مو سے عیاں ہوں گے
وہاں پر میں نہیں ہوں گا
تمہاری آنکھ کا اس لمحے منظر، میں نہیں ہوں گا
تمھارے ہاتھ کے پھولوں کا محور، میں نہیں ہوں گا
جہاں اپنے پرائے ہوں برابر، میں نہیں ہوں گا
تمنائی اکٹھے ہوں جہاں پر، میں نہیں ہوں گا
نہیں ہوں گا وہاں پر زندگی بھر میں نہیں ہوں گا
عجب میری محبت ہے
تمھارے پیار کے جادو سے آنکھیں جگمگاتی ہیں
تمھارے عشق کی طاقت سے میرا دل دھڑکتا ہے
مگر اے بے خبر میرے
میں اپنے زخمی خوابوں کو لیے چپ چاپ گھائل ہوں
طوافِ کوچۂ جاناں میں تنہائی کا قائل ہوں
محبت میں تقابل پر میں مائل تھا نہ مائل ہوں
تمھارے در پہ مثلِ غیر، سائل تھا نہ سائل ہوں
مجھے افسوس ہے جاناں
تمھیں پانے کی خاطر بھی اصولوں سے بغاوت ہو نہیں سکتی
مرے ہاتھوں سے یوں توہینِ الفت ہو نہیں سکتی
مجھے آئینے سے ایسی عداوت ہو نہیں سکتی
محبت کی قسم ایسی محبت ہو نہیں سکتی
وہاں پر میں نہیں ہوں گا

تجدید

تو پھر تم نے کہا تھا جو بھی کچھ تم نے کہا تھا
تو تم ہونٹوں سے نکلی بات کے ایسے دھنی ہو
تمہارے دل میں گویا اتنی طاقت ہے کہ تم
اس گردِ ماہ و سال کو قرطاسِ الفت پر نہ جمنے دو
سو تم اب بھی وہی کہتے ہو جو تم نے کہا تھا
اگر ایسا ہے تو اِن بردباری کے غلافوں کو اُتاروں میں
مرے دل میں رکھا برگِ تمنا زرد ہوتا جا رہا ہے
اسے سینچوں سنواروں میں
تقاضا ہائے فطرت اور میرے بیچ جو بازی جمی ہے
اگر کہہ دو تو ہاروں میں
کئیں خودساختہ باڑیں تو روٹھے یار مل جائیں
نہیں ملتے ہیں بچھڑے دل مگر اس بار مل جائیں
خودی کو بھول کر اس بار دو خوددار مل جائیں

تشویش

مری آنکھوں میں بحرِ بے سکونی موجزن ہے
مگر اس کا سبب اس شب کی تاریکی نہیں ہے
مجھے معلوم ہے شب کو تو بالآخر گزرنا ہے
میں آئینے میں اپنی آنکھ میں تشویش کے سائے لرزتے
دیکھتا ہوں
مگر اس کا سبب سورج کا گم ہونا نہیں ہے
مجھے معلوم ہے سورج کو بالآخر نکلنا ہے
مری تشویش کا سارا تعلق اندرونِ ذات سے ہے
میں بس یہ چاہتا ہوں
کہ آنے والا سورج پا کے میرے حوصلے میں آنچ نا آئے
کہیں ضربِ مسرت سے مرا ظرفِ توکل ٹوٹ نا جائے

بجنگ آمد

تمہاری مہربانی کے تسلسل کا یہ دل ممنوں بہت ہے
عجب شے ہے یہ قسمت بھی
کہ اس نے مجھ کو یہ موقع نہیں بخشا کہ میں یہ مہربانی
شکریے کے ساتھ لوٹا دوں
تمھیں احساں سے مطلب تھا
تمہارا کیا چلا جاتا یہی احساں کسی کے ساتھ کر لیتے
مگر حالات سے مجھ کو یہ کہنے کی اجازت ہی نہ مل پائی
(نہ جانے کیوں مری ممنونیت اتنی نہیں ہوتی
کہ میں وہ لفظ سن کر دل نہ دکھنے دوں
جو تم محفل میں کہتے ہو)
تمہارا دل کی گہرائی سے میں ممنون ہوں لیکن
بس اب اک آخری احسان بھی کر دو
نیا احساں اور اسکے ساتھ پیکیج میں جڑے الفاظ اب
اوروں کو دے آؤ
جو پھر ہونا ہے ہو جائے

اضدادِ ترجیحات

تو یہ کہتا ہے نئی زیست کا آغاز کروں
تو ذکرِ عہدِ کہن عقل کا در باز کروں
اپنے بے سود جنوں کو نظر انداز کروں
تو یہ کہتا ہے کہ اب اس میں قباحت کیا ہے؟
شہرِ اعداد میں خوابوں کی حقیقت کیا ہے؟
کوچۂ زر میں اَنا کیا ہے، حمیت کیا ہے؟
میں یہ کہتا ہوں مجھے اس کی ضرورت کیا ہے؟
طالبِ درد کو مرہم کی بشارت کیا ہے؟
مسلکِ عشق میں شعلوں کی تمازت کیا ہے؟
میں تقابل کا نہ قائل تھا نہ قائل ہوں مگر
میں نے جس طور تجھے چاہا تھا
وہ ترے ظرفِ محبت سے بہت بڑھ کر تھا
اے مری جاں کے مسافر، مرے خواب
تو بگولا تھا بھنور تھا کہ سراب
موجبِ قہر تھا یا میری دعاؤں کا جواب
صرف اِک سطر تھا یا پوری کتاب
تجھ کو میں پھر بھی نظر انداز نہیں کر سکتا
اک نئی زیست کا آغاز نہیں کر سکتا

پھر آ رہی ہے خیالوں میں وہ صدا میرے
بچا لے مجھ کو اذیت سے اے خدا میرے

لہو کی موج میں آثار ہیں کہ آج کی شب
رکے گا در پہ اذیت کا قافلہ میرے
تجھے خبر ہی نہیں درمیانِ فصلِ بہار
چمن اجڑتے رہے دل میں بے وفا میرے
کہاں سے لاؤں میں وہ لفظ، کیسے شعر کہوں
کسے بتاؤں رضی دل نے کیا کیا میرے

شکست دل ہی جہاں کا اصول ہو جیسے
تمام علم و فضیلت، فضول ہو جیسے
وہ بے حسی کی نظر یوں اٹھی سوئے اغیار
ترے بغیر اسے سب قبول ہو جیسے
فقیرِ شب کی دعاؤں سے ایسا لگتا تھا
یہ کائنات بھی قدموں کی دھول ہو جیسے
غمِ حیات سمیٹے کل اس طرح میں نے
پرانا قرض کسی کو وصول ہو جیسے
گرا بھی گر سرمیداں تو یوں گروں گا میں
مرا بدن مرے خوابوں کی دھول ہو جیسے
عجیب لب تھے عجب طرزِ گفتگو تھا رضی
سخن میں مقصدِ ربی شمول ہو جیسے

ہم اپنے دل کی سنتے تھے عمل کرتے نہیں تھے
مگر اب تو یہ اس کی آنکھ نے بھی کہہ دیا ہے

جب اس نے بیچ میں رستہ بدل لیا ہے رضی
تو پھر پلٹ کے وہ کیوں روز دیکھتا ہے رضی
رکا نہیں کسی چھت پر سحابِ امکاں یوں
تمہاری چھت پہ بہت دیر تک رکا ہے رضی
درِ عطا پہ جبیں ہے کہ سنگِ در ہے کوئی
کہ عاصیوں کو عطاؤں کا آسرا ہے رضی
جو لمحہ عمرِ گزشتہ کا لوحِ تربت ہے
وہ باقی ماندہ ہستی کی ابتدا ہے رضی
یہ کون محوِ تماشا ہے میرے لٹنے پر
یہ کون اجنبی نظروں سے تک رہا ہے رضی
یہ شخص کیسا مسیحا ہے میرے زخموں کا
جو خالی خالی نگاہوں سے دیکھتا ہے رضی
یہ کس کے ہاتھ میں پرچم ہے میرے قاتل کا
یہ کس کے دوش پہ لوٹی ہوئی ردا ہے رضی
کوئی بتا دے کہ وہ دیدئی نظر کا فریب
کوئی یقین دلا دے وہ با وفا ہے رضی

یہ کوئی اور ملا ہے مرے حریفوں سے
صفِ عدو میں جو خنداں ہے، دوسرا ہے رضی
کوئی تو مجھ کو دلا دے متاعِ گم گشتہ
وہ اعتماد کا جوہر جو چھن گیا ہے رضی

وہ حرفِ حق ہے، تیقن کا ترجمان بھی ہے
مگر یہ دل ہے کہ کچھ اس سے بدگمان بھی ہے
اسی کے دل میں ترازو ہے میری تیغِ جنوں
اسی کے سر پہ میرا سایہء امان بھی ہے
اسی کی ذات ہے دستِ مسیح کا مرہم
اسی کی وحشتِ دل ،تیرِ بے کمان بھی ہے
اضافتوں میں گھرے ہیں معاملے دل کے
جو لمحہ عینِ حقیقت ہے وہ گمان بھی ہے
ہماری سوچ کے مرکز بہت ہیں، تم بھی ہو
ہمارا گیان پسِ حلقہء گمان بھی ہے
شبِ فراق میں لمبی ریاضتیں کی تھیں
جبھی عروسِ غزل ہم سے شادمان بھی ہے
چلے تو ہیں رضی،ان دیکھے ذائقوں کی طرف
مگر خیال میں ناموسِ تشنگان بھی ہے

ٹوٹ کر اک عمر سے مجھ سے ملا تو بھی نہیں
بے وفا میں ہوں تو فطرت آشنا تو بھی نہیں
ایک وقفہ ہے تسلسل میں متاعِ درد کے
دردِ ہجراں کی مگر شافی دوا تو بھی نہیں
اے مرے مشکوک فطرت دوست! میرا دل بھی دیکھ
میرے دل سے بڑھ کے تیرا ہمنوا تو بھی نہیں
تیری خواہش بس تری خواہش نہ تھی کچھ اور تھی
تجھ کو کھو دینے کی وحشت کا صلہ تو بھی نہیں
آج کاغذ دیکھ کے حیراں ہوں محوِ فکر ہوں
جانے کل کس حال میں میں نے لکھا "تو بھی نہیں"
لاابالی پن کو عصیاں کہہ کے میرا منہ نہ کھول
میں اگر انساں ہوں تو ایسا خدا تو بھی نہیں
میں تری خودساختہ فرقت سے واقف ہوں رضی
تو اگر چاہے تو ایسا نارسا تو بھی نہیں

نظر سے خود کو کبھی اس طرح گرایا نہیں
عجیب درد تھا میں آہ روک پایا نہیں
زمانے بھر میں سہی آپ سے جفا پیشہ
زمانے بھر کو مگر ہم نے آزمایا نہیں

اب اس سے شکوہٗ رسوائی کیا کریں، اس نے
جو بار اٹھ نہ سکا تھا اسے اٹھایا نہیں
ہم ایک صاحبِ عزت تھے اس سے ملنے تک
وہ جان پایا نہیں ہم نے بھی بتایا نہیں
یونہی گزر گیا اس بار یومِ سالگرہ
سبھی کو یاد رہا، اس کو یاد آیا نہیں
جنون تابعِ حق گوئی ہے سو ہم نے رضی
درونِ عشق بھی سچ کو کبھی چھپایا نہیں

نیاز مند وا! یہ بے نیازی عجب صفت ہے
سوال رکھا،تو اس صفت کا سوال رکھنا

ہجر کی دو صدیوں کے بیچ میں وصل کا لمحہ آتا ہے
اور یہ لمحہ بھی درد کی لو کچھ اور فزوں کر جاتا ہے
جب سورج بجھنے لگتا ہے اور آنکھیں جلنے لگتی ہیں
تب نقش ابھرنے لگتے ہیں اور اک چہرہ بن جاتا ہے
اک ایسی آگ بھی ہوتی ہے جو بارش میں بڑھ جاتی ہے
یہ آگ لہو میں لگتی ہے اور لہو غزل لکھواتا ہے
اس آئینے میں دو چہرے تھے،اس آئینے میں اک چہرہ ہے
اور وقت کی گرد کی سازش سے یہ چہرہ دھندلا جاتا ہے
کچھ وہ بھی بہت محتاط تھا اور کچھ ہم بھی ایسے رند نہ تھے
پھر وہ ہی ہوا جو ہونا تھا اور جو اکثر ہو جاتا ہے

اندیشہ

خیالوں کا جزیرہ تین جانب سے مری تحویل میں ہے
مگر چوتھا کنارہ
جسے بحرِ تفکر رفتہ رفتہ کھا رہا ہے
مری جانب مسلسل آرہا ہے

ضرورت

یہ مجھ پر اب کھلا ہے کہ تمہیں میری ضرورت ہی نہیں تھی
تمہارا جامِ ہستی تو ہمیشہ سے لبالب تھا، لبالب ہے
لبالب جام میں جا کر چھلکنے کی مری چاہت میں ہمت ہی نہیں تھی

۱۰ ...... (دس)

کسی بھی ہچکچاہٹ یا جھجھک سے بالاتر ایسا وہ لمحہ تھا
کہ جسکی شدتوں گہرائیوں سے میں خود ہی واقف نہیں ہوں
تو تم کو کس طرح سمجھا سکوں گا
غزل کے دائرے میں لا سکوں گا

اک اور استغاثہ

پہلے ایسا ہوتا تھا
سال بھر کے جھگڑوں کو
مسئلوں کی یورش کو
وحشتوں کے نرغے کو
دس دنوں کو مجلس میں
ہم سنوار لیتے تھے
اپنے کج نظر دل کا
ہر بگاڑ عشرے میں
ہم سدھار لیتے تھے
آج یوں نہیں ہوتا
زیست کے جھمیلے اب
دل بہت دُکھاتے ہیں
قحطِ تجزیے میں سب
وحشتوں کے بندھن بھی
سخت ہوتے جاتے ہیں
مسئلے نئے بھی ہیں
مسئلے ہیں پیچاں بھی
مسئلوں کی فرہنگیں
اب کہاں سے لاؤں میں
علم کی غرابت میں
برکتوں کی قلت میں
زحمتوں کی یورش سے
کیسے سر چھپاؤں میں
بات مختصر یہ ہے
دس دنوں کی قربت سے
کام اب نہیں چلتا
ایسا کیجئے اب تو
دل کے ایک گوشے میں
آپ گھر بنا لیجے
نفس کے تقاضوں سے
روح کو بچا لیجے
اس خدا کے مرکز سے
سارے بت ہٹا لیجے
اپنے جد کی چاہت سے
قلب کو سجا لیجے
دیکھیے کہ طوفاں میں
یہ وجودِ استادہ
باوجودِ وحشت بھی
مثلِ سنگِ جادہ ہے
خواہشوں کے چنگل میں
محوِ استغاثہ ہے

جہاں پہ دادِ شجاعت ہے، کامرانی ہے
وہیں سے نعشِ تمنا مجھے اٹھانی ہے
بہت ہوں لفظ کی کم مائیگی پہ شرمندہ
بتاؤں کیسے، وہ اک بات جو بتانی ہے
تمہیں نہیں ہے جو پاسِ وفائے دل تو نہ ہو
مجھے تو اپنی وفا سے وفا نبھانی ہے
نہاں ہے کچھ پسِ کردار و واقعات رضی
مماثلات سہی، یہ مری کہانی ہے

بے کیف ہو گیا ہے بہت اعتمادِ دل
عہدِ وفا میں چند ترامیم دیکھ کر
کم کر دیں ہم نے اپنے ہی دل کی توقعات
اس کی نظر میں عشق کی تفہیم دیکھ کر
اظہارِ مدعا پہ جو مائل ہوئے تھے لب
واپس ہوئے نگاہ میں تعظیم دیکھ کر
اک شخص تھا جو چونک اٹھا کل بہت رضی
میری توجہات کو تقسیم دیکھ کر

ترجیحات الگ ہیں ہماری ،دل ملنے کی آس نہیں
جس کا مجھ کو پاس بہت ہے، اس کا تم کو پاس نہیں
ایک پرندہ ڈار سے کٹ کر پنجرے پر آبیٹھا ہے
اور پنجرے میں بند پرندے کو اس کا احساس نہیں
دور سے تارے اک دوجے کے کتنے پاس نظر آتے ہیں
لیکن پاس سے جاکر دیکھو ،کوئی کسی کے پاس نہیں
درد کا نقطہ ابھرا ، پھیلا ، سمٹا اور معدوم ہوا
اب تو یہ احساس ہے جیسے ، اب کوئی احساس نہیں

sms پہ لکھی ایک غزل

الوداع لکھ نہ سکا اور مجھے بھیج دیا
بوجھ یہ بھی نہ اٹھااور مجھے بھیج دیا
سامنے کہنے کی، سننے کی کہاں تھی ہمت
حرفِ ناگفتہ لکھااور مجھے بھیج دیا
ایک موہوم تعلق کو نبھانے کے لیے
عام سا شعر لکھا اور مجھے بھیج دیا
ہر برے شعر کے آخر میں لکھا نامِ فراز
نام اپنا نہ لکھا اور مجھے بھیج دیا
ایک بھی لفظ نہ لکھنے کی اٹھائی زحمت
ایک پیغام چنا اور مجھے بھیج دیا
فارورڈنگ کا وہ عادی بھی بہت تھا جس نے
تھوڑا مشکل سے پڑھا اور مجھے بھیج دیا
بھیجتا اتنوں میں کس کس کو بھلا وہ میسج
اس نے احسان کیا اور مجھے بھیج دیا
دیدنی تھا کسی بچھڑی ہوئی الفت کا غرور
جس نے بس نام لکھا اور مجھے بھیج دیا
اک بٹن ہی تو دبایا تھا غلط اس نے رضی
غیر کو نامہ لکھا اور مجھے بھیج دیا

اسبابِ راہ لٹ گیا، سرد لہو کے دیس میں
صرف بچا تھا حوصلہ ، سرد لہو کے دیس میں
آنکھوں میں زندگی نہ تھی، ہونٹوں پہ دلکشی نہ تھی
چہروں پہ اک ہراس تھا ، سرد لہو کے دیس میں
اک ایک خواب چھن گئے ،میرے گلاب چھن گئے
میرا شباب مٹ گیا ، سرد لہو کے دیس میں
شام شکست زندگی،خوب تھے تیرے روگ بھی
خوب تھاتیرا ذائقہ ، سرد لہو کے دیس میں
میری تمام حدتیں، ساری مرے وطن میں تھیں
میں تھا وہاں پھنسا ہوا، سرد لہو کے دیس میں
گھر میں عذابِ بے دری، رشتوں میں شرطِ عارضی
معنیٔ قرب فاصلہ ، سرد لہو کے دیس میں
بچھڑے ہوؤں کی چاہتیں، گزرے ہوؤں کی قربتیں
تنہائیوں کا قافلہ ، سرد لہو کے دیس میں
کچھ معرکے نئے بھی تھے، کچھ گھاؤ ان سلے بھی تھے
کچھ میں اکیلا پڑ گیا ، سرد لہو کے دیس میں
میرے تمام جانثار، میری پہنچ سے دور تھے
اعدا میں تھا گھرا ہوا ، سرد لہو کے دیس میں
موسم وہ سرد تھا بہت، زخموں میں درد تھا بہت
آنکھوں میں انتظار تھا ، سرد لہو کے دیس میں
جب ہو چکے حواس شل، آخر خدائے لم یزل
رحمت کو جوش آ گیا، سرد لہو کے دیس میں
رحمت کی وہ ہوا چلی، پگھلی تمام برف بھی
بابِ نجات کھل گیا، سرد لہو کے دیس میں
مشکل بہت طویل تھی، پر تیرے نام پر رضی
آخر مراد پا گیا، سرد لہو کے دیس میں

وعدۂ لحۂ کمزور بھلایا بھی نہیں
یہ الگ بات کبھی تجھ کو جتایا بھی نہیں
میں کہ اک اشکِ معلق تھا ترے چہرے پر
تو نے چھوڑا بھی نہیں، اپنا بنایا بھی نہیں

تاثرات

سرد لہو کے دیس میں ڈاکٹر سید رضی محمد کا اولین شعری مجموعہ ہے۔جس میں چند نظموں کے ساتھ ساتھ خصوصیت سے غزل کی یکجائی دیکھنے کو ملتی ہے۔ڈاکٹر سید رضی محمد ایک طویل زمانی مدت کے بعد سمندر پار مغربی ممالک خصوصاً برطانیہ میں طب کے شعبے میں اپنی گراں قدر خدمات انجام دینے کے بعد وطن لوٹے ہیں۔معاش اور مسافرت کے معاملات اور مسائل سے نبرد آزما ہونے کے ساتھ ساتھ انھوں نے گیسوے غزل کو سنوارنے کا فریضہ بھی اپنی بساط کے مطابق خوب انجام دیا ہے۔ان کے پیش کردہ موضوعاتِ شاعری میں اُسی تخلیقی واردات کا پرتو دکھائی دیتا ہے جو عصرِ موجود کے ہر بیدار مرد، حساس اور انسان دوست تخلیق کار کی فطری صلاحیتوں کا آئینہ دار کہلا سکتا ہے۔

سوئے ہوئے منظروں کو جگانے کی جستجو میں ان کے پیش کردہ شعری کردار بعض اوقات فطرت کے حصارِ بے کنار میں اس قدر ہم آغوش ہو جاتے ہیں کہ ان کی زبان اور فطرت سے وابستہ مظاہر کی ہم کلامی ہم آواز ہو جاتی ہے۔ان نظموں اور غزلوں میں خلوص، جذبہ اور انسانی ادراک میں آنے والی ایک ایسی خوشبو محسوس ہوتی ہے جو شاعر کو ہماری نظروں میں قابل تحسین ٹھہراتی ہے۔

تمہاری یادوں کے سلسلے کو سلام فطرت کے معجزوں کا
یہ پھول دستِ فلک نے بھیجا، یہ شمع آبِ رواں سے آئی

ڈاکٹر نثار ترابی (راولپنڈی)

اصل میں صنفِ غزل اپنی جگہ ایک بہت ہی طاقت ور صنف ادب ہے لیکن اس کی شوخی کو سمجھنے کیلئے ایک خاص طرح کا نقادانہ ذہن ضروری ہے۔اگرچہ یہ ذہن قدرت نے ہر شخص کو ودیعت فرمایا ہے لیکن اپنے اس ذہن کو بہت کم لوگ کام میں لیتے ہیں۔پھر ستم بالائے ستم یہ کہ غزل کی شوخی اپنے طور پر بہت سی جہات رکھتی ہے۔ بہرحال ڈاکٹر سید رضی محمد صاحب کی غزل میں یہ شوخی اپنے ایک خاص انداز کے ساتھ موجود ہے جو ہمیں بیک وقت گدگداتی بھی ہے اور سوچنے پر مجبور بھی کرتی ہے۔اور رضی محمد کی غزل کی یہی سوچ اسے دوسرے شعرا کے اندازِ غزل سے جدا بھی کرتی ہے اور اُس کو ایک نیا پن بھی دیتی ہے۔

کتاب زندگی میں جس جگہ باتیں تمہاری ہیں
میں اپنا بابِ تنہائی وہی تحریر کرتا ہوں

دوسرے کو اپنا بنانے کا راز اصل میں انسان کی تنہائی کے پاس ہوتا ہے اور رضی صاحب اس راز کا انکشاف اپنی غزل میں خاصے نئے انداز میں کرتے ہیں۔

مشکور حسین یاد

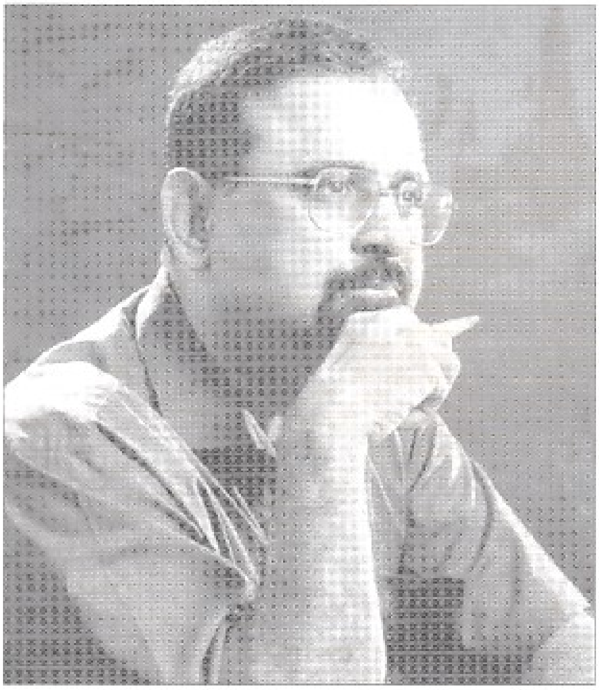

ارتقا پڑھ کے سمجھ آتا نہ تھا، آخر آیا
آٹھ ایام فقط حر کے سمجھ آنے سے

پوزیشن ہولڈرز 2009

Final Year

Sara
1st

Amatullah-Al-Khair
2nd

Ayesha Idrees
2nd

Maria
3rd

Fourth Year

Hassan Nadeem
1st

Javerai Mahmood
2nd

Mehwish Shafiq
3rd

Rabia Hameed
3rd

Third Year

Abubakar Riaz
1st

Sidra Khan
2nd

Rashad Shamsi
3rd

M. Ahmed Raza
3rd

Second Year

Muhammad Shahid
1st

Fatima Hameed
2nd

Mehreen
3rd

First Year

Arasalan Khan
1st

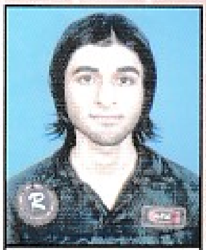

Shahab Hanif
2nd

Nudrat Farooq
3rd

Sadia Ikhlaq Baloch
3rd

Tuaha Taseer
3rd

پوزیشن ہولڈرز 2008

Final Year

Mehtab Iqbal
1st

Anita Rathore
2nd

Huma Shoukat
3rd

Fourth Year

Sawina
1st

Maria
2nd

Ayesha Idrees
3rd

Third Year

Mehwish Shafiq
1st

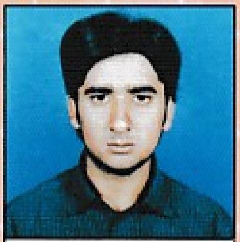
Hassan Nadeem
2nd

Javerai Mahmood
3rd

Second Year

Rashad Shamsi
1st

Muzafar Shoaib
2nd

Abubakar Riaz
2nd

Hassan Shoaib
3rd

First Year

Fatima Hameed
1st

Muhammad Shahid
2nd

Amir Muhammad
(3rd)

یومِ حسینؑ

سمپوزیم

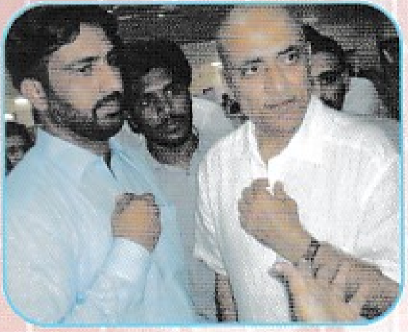

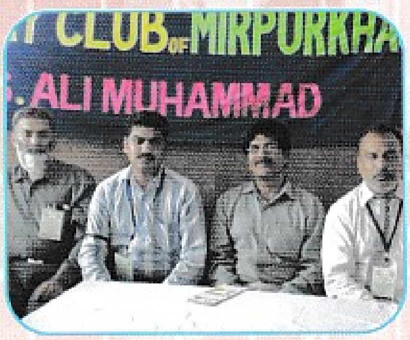

سمپوزیم

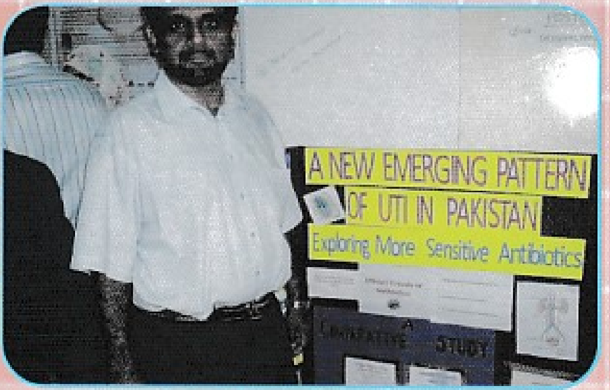
A NEW EMERGING PATTERN
OF UTI IN PAKISTAN
Exploring More Sensitive Antibiotics
STUDY

MEDICATIONS USED BY
THE PATIENTS WITH
CHEST PAIN BEFORE

سمپوزیم

سمپوزیم

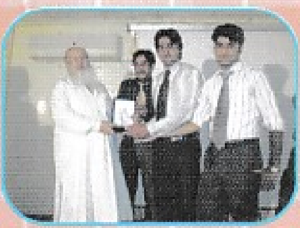

سمپوزیم

ورکشاپ

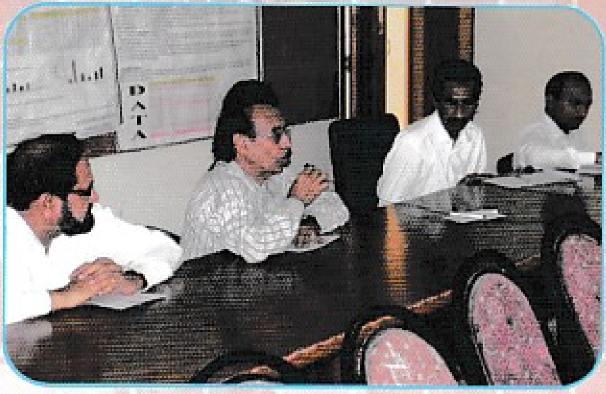

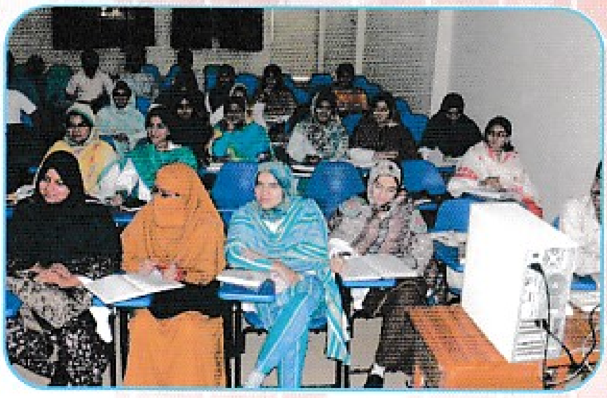
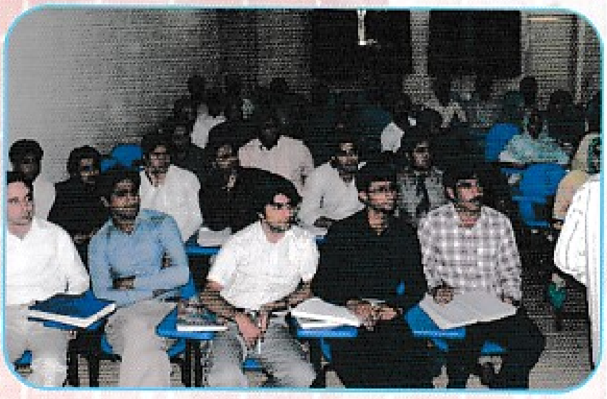

اسپورٹس ویک

محفلِ میلاد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یومِ حسینؑ

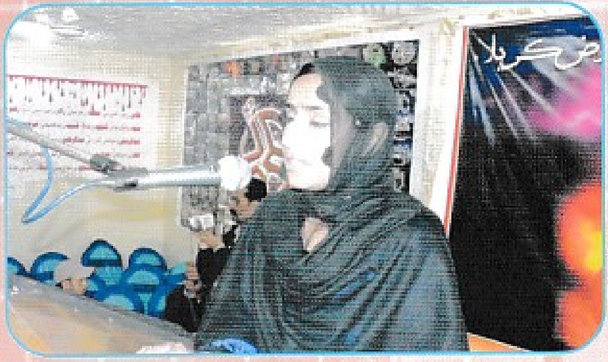

محفلِ میلاد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

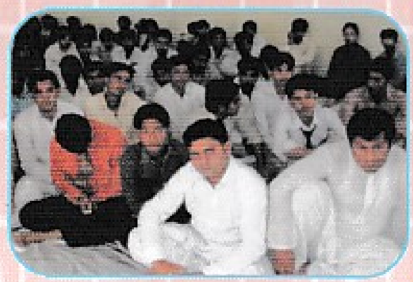

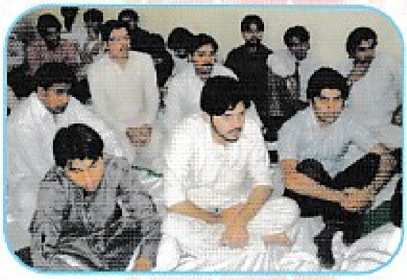

محفلِ میلاد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مسيحا

سنڌي سيڪشن M-II

MUHAMMAD MEDICAL COLLEGE,
MIRPURKHAS

مدير نامو

زير سربراهي:

پروفيسر سيّد رضي محمد

سرپرست اعليٰ:

مسز علي محمّد (چيئرپرسن محمد فائونڊيشن ٽرسٽ)

سرپرست:

پروفيسر محمد اقبال خان پرنسپال

مدير:

ڊاڪٽر فيض محمّد ميمڻ

نائب مديران:

- ڊاڪٽر غلام رسول پرڳڙي
- ڊاڪٽر سرواڻ محمد
- ڊاڪٽر غضنفر علي سمون

ميمبر ايڊيٽوريل بورڊ:

- ڊاڪٽر مولا بخش لغاري
- محمّد قذافي مري
- ڊاڪٽر محمّد اسلم چنا
- ڊاڪٽر آسر
- حبيب الرحمان

ڪمپوزنگ لي آئوٽ:

- سخاوت علي جتوئي 03003067747

فهرست مضامين

سيريل	عنوان	صفحو
1.	شاهہ جي رسالي "سر ڪلياڻ جا بيت	01
2.	جب قطع ڪي مسافت شب آفتاب ني	02
3.	رباعيات انيس ڪا منظوم سنڌي ترجمہ – مرزا قليچ بيگ	12
4.	منقبت – ڊاڪٽر نور علي غضنفر علي سمون	13
5.	وادي سنڌ جي عظيم صوفي شاعر بابت معلومات _ ڊاڪٽر اسلم چنا	14
6.	ماحول جي آلودگي ۽ اسين _ ڊاڪٽر انور علي غضنفر علي سمون	16
7.	ڳاڙهي اک (Red Eye) – ڊاڪٽر فيض محمد ميمڻ	19
8.	ذيابطيس (شگر جو مرض)	22
9.	منهنجي پسنديده شخصيت _ ڊاڪٽر مولابخش لغاري	24
10.	مکيءَ ڪان موڪلاڻي _ الهورايو ٻهڻ، جهول ضلع سانگهڙ	25
11.	ٿر جو سير _ طاهر حسين ڪانهر	29
12.	شهيدن جي راهہ جو نڊر سپهہ سالار _ ڊاڪٽر قذافي	30
13.	مارئي جي ديس جي عظيم ڪردار _ ڊاڪٽر قذافي	31
14.	هند ج قديم مذهب .... ڊاڪٽر سرواڻ ڪمار	32
15.	شرڪ جي مختصر سمجهاڻي_ امير احمد لائبررين	33
16.	دعا – جدائي: ڊاڪٽر نور علي غضنفر علي سمون اسسٽنٽ پروفيسر C.M محمد ميڊيڪل ڪاليج	36
17.	جسم، روح، بيماري ۽ شفا	37
18.	سگريٽ نوشي / تماڪ جون تباهڪاريون_ محمد ڪرم الله الاهي نقشبندي	41
19.	آبي چڪر – احسان احمد عرساڻي	48
20.	گهريلو پيماني تي ڀاڄين جي پوکي – خان محمد پرهياڙ	49
21.	غزل – ڊاڪٽر آسر حبيب الرحمان چوهاڻ	57

شاهہ جي رسالي "سر ڪلياڻ"
منجهان وحدانيت تي چونڊ شعر:

آوّلِ، اللهُ، عَلِيم، آعليٰ، عالَمَ جو ڏڻي،
قادِرُ پنهنجي قدرتَ سين، قائِمُ آهِ قديمُ،
والي، واحدُ، وحدهٗ، رازقُ، ربُ، رحِيمُ،
سو ساراهِ سچو ڌڻي، چَئي، حمدٌ حڪيمُ،
ڪري پاڻَ ڪريمُ، جوڙُون جوڙَ جهانِ جي.

وَحده، لاشريڪَ لَهٗ، جان تو چئين اِيَ،
تان مڃ، مُحمدٌ ڪارڻي، نِرٽون منجها نيهُ،
تان تون وجِئو ڪِيَ، نايين سِرُ هٿن ڪي.

وَحدَہٗ لا شَرِيڪَ لَہٗ، جڏهِ چيو جَنِ،
تَن مڃئو محمدَ ڪارڻي، هيجا ساڻُ هِينِ،
تڏهِ منجها ٿنِ، آوَتَرِ ڪونہ اولئو.
وَحَدهٗ لاشَرِيڪَ لَہٗ، جَن اُتو سين اِيمانَ
تَن مڃئو محمدَ ڪارڻي، قَلبَ ساڻُ لِسانَ،
اُءِ فائِقَ ۾ فرمانَ، آوَتَرِ ڪِہ نہ اولئا.
آڳي ڪِئا آڳهم، نسورو‌ئي نُورُ
لاخَوفٌ عَلَيهِم وَلاهُم يَحزَنُونَ، سچِنِ ڪونہِ سُورُ
مولي ڪِئو ڪمورُ آنگَ آزَلَ ۾ اُنِ جو.

وَحدَهٗ جي وَڏِئا، اِلآالله سين اورِين،
هِيئُون حقيقتَ گڏئو طريقتَ تورِين،
معرفَتَ جي ماڻِ، سين، ڏيساندَرَ ڏورِين،
شڪِ نہ سُتا ڪڏهِ، ويهي نہ ووڙِين،
گُلنئِون ڪورِين، عاشقَ عبداللطيف چي.

وَحدَہٗ جي وَڏِئا، اِلآالله اڏَ ڪِئا،
مُحَمدُ رَسُولُ چئِي، مسلمانَ ٿئا،
عاشقَ عبداللَطيفُ چي، اِنَهِم ٻہِ پئا،
تيلاہَ ڏڻي ڏُٺا، جيلاہَ وِئا وحدتَ گڏجِي.

وَحدَہٗ جي وَڏِئا، ڪِئا اِلآالله اڏَ،
سي ڏڙَ پَسِي سَڏَ، ڪِہ، آياڳي نہ ٿيي.

سِرُ ڏُونڊِيان، ڏڙُ نہ لهان، ڏڙُ ڏُونڊِيان، سِرُ ناهِ
هٿَ ڪرائِون آڱرِئُون، وِئا ڪپجي ڪانہِ،
وحدتَ جي وِهانءِ، جي وِئا سي وِڏِئا.
وَحدَہٗ لا شرِيڪَ لہٗ، اِيُ وهائِج وِيءِ
ڪَٽين جي هارائين، هَندُ تنهنجو هيءِ،
پاڻَ چئنداءِ پيءِ، پَري جامُ جَنتَ جو.
وهده‘ لا شريڪ لَہٗ، اِيُ هيڪڙائِيَ حق،
ٻِئائِيَ ڪي ٻِڪَ، جَن وِڌو سي وِرسِئا.

پاڻِہ جلَ جَلالَہٗ، پاڻِہ جانِ جمالُ،
پاڻہ صورتَ پريَنءَ جي، پاڻِہ حسنُ ڪمالُ،
پاڻِہ پِيرُ مريدُ ٿيي، پاڻِہ پاڻَ خيالُ،
سڀ سيوئِي حالُ، منجهائِي معلومُ ٿيي.
!يڪُ قَصرَ، دَرَ لکَ، ڪوڙين ڪَٽِس ڳِرڪِيُون
جيڏاہ ڪريان پَرڪَ، تيڏاہ صاحب سامهون.

سو هِيُ، سو هُو سو آجلُ، سو اللهُ،
سو پِرين، سو پساہُ، سو وِيرِي، سو واهَرُو.

جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے

(سندھی میں منظوم) حسن علی خان ٹالپر

جڏهن قطع ڪئي مسافت شب قرض آفتاب — طالع سحر ٿيو رات جي منهن تئون ڪٽي نقاب
سوئي فلڪ نظر ڪئي امام فلڪ جناب — لشڪر کي پنهنجي تڏ چيو شاهه قمر رڪاب
آخر ٿي رات حمد و ثنائي خدا ڪريو
اٿو فريضۂ سحري سڀ ادا ڪريو

هي آهي صبح روزِ قتال و جدال جو — هٿ وهندو خون احمد و حيدر جي لال جو
چهرو ٿيو سرخ شوق کان زهرا جي لال جو — گذري شبِ فراق ڏينهن آيو وصال جو
آئين آهيو سي جي رئندا ملڪ سڀ جي واسطي
راتيون سحر مون ڪيون انهي مطلب جي واسطي

هن صبح کئون پوءِ صبح بيو ڏسندؤ نه ڪا بي شام — منزل هتئون ڪٽي ۽ ڪريو خلد ۾ مقام
ڪوثر تي روزي جو ڪندا افطار تشنه ڪام — محسوب عابدن ۾ خدا ڪيو اوهان جو نام
اوهين سڀ وحيد عصر اوهان کئون ڪو بيو چڱو
دنيا ڪئون جي شهيد وڃو سرخرو وڃو

هي ٻڌي امام کئون سنبريا سي حق شناس — هريڪ ڪيو پنهنجو زيب بدن فاخره لباس
شانه محاسنن کي سين ڪي اپوءِ بي هِراس — حاضر ٿيا منجهه حضورِ امام فلڪ اِساس
هريڪ بسانِ بوذر و سلمانِ روزگار
قدمن تي شهه جي سر هي فدائي ڪندا نثار

هو خشڪ لب تي حمد الاهي ۽ رخ تي نور — خوف و هراس دشمن دين يڪ قلم هو دور
ذي قدر ذي سعادت ذي فهم ذي شعور — طاعت گذار عابد و زاهد وڏا غيور
اهڙا سچا نه ملندا ڪي پيا زير آسمان
دامن ڇڏيئون نه شهه جي ڇڏيئون دولت جهان

پاڻي هو ذرو جو وضو ڪن فلڪ جناب — منهن تي مگر هو خاڪ تيمم کئون طرفہ آب
باريڪ ابر ۾ هو نمودار آفتاب — هئي خاڪساري فخرِ غلامان بوتراب
روشن ٿيا رخ ها خاڪ تيمم کئون باضيا
آئينه کي هميشه ٿا ڪن خاڪ سان صفا

هڪ صبح جو ضيا پيو ستارن جو زرد نور   غش ٿي ها جي ڏسي ارلي گوئي اوج طور
ظاهر گلن کئون قدرت حق جو ٿي ٿيو ظهور   ڇا جا بجا وڻن تي ها تسبيح خوا طيور
گلشن خجل هو دشت جي سبزي جي سا ضيا
قدرت هئي حق جي دشت معلائي ڪربلا

سردي هوا جي سبزه صحرا ۽ ڪشتِ زار   شرمنده جنهن جي روبرو ٿي باغ جو بهار
هر برگِ گل تي قطرهِ ها بيشمار   جنبش هوا ڪئون وجد ۾ وڻ آيا بار بار
هيرا خجل ها گوهرِ يڪتا نثار ها
هربرگ برگ گل جا جواهر نگار ها

فرمانِ ڪلڪ صانع خلاق ڪردگار   هر برگِ گل تي خلعتِ ترسيع اشڪار
عاجز ٿيا فڪرت شعرائي هنر شعار   ڪيئن صنعتن جو ڏرڪ ڪري عقل ساده ڪار
عالم هو محو قدرت ربِ عبادتي
مينا ٿي چڙ هئي واديءَ مينو سواد تي

هو نور ۽ هر دشت مصفا ۽ هو فضا   ڏارين تي نغمه سنج ها مرغانِ خوشنوا
بادِ صبا جگر جي ٽي تي تقويت فزا   بوئي بهشت آندي ٿي همراه خود صبا
رنگين گلن ڪئون سبز زمين سرخ پوش هئي
سڀ دستِ ڪربلا سبدِ گل فروش هئي

ڇا دشت ڇا نسيم ڇا صحرا ڇا سبزه زار   هر گل تي جابجا ها گهر هائي آبدار
بادِ صبا ڪئون وجد ۾ شاخون هيون بار بار   بالائي شاخ هڪڙو هو گل بلبلون هزار
خواهان ٿيا جو گلشنِ زهرا ها آب جا
شبنم پريو ڏنا ٿي پيالہ گلاب جا

باداه جرخ تي خطِ ابيض جو ٿيو عيان   تشريف جا نماز تي آندي شهہ زمان
بيٺا نمازي در عقب شاهِ انس وجان   صَوت حَسن سان اڪبرمه رو ڏني اذان
جنهن ڪنهن ٻڌي اذانِ علي اڪبر جوان
تنهن چو ٿي مصطفيٰ جي صدا آهي بيگمان

هوس شهہ جا خيمہ ۾ ٻڌندي ٿيا اشڪبار   سڀ ڪئون زياده مادرِ اڪبر هئي بيقرار
شِر شاهدين ٿي چو توتئو ٿيان نثار   اهل حرم بلائون ڪنيو جو ٿي بابار بار

آهي صدائي اڪبر همشڪلِ مصطفيٰ ﷺ
صدقو نمازين تئون مؤزن تئون ٿيون فدا

قد قامت الصلوات جي جڏ صف ۾ ٿي ندا — بيٺو پوءِ جا نماز تي شاهنشهه هُدا
اڳ ۾ امام پٺ ۾ شهيدانِ ڪربلا — اهڙي اطاعت آندي ڪڏهن ڪانه ڪنهن بجا
سر لوح هو قران جو يا شهه جي جا نماز
ٿي آخري نماز ڪئي شاهنشهه حجاز

پهرين بلند شاهه ڪئي تڪبير جي صدا — دريا و دشت وڪوه ڪئون آئي ٿي هي ندا
پوءِ استعاذه بعد ڪيئين فاتحه سان ابتدا — پوءِ سر نوائي راڪع و ساجد ٿيو باخدا
اهڙي نماز اڳ ۾ ڪا آندي نه ڪنهن جا
دشمن ها ڇار سمت ۽ وچ ۾ شهه هدا

هي سما نما: جت نه هو آبِ وضو جو نام — هي سا نماز جنهن ۾ ڪيو رت سان وضو امام
هي سا نماز جنهن ۾ ٿيو ملبوس سرخ فام — هي سا نماز جنهن ۾ ڪيو شهه آخري سلام
هي سا نماز جنهن ۾ وسيا شاهه دين تي تير
هي سا نماز جنهن ۾ ڪيو رت سرخ هو شبير

جڏ هٿ ڪنيا قنوت ۾ حضرت سوئد خدا — ٿيا خود بہ خود ها باب اجابت فلڪ تي وِيا
جنبش ۾ آسمان هو ڏڪيو عرش ڪبريا — ٿي منتظر دعا تہ گهر ڪهڙي ٿو دعا
هي خاڪسار محر تضرع هو فرس تي
روه القدس جي طرح دعا پهتي عرش تي

زاري هُئي التجا هُئي مناجات در سهر — هِت صف ڪشي و ظلم و تعدي هُئي بيشتر
دريا جي پَر تي چو ٿي وڃيو سعد جي پسر — دريا ڪئون هوشيار ٿيو پاڻي ڪئون باخبر
عاجز ڪيو هوندو تشنه دهاني حسين کي
مرندي تئين ڪين کي ڏجو پاڻي حسين کي

بعد از سلام وينو هو شاهه فلڪ سرير — ناگهه تريب پيا اڇي حضرت جي چند تير
ڦيرائي منهن ڏانئين سوئي لشڪرِ شرير — عباس غازي هٿ ڪٽي شمشير بينظير
پروانہ هو سراج امامت جي نور تي
سينہ سپر حضور ڪرامت ظهور تي

همشڪل مصطفيٰ کي چو تڏ سرورِ زمان — محڪم ڪئي سرڪشي تي ڪمر لشڪرِ گران
تون خيمہ گهہ ڏي وڃ ۽ وڃي ڇئوڙ منهنجي — ٻارن کي صحن مئون ڪٽي خيمہ ۾ ڪن نهان
ناگاه تير ساڻ نہ ڪو طفل ٿي تلف
خوف آهي تہ نہ گردن اصغر جي ٿي هدف

هيٺن چو آڇا ٽي پُٺ کي شهِ آسمان سرير   در ٽئون سڏي ڪيئون عرض تہ اي خلق جا امير
اصغر جي پينگهي ٽئين پيا اعدا جا چند تير   اهلِ حرم ڪٽي وڃي ويهن ٽي گوشہ گير
گرمي ڪئون ڪنهن کا ننڊ نہ ڪئي آهي تمام شب
ڪا اک لڳي وئي صبح جي سردي جي ڪنهن سبب

هن پر ٻڌي اٿيو پوءِ امام فلڪ وقار   ڏيڍي ٽئين سپرون آڙ ڪري آيا رفيق و يار
حضرت چيو هلون ٽا اِڃهو ٻهر ڪارزار   ڪمرون ٻڌو وڙهڻ تي سڏايو آئين راهوار
جڏ سير ٽي بهشت جو دل باغ باغ ٿي
امت جي ڪم ڪئونجلد ميسر فراغ ٿي

هيٺن چئي حرم سرا ڏي پوءِ ويو شاهِ بحروبر   صف بنديون ڪيون فوج مخالف جي اهلِ شر
در بر زره ڪئي حضرتِ عباسِ نامور   ڏيڍي جي دَرَ تي ٽي گهميو مانند شيرِ نر
جڏ اهڙو ياءِ ظلم جي تيغن ۾ ٽي سپر
تڏ ڪيئن نہ ڀي جي دل کي توقع ٽي بيشتر

پوءِ هيٺن چيو حرم کي شهہ آسمان جناب   مضطر نہ ٿيو اوهان جون دعائون ٿيون مستجاب
مغرور آهي زور تي هي فوج بي حساب   آئون خود وڃي ڏيکاريان ٿو اُن يک رو صواب
موقع آڇا تائين ناهي ڪو فرياد و آه جو
آڻيو تبرڪات رسالت پناهہ جو

معراج ۾ جو احمد مرسل کي هو لباس   همشير آندو شاهہ جي خدمت ۾ باهراس
سر تي رکيئين عمامئہِ سردارِ حق شناس   بر ۾ ڪيئين قبائي رسولِ فلڪ اساس
رومال فاطمه جو عمامہ رسول جو
در بر ۾ چست شاهہ ڪيو جامہ رسول جو

سر تي رکي عمامئہِ محبوبِ ذوالجلال   محڪم ڪمر جهاد تي ڪئي شاهہ خوش خصال
ڦاڙيو فلڪ تي پنهنجي گريبان کي هلال   حاصل شرف ڪيو دوش ۾ حمزه ـري جي ڍال
رتبو بلند ٿيو جو سعادت نشان هو
سارو سپر تي مُهر نبوت جو شان جو

هٿيار ٽي ٻڌا هِتي آقائي خاص و عام   تيار هوڏي ڪيئون علم سيد الانام
ماتم ڪيائون گِردِ علم جي حرم تمام   رئندي جهلي هئي چوب علم خواهرِ امام
پشتِ علم اِئين گريہ و زاري جي هُئي صدا
جنهن طرح سان پٽيان ٽا جنازي جي ڪن ٻُڪا

سر مُنهن پٽيو رنو ٿي اُ اهلِ حرم تمام   اِبنِ حسن ڪيو عرض ٻڌي هٿ ته يا امام
عشرت گهٽي آه وڏندي آچي ٿي سپاهِ شام   فرمايو شاه دين ته ڪو اندوه جو مقام
عباس اِجهو علم ڪنيو ٻاهر ڏي ٿو اچي
مڙني ڪٿون موڪلائي هي دلگير ٿو روئي

ناگه ڪٺي علم هليو عباس با وفا   عريان سرن کي ڪيو حرمِ شاه اوليا
حضرت ڪٺي پوءِ دستِ مبارڪ ڪئي هي ندا   سڀ الوداع آي حرم پاڪِ مصطفيٰ
صبح شبِ فراق آهي بس قصه مختصر
تارن تي لهندي وت آچي گڏجي ڪريو نظر

قدمن تي شه جي شاه جي همشير پٽي ڪري   دختر صغير صورتِ تصوير پٽي ڪئي
اڪبر جي قرب مادرِ دلگير پٽي ڪري   ڪو وَس هليو نه تابع تقدير پٽي ڪري
رونق چمن مٿون وئي گل تازه ڇٽي پيا
نڪتو علم يا گهر ڪٿون جنازه ڪڍي هليا

مولا چڙهيو فرس تي هو يا ختم مرسلان   ترڪش ۾ تير دوش مبارڪ ۾ هُئي ڪمان
نڪتو هي جن و انس و ملڪ جي زبان مان   آيو وري زمين تي براق آسمان کان
هو ڪبڪ جو خرام سڀ اُن خوشخرام ۾
اهڙو فرس هيو ڪونه هو ڪو ڪنهن مقام ۾

ناگاه تير ڪين هنيا عدا سوئي امام   گهوڙو وڌائي شاه دين حجت ٿي ڪئي تمام
حاضر آچي ٿيا جمله رفيقانِ تشنه ڪام   بي سر ٿيا صفن ۾ سرانِ سپاهِ شام
بالا ڪڏهن هُئي تيغ ڪڏهن زير تنگ هُئي
هڪ هڪ جي جنگ مالڪِ اشتر جي جنگ هُئي

ماشاء الله علي جي هُئي ڏهٽن جي ڪارزار   ها نيمچه ٻنهي جا يا حيدر جي ذوالفقار
شانه وڍيا سپر جي جهلي ڪنهن ٿي اُستوار   زخمين جي ڪانه حد هُئي نه ڪُشتن جو هو شمار
اِن حد سوار قتل ڪيئون ٿوري دير ۾
گهوڙن جا پير بند ٿيا لاشن جي ڍير ۾

ابن حسن جي جنگ جو ڪهڙو ڪريان بيان   عباس دشمن کي ڪيو بي نام بي شان
سرڪش چونڊي ٿي اريا علي اڪبر جوان   هڪ هڪ دلير جنگ ڪئي حيدر جي طور سان
طاعت جو ختم هِن تي عبادت جو هن تي خم
جرات جو ختم هِن تي شجاعت جو هن تي ختم

سر دشمنن جا تيزيءَ شمشير ڪيا ٻوتا   جنبش ۾ پيا زمين جا طبق صورتِ سما
انسان ۽ جن تي خوف هو طاري ملڪ لِڪا   فوج خدا جي ضرب ترارن جا منهن ڦِٽا
ٽورن گهٽڻ جو فرق مگر لا ڪلام هو
هنگام ظهر خاتمئہ فوج ٽيو سڄو

گرمي جو روز جنگ جي ڪهڙو ڪريان بيان   هو احتمال باه نہ ساڙي وجهي زبان
سالڪ جا الخدر سان هرارت جا الامان   رڻ جي زمين هُئي زرد ٿي ۽ سرخ آسمان
واري وَسي ٿي ڪ هو چشمہ حيات جو
گرمي ڪئون آيو جوش ۾ پاڻي فرات جو

هو آسمان کي تپ ٿيو زمين جي بخار کان   آئينو مِهر جو ٿيو مڪدر غبار سان
سرخي اڏاڻي گل منجهان سبزي گياه مان   پاهڻ ڳري ٿي موم ٿيا آتش جو هو گمان
گرمي ڪئون مضطرب هو زمانہ زمين تي
بريان ٿيو ڪريو ٿي جي دانہ زمين تي

آئينئہ فلڪ کي نہ هو تابِ تپ ڪئون تاب   خائف ٿي برق ٿي لڪي در دامِن سحاب
سڀ ٿون زياده گرم مزاجن يک اضطراب   ڪافور صبح ڳوليو ٿي سرعت سان آفتاب
آتش لڳي هُئي گنبدِ چرخ اثير ۾
مخفي ٿي ٿيا ڪڪر ڪره زَمهرير ۾

اُن ڏپ ۾ ۾ بيٺو هو تنِ تنها شهہ اُمم   ني دامِن رسول هُئي ني سايئہ علم
لب خشڪ تشنہ ڪام پيو هو ڪمر ۾ خم   شعلہ جگر ڪئون باه جا نڪتا ٿي دمبدم
هر دام ۽ دَدَ کي پاڻي پيارڻ ثواب هو
هڪڙي حسين ڪاڻ مگر قحطِ آب هو

هيئن چو ٿي اِبن سعد تہ آي آسمان جناب   بيعت ڪرين جي تون تہ هي حاضر آه جام آب
فرمايو شاهدين ٿي تہ آي خانمان خراب   درياه کي خاڪ ڄاڻي سڄو ابن بوتراب
اسلام جي ڪا پاس ڌرو توکي دل ۾ آه
آبِ بقا ٿي آب تہ آٽيان نہ منجهہ گاه

حاضر ٿي جم جي جام جونام آٽيان بو زبان   ڪوثر جي آئون چاون آچي جاري ٿي در زمان
حاضر ٿي جبرئيل ملائڪ جي فوج سان   نصرت ۽ فتح هٿ ٻڌي بيهي آچي اڳيان
جي حڪم انقلاب ڏيان عالم ٿي سڀ تمام
اُبتي ٿي ائين زمين جو نہ ڪوفہ رهي نہ شام

پهرين رجز جا شعر چئي شاه دين وڌيو   طبقہ جهلڻ زمين جو روح الامين وڌيو
مانندِ شير نڙ تي ڪڏهن خشمگين وڌيو   گويا ورائي پنهنجون علي آستين وڌيو
جلوه ڏٺو جري جو عروسِ مصاف ڪي
مشڪل ڪشا جي تيغ ڇڏيو تڏ غلاف ڪي

تيزي آئون ڪنهن طرح لکان ان شعہ رنگ جي   چمڪي سوار تي تہ خبر ورتئين تنگ جي
اُڄ اُن ڪي رنجي هُئي هُئي طلبگار جنگ جي   نِڪتي ڪئون پوءِ هوش نہ هوئي اُن ڪي درنگ جي
رت سان فلڪ ۾ لاش سان مقتل ڀري وئي
سؤ بار دم ۾ چرخ فلڪ تي چڙهي وئي

شدت هُئي اُڄ جي اهڙي جا آتش هُئي منجهہ جگر   اُف اُف ڪڏهن تي ڪيئن ڪڏ سر تہ جهليئن سپر
خيره تي چشم جي ڪڏ ڏپ تي ڪيئن نظر   حملہ ڪڏهن سني ڏي ڪبي ڪڏ ٽيو حلہ وَر
ڪثرت عرق ڪئون قطره وهيا روئي پاڪ تي
موتي ڪريا تي جڻ رخ مولا ڪئون خاڪ تي

ڇا لکندو ڪو پيو شانِ امامِ فلڪ جناب   طاق آهي ڏسي ڪو سگهي رُوئي آفتاب
لب خشڪ ها ڪومائجي ويو غنچئہ گلاب   گويا تہ ذوالجناح تي خود هو ابوتراب
اعدا چئي پڳا جي ڪيئن نعره جدل ۾
آڄ شير ذوالجلال جو آيو جلال ۾

کهڙي لکان هٿن جي صفائي حسين جي   الله جو غضب هو لڙائي حسين جي
دريا حسين جو هو ترائي حسين جي   عالم حسين جو هو خدائي حسين جي
ڪشتي بچا تو آهين طوفان نوح جو
ڪر رحم واسطو علي اڪبر جي روح جو

زانن تي هٿ هٽي تي چيو نحس ابنِ سعد   اي وافضيهتا هي هزيمت ظفر جي بعد
زيبا دلاورن ڪي ڪو ناهي خلاف وعد   هڪ پهلوان ٻڌي ڪيونعرو مثالِ وعد
چيئين تي تہ آئون ڪريان ٿو هي حملہ امام تي
آي ابنِ سعد لک تون ظفر منهنجي نام تي

بالا قد وڪلفت سيہ فام خيره سر   روئين تن وسياه درون سنگ جو جگر
ناوڪ پيام مرگ جو ترڪش آجل جو گهر   تيغون هزارين جنهن تي پڳيون هٿ ۾ سا سپر
دل ۾ بدي طبيعت بد بدسرشت بد
مغرور پنهنجي زور ۾ زد تي هو بيخود

همراه اُن جي هو اِنهيءَ قامت ٻيو پهلوان — چشمان زرد رنگ سيه سارو بد - نشان
بدڪار و بدشعار و بد آئين و بد گمان — جنگ آزما ڀجايا سدا لشڪرِ گران
نيزه ڪنيو ڪمر ٻڌي محڪم ستيز تي
نازان هو ضربِ گرز تي هي تيغ تيز تي

لشڪر هو بي حواس پريشان ها سڀ شقي — ٻچ هو حسين آيو هي تيغ دوسر ڪيدي
چئون ٿي اجهو هي مرحب و عنتر ۽ هو علي — دهشت ڪئون شاهه دين جي سڄي فوج وئي ڏڪي
ٿي سر بلند ڪير تو ۽ ڪير پست ٿي
ڪنهن جي ٿي فتح ٿي ڏسون ڪنهن جي شڪست ٿي

ظالم ڪٽي جو گرز ورايو جناب تي — طاري ٿيو تڏ غضب خلفِ بوتراب تي
ضربت ورايئين پر رکي جڏ رڪاب تي — ٻيو صاعقه شقي جي سرِ پُر عتاب تي
صدقو وڃان آئون تيغ شهه نامدار جو
ٽڪرا ٻه ٿيو سوار ٻه ٿيو راهوار هو

پوءِ ٻي تي گرز ڪي ڪٽي چو شاهه دين شاهه — ڪي ضرب ذوالفقار جي تو پڻ ڪئي نگاهه
سرشار هو شراب تڪبر سان روسياه — ڪيڏي وڃي ها موت جهلي بيٺو ان جي راه
هيئن ٿي چيائون جڏ ٿيو مقابل دلير جي
هي ٻيو شڪار ٻيو وڃي پنجه ۾ شير جي

آيو اجا ٿي هو پهه وڏي شاهِ نامدار — سر تي شقي جي اهڙي هنئي ضربِ ذوالفقار
ضبِ گران ڪئون لرزي ويو سڀ دشتِ ڪارزار — گهوڙو سوار گڏجي ٿي يڪجا ٿيا خاڪسار
پيوندِ صدرِ زين جسدِ نابڪار هو
گهوڙو زمين ۾ غرق ٿيو سيني تئين سڄو

آئي ندائي غيب ته شبير مرحبا — هٿ ۾ جڳائي تنهنجي هي شمشير مرحبا
اسلام جي وڌائي تو توقير مرحبا — هو فاطمه جي شير جو تاثير مرحبا
غالب خدا ڪيو توکي سڄي ڪائنات تي
بس خاتمه جهاد جو ٿيو تنهنجي ذات تي

اڳتي نه ڪر وغاجي هوس آي حسين بس — ٽڪ ٻيج هوا ۾ چند نفس آي حسين بس
گرمي ڪئون بيخود آهي فرس اي حسين بس — وقتِ نمازِ عصر آهي بس آي حسين بس
اڳ ۾ وڙهيو نه تشنه ڪو ائين ازدهام ۾
مصروف هاڻ عفو جي ٿي اهتمام ۾

لبيڪ چئي ۽ تيغ رکي شاهہ ميان ۾ — حملہ ڪئون سهہ تي آئي قيامت جهان ۾
يڪبار سرڪش رکيا پيڪان ڪمان ۾ — سينو حسين جو هو يا پيڪان نشان ۾
بيڪس حسين ظلم شعارن جي وچ ۾ هو
گل فاطمه جو ظلم جي خارن جي وچ ۾ هو

حضرت ڪي سامهان جي هنيئون ڏهہ هزار تير — سيني ۾ شاهہ جي ٿي لڳا بار بار تير
پهلو جي پار ٻڇون ۽ سيني جي پار تير — ڏهہ ٿي لڳا ڪڍيائينٿي جي ٿي يا چار تير
تيرن ۾ جسم ظلِ الاهي هو سربسر
هر مُوئي بن ۾ تير هو پيستہ يا تبر

حملو ڪيو چار سمت ڪئون لشڪر حسين تي — تيرن جو مينهن هو جسم مطهر حسين تي
قاتل ڪيو هو قصد مان خنجر حسين تي — ظالم چڙهيو ٿي سينۂ اطهر حسين تي
تير ستم بدن مان ڪڍي ها سو ڪونہ هو
حضرت ڪِري آچي جوجهلي ها سو ڪونہ هو

لک ها ۾ هڪڙو بيڪس و دلگير هاۓ هاۓ — فرزند فاطمه جي هي توقير هاۓ هاۓ
نيزو شقي جو پهلوئي شبير هاۓ هاۓ — ڀاڙي هو جن ڪي زهر جو سمي تير هاۓ هاۓ
عصہ ۾ پر ها فوج عدوجا جي روسياۓ
خالي ڪيئون حسين تي سڀ ترڪش سپاه

جي بي حيا لڪائي پڳا مُنهن ٿي وقت جنگ — تن مان هنيو جبين مقدس تي هڪڙي سنگ
صدمي ڪئون زرد ٿيو سڄو سبطِ نبي جو رنگ — سر تي رکيائين هٿ تہ ڳُلهي تي لڳو خدنگ
حضرت ڇڏي مٿي ڪي جو شانہ تي هٿ رکيو
تر ستم گلوئي مبارڪ ڪئون پار ٿيو

لکن ٿا هو سم سعب اهوناوڪ ستم — چوب اُن جي ڪي ڇڪي ڪيو حضرت بہ چشم نم
پر ڪي ڪڍيائين پُست جي جانب ڪئون ٿي پوۓ خم — گردن ٿي ڪج ۽ بند ٿيو شاه دين جو دم
نڪتو ٿي رت فواره جي مانند سر بسر
هٿ جڏ جهليائين زخم جي هيٺان ٿيو رت سا پُر

دشمن هو شهہ جو اعور سلمي عدوئي دين — سر تي هنئين جا تيغ دوباره ڪيئين جبين
زخمي جگر ڪئون ابنِ انس جي سنان ڪين — ڪک ۾ هنيو پوۓ نيزه بيداد بي لعين
بيتاب ٿي امام اُم سرده آه ڪئي
جنبش ۾ پئي ضريح رسالت پناه جي

هئي هئي ڪريو حسين تي گهوڙي تان هئي غضب — نڪتا رڪاب پائي منور ڪان هئي غضب
پهلو شگافتہ ٽي اخنجر سا هئي غضب — عش ۾ پيو عمامہ ڪريو سر مان هئي غضب
زانو نبي جي رحل قرآن پيو ڪري
هئي هئي وليءَ ايزد سبحان پيو ڪري

حضرت ڪڏهن اُٿيو ٿي رڪيئين ڪڏ زمين تي سر — ڪڏ رت ويهو ٿي حلق مئون نڪتو ڪڏهن جگر
حشرت سان ڪڏ خيام جي جانب ٿي ڪيئن نظر — پاسي سجي ستو ٿي ڪهي ڪڏ ٿي بي خبر
تيرن جا پر جي جسم مقدس ۾ ها لڳا
جي هڪڙي پاسي ليٽيو ٻي پاسي ڪئون ٿي ڏنا

اڳتي ٻيو چا چوان تہ ٽيو شاهہ دين سا چا — گيتي ۾ تهلڪو ٿيو قيامت تي رخنما
جنهن سر تي هو عمائہ سلطانِ انبيا — معراج تنهن ڪيو نيزه خولي تي هئي جفا
سپ گهر قرايئين پنهنجو وجي وعده گاه ۾
جنبش ۾ چپ ها نيزي تي ذڪر آلہ ۾

صلواة ان تي جنهن تي ڪيئون مذبوح از قفا — اُن تي سلام جنهنجا ڪٺئون خويش اقربا
خيمن کي جنهن جي ساڙيو ڏئي باهہ بي حيا — جنهن جا يتيم تيدي ٿيا ۽ شام ڏي ويا
لعت خدا جي قاتلِ شهدا تي تا جزا
آل نبي تي ظلم و ستم جي ڪيا برملا

مولا آئون تنهنجي تربتِ شش گوشہ کي چمان — آئون خيمہ گهہ ڏي تنهنجي وجي سر ۽ منهن پٽيان
ماتم ڪريان حسين جي مظلومي تي رُئان — خاڪِ شفا جي خاڪ کي پاڪر وجهي سمهان
دوزخ جو ڊج حسين کي نہ جنت جو شوق آه
هردم حسين تنهنجي زيارت جو شوق آه

رُباعيات انيس ڪا منظوم سنڌي ترجمه

مرزا قليچ بيگ

پيدا آهيون ٿيا اسين هن ئي غم جي لاءِ
[illegible]ر آهي روئڻ هي چشم پرنم جي لاءِ

حاصل ٿيون ۽ نعمتون اسان کي حق کان
روئڻ لئي اکيون ۽ هٿ ماتم جي لاءِ

ڳوڙها هي اکين جا دل جو آرام آهن
شبير جي غم جو فيض و انعام آهن

هي موتي قويٰ ڪن ٿا اکيون دل ۽ دماغ
سمجهو نہ هنجون، روغن بادام آهن

مجلس هي عزا جي ناهي گلزار هي آهہ
ابن اسدالله جي دربار هي آهہ

واجب ٿيو رکڻ نذر هنن جا موتي
خلعت مِلي جو سخي جي سرڪار

عباس جا صف شِڪن نہ هوندو ڪوئي
اڪبر جيهو گلبدن نہ هوندو ڪوئي

گردن تي لڳو تير نہ ڇپ ڇوريئين ڪي
اصغر جيهو ڪو سخن نہ هوندو ڪوئي

ماتم جو عجيب سور تلاطم آهي اڄ
غم تازو ٿيو دنيا ۾ خوشي غم آهي اڄ

رڻ رُلي جنهن جي لاش پئي چاليهہ ڏينهن
تنهن بيڪس و مظلوم جو چهلم آهي اڄ

خورشيد سدا بُرج شرف ۾ هوندو
۽ ڪاڻ ۾ هيرو دُر صدق ۾ هوندو

مشرق ۾ يا مغرب ۾ ڪريو اُن کي دفن
حيدر جو عاشق سو نجف ۾ هوندو

هردم آهي فڪر عذر خواهي دل ۾
افسوس نہ ٿيو خوفِ الاهي دل ۾

گذري وئي مشڪ جا خطا ۾ سڀ عمر
وارن ۾ سفيدي ۽ سياهي دل ۾

ڊاڪٽر نورعلي غضنفرعلي سومرو
اسسٽنٽ پروفيسر
شعبو: ڪميونٽي هيلٿ سائنسز ۽ پبلڪ هيلٿ
محمد ميڊيڪل ڪاليج، ميرپور خاص

منقبت

”مقصود ڪعبہ“

ولادت باسعادت آهي عليؑ المرتضيٰ جي اڄ،
بهارون چوطرف آهن خوشيون آهن زماني ۾.
شڪم آجي عليؑ موليٰ ٿيو پيدا زماني ۾.

مبارڪ ڪعبت الله ۾ ڄميو حيدر عليؑ آهي،
سخا جود و عطا جو در سخي سرور عليؑ آهي

ولادت ٿي آ ڪعبي ۾ ڏسو اندر عليؑ آهي،
سخا جا دَرَ ڏِسو کولي سخي سرور عليؑ آهي

مرادِ مصطفيٰ ﷺ پوري ٿي جيو موليٰ ع زماني کي،
ولي الله تولد ٿيو منهنجو دلبر عليؑ آهي.

ڀَلي مڪتب هجي مسجد، هجي منبر هجي ميدان،
مگر جلوه نُما هر جاءِ تي مظهر عليؑ آهي.

ٿيو اسلام روشن آهي حيدر ع جي حمايت سان،
ڏِسو تاريخ ۾ اِسلام جو محور عليؑ آهي

ملي هر ڪامراني مرتضي ع جي ئي وسيلي سان،
ڀَلي خندق هجي خيبر مگر صفدرؑ عليؑ آهي.

ملي مؤمن کي معافي ٿل مهابي متصودِ ڪعبہ،
”غضنفر“ غم نہ ڪر تون ساقي ڪوثر عليؑ آهي

ڊاڪٽر محمد اسلم چنا
پروفيسر ايناٽائي
ايم.ايم. سي، ميرپورخاص

واديءَ سنڌ جي عظيم صوفي شاعر شاهہ عبداللطيف ڀٽائي رحہ جي باري ۾ انمول معلومات:

- شاهہ عبداللطيف ڀٽائي رحہ سنڌي زبان جو عظيم شاعر آهي جيڪو پاڻ سنڌ جي نالي ۽ سنڌ سندس نالي سان سڃاتي وڃي ٿي. لطيف سائين هڪ وسيع سمنڊ آهي ان تي جيترو گهڻو لکجي اوترو گهٽ آهي.

خوشبوءِ اچي گلن جي، تنهنجي مزار تي،
هرڪو ماڻهو اچي ٿو تنهنجي ديدار تي،
"قلبي" چوي قرارتون، آهين لطيف سائين،
تنهنجي نظر پوي ٿي، آيل بيمار تي.

- شاهہ عبداللطيف ڀٽائيءَ جي شاعري الله جي وحدانيت، رسول پاڪ جو عشق، قرآن شريف جو تفسير ۽ انسانيت جو پيغام آهي. انهيءَ تي عمل ڪري انسان پنهنجي من مان ڪُسُ ڪڍي ۽ قلب کي اجاري سگهي ٿو.

اکر پڙهہ الف جو ٻيا ورق سڀ وسار،
اندر تون اجار پنا پڙهندين ڪيترا.

- هڪ جاءِ تي شاهہ سائين جن فرمايو آهي تہ:

روزو نماز اڻئي پڻ چڱو ڪم،
اهو ڪو ٻيو فهم جنهن سان پسجي پرينءَ کي.

انهيءَ منجهان ظاهر آهي تہ خدا سان گڏوگڏ انسانيت جي خدمت لازم آهي. ذڪايل جا ذڪ دور ڪري انسان روح کي پاڪيزه رکي سگهي ٿو.

تن تسبيح، من مڻيو دل دنبورو جن،
تندون جي طلب جون، وحدت سر وڄن،
"وحده لاشريڪ لہ"، اهو راڳ رڳن
سي سُتائي جاڳن، ننڊ عبادت انهن جي.

- شاهہ عبداللطيف ڀٽائي رحہ جا وڏا اصل حرات جا رهاڪو هئا.
- لطيف سائينءَ جي ولادت سن 1102 هجري بمطابق سن 1689ع ۾ ٿي.
- لطيف سائينءَ جا وڏا امير تيمور جي زماني ۾ سنڌ آيا هئا.
- لطيف سائينءَ پنهنجي حياتي جا 63 ورهيہ گذاريا.
- لطيف سائين جن ڪوٽڙي مغل ۾ ارڙهن سالن تائين رهيا.
- لطيف سائين شاديءَ کان پوءِ ڀٽ شريف تي لڏي آيا.
- سنڌي ٻوليءَ جو بنياد عظيم شاعر شاهہ عبداللطيف ڀٽائي رحہ وڌو.

- لطيف سائين کي جڏهن آخوند نور محمد ڀٽيءَ وٽ پڙهڻ لاءِ موڪليو ويو ته ان وقت سائينءَ جي عمر 6 سال هئي.
- لطيف سائين 62 سالن جي عمر ۾ ڪربلا جي زيارت لاءِ سنبريو.
- لطيف سائينءَ جي خاندان کي ڪوڙڙي مغل مان مرزا مغل بيگ لڏايو.
- لطيف سائين سن 1710 ع ۾ پهريون ڀيرو هنگلاج ويو ان وقت سندس عمر 21 سال هئي. ان وقت ڪراچي هڪ ننڍڙو ڳوٺ هو.
- لطيف سائين پنهنجي رسالي ۾ 1200 سنڌي لفظ استعمال ڪيا.
- پنجن تارن وارو تنبورو شاهه عبداللطيف ڀٽائي رح جي ايجاد آهي.
- لطيف سائينءَ پنهنجي زندگيءَ ۾ ٻه ڀيرا اهم دعائون ڪيون.
- (1) گلا ناچڻيءَ کي دعا ڪيائين سا وڃي سنڌ جي راڻي ٿي.
- (2) پنهنجي شاديءَ لاءِ دعا گهريائون.
- لطيف سائين پنهنجي زندگيءَ ۾ ٻه ڀيرا اهم بد دعائون ڏنيون.
- (1) مرزا مغل بيگ کي ڀِٽيو ته :

بيگ تنهنجي بيگي رهندي ڪوتڙي ڪانه،
اٿم آس الله ۾ تدل ماريئي مانه.

- هڪڙي ماڇيءَ کي پٽيو جنهن ڪو ناشائستا ڪم ڪيو.
- لطيف سائينءَ پنهنجي دور ۾ ٻه مسجدون ٺهرايون:

(1) ڀٽ شريف تي جنهن ۾ پاڻ ڪم ڪيائين.

(2) شاهه عبدالڪريم بلڙيءَ جي مزار پر ۾

- سنڌ ۾ جڏهن ڪٽڪ جو اڳهه هڪ رڳي جا ادائي مڻ هئوان وقت لطيف سائينءَ جي عمر 23 سال هئي.
- لطيف سائين انگريزي مهيني جي تاريخ 22 ڊسمبر تي وفات ڪئي.
- "رضوان حق" مان لطيف سائينءَ جي ابجد موجب وفات جو سال 1165 هه نڪري ٿو.
- لطيف سائينءَ جي روضي واريءَ مسجد تي هيٺ لکيل شعر آهي:

حسن حبيبن جو پسين جي پيهي،
ته توکي سيئي، پيون وڃن وسري

- شاهه صاحب جي شاعري عمده خيالن، چيده اصطلاحن، حوالن ۽ اونهو اپياس ۽ غرت پريل احساسن تي ٺي چٽيل آهي، سندس پيغام جهانن لاءِ عام ۽ عوامي آهي، جيڪو هر دور ۾ هر خاص و عام کي موهي ٿو.

جي تو بيت ڀائيان، سي آيتون آهين،
وڃيو من لائين، پريان سنڌي پار ڏي

- شاهه سائينءَ پنهنجي شاعريءَ ۾ پنهنجي دورانديش نظر سان زندگيءَ جي هر روپ کي فطرت جي هر رنگ کي، پنهنجي شاعريءَ ۾ محفوظ ڪيو آهي، سندس پيغام هڪ قسم جو الهام آهي. ✳

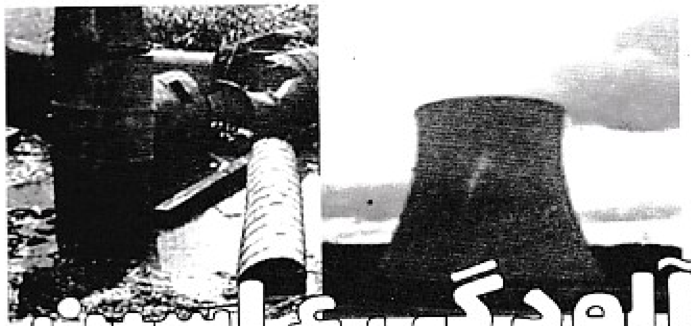

ڊاڪٽر نور علي غضنفر علي سمون
اسسٽنٽ پروفيسر
ڪميونٽي هيلٿ سائنسز اينڊ پبلڪ هيلٿ شعبو
محمدميڊيڪل ڪاليج، ميرپورخاص

ماحول جي آلودگي ۽ اسين

ماحول آلوده،
ڪيئن ڪريون خوش فضا،
غضنفر جي هي آهي سدا،
سوچيو ۽ سمجهو ٿورو ادا،
ڪيئن صحت مند رهون ۽ سگها.

آلودگي مان مراد اسان جي آس پاس ماحول ۾ ٿيڻ وارين خرابين جا نقصان آهن، جيڪي انسان ۽ هر ذي روح جي صحت تي اثر انداز ٿين ٿا. آلودگي:

- هوا ۾
- پاڻيءَ ۾
- آس پاس ۾ ڦهلجندڙ گندگيءَ سبب
- ۽ شور، گوڙ گمسان سان به ٿي سگهي ٿي

هوا کي آلوده ڪرڻ ۾، ڪارخانا، مشينون، گاڏيون ۽ سگريٽ ٻيڙي جو دونهون شامل آهن، اِنڪان علاوه ٻارڻ، گند ڪچرو جلائڻ / ساڙڻ سان به فضا آلوده ٿئي ٿي. گهر، بازار ۽ رستن جي گندگي ۾ گرد، غبار يعني دز ۽ مٽي، سبزين ۽ ميون جا ڇلڪا/ کلون، ردي ڪاغذ، ٻچيل ۽ ڳريل ڪاٺي جون شيون، ٻيون ڀڳل ٽٽل شيون شيشا، پلاسٽڪ، پٿر، وغيره پالتو جانورن جو فضلو شامل هوندو آهي، جنهن کي گند ڪچرو چئبو آهي. اگر گند ڪچري کي گهرن ۽ بازارن مان صاف نه ڪجي ته اِهو ڳرڻ ۽ سڙڻ لڳي ٿو جنهن جي ڪري، مکيون، مڇر ۽ جراثيم پيدا ٿين ٿا. ۽ بيماريون ڦهلائين ٿا. اِن جي لاءِ ضروري آهي ته گند ڪچرو مناسب طريقي سان ڊڳِ لائجي، جنهن جي لاءِ عموماً ڍنگي گند گاڏين جي ذريعي گند ميونسپالٽي جي گاڏين تائين پهچائين ٿا، يا ڪچرو ڍيرن تائين پهچائي اُڇلائين ٿا، جنهن کي وقتائتو ساڙيو ويندو آهي. ڪچرو ساڙڻ وارا هي سمجهن ٿا ته گندگي ختم ٿي وئي، حالانڪ، ڪچرو جلائڻ سان به انساني صحت بري طرح متاثر ٿئي ٿي.

اسان جي گهٽي آبادي ڳوٺن ۾ رهي ٿي، جتي ڪاٺو ڇچائڻ ۽ گهرن کي گرم رکڻ لاءِ ڪاٺيون، ياد ڪوئلو يا مينهن جا سڪل ڇيڻا ڏاهي، ٻارڻ لاءِ ڪم آندا ويندا آهن.

گند ڪچري جي ساڙڻ جو نقصان:

1. ڪچرو جلائڻ اکين، نڪ، گلي ۽ ڦڦڙن جي لاءِ نقصانده آهي، جنهن سان Asthma يعني دمُ ۽

الرجي ٿي سگهي ٿي.

2. اِن سان انسان ۾ چڙچڙائپ ڪاوڙ غصو ۽ طبيعت ۾ پريشاني پيدا ٿئي ٿي ۽ هو ڪوبہ ڪم صحيح نہ ٿو ڪري سگهي
3. ڪاربان ڊاءِ آڪسائيڊ گيس پيدا ٿئي ٿي
4. هوا کي ڪثيف ۽ خراب ڪرڻ ۾ هائيڊروڪاربان اهڙا ڪيميائي جزا آهن. جنهن مان هڪ جزو بينزين سان ڪينسر Leukemia ٿيڻ جو انديشو رهي ٿو.

اپاءَ:

- هر جاءِ ڦهليل ڪچرو بدنما لڳي ٿو گندگي ۽ بيماري جو باعث ٿئي ٿو. ان ڪري ماڻهن کي گهرجي تہ ڪچرو مناسب طريقي سان ٿيلهين ۾ بند ڪري پنگين جي حوالي ڪجي.
- ڪچري کي آبادين کان پري وڃي ڪري، ڪچري جي ڍير خندقن يا کڏن ۾ وجهجي ۽ بند ڪجي يا پورجي يا ان جي اندر ئي اندر جلائجي. اُن ۾ اهڙيون چمنيون لڳل هجن. جن سان دونهون گهٽ کان گهٽ هوا کي آلوده ڪري
- وڻ لڳايا وڃن
- ريڊيو ٽي وي ۽ اخبارن جي ذريعي ماڻهن کي جڳهہ جڳهہ ڪچرو اڇلائڻ ۽ ساڙڻ جي نقصان کان آگاهہ ڪيو وڃي تہ ماڻهو اُن تي احتياط ڪن ۽ صحت مند زندگي گذارين
- گند ڪچرو نہ جلايون – انساني صحت بچايون

آلوده پاڻي بيمارين جو سبب:

- پاڻيءَ جو ڦڙو ڦڙو انسان جي لاءِ آبِ حيات ۽ زندگي جي علامت آهي، اگر پاڻي جراثيمن سان آلوده آهي تہ انسان لاءِ بيماريءَ جو سبب بنجي ٿو.
- صاف پاڻي جي اهميت کان لاعلمي جي ڪري اسان جو ملڪ ڪيترن ئي بيمارين ۽ مسئلن جو شڪار آهي پاڻي جي آلودگي ڏيهون ڏينهن وڌندي وڃي، جنهن ڪري هيضو دست، ٽائفائيڊ، سائي ۽ بين ڪيترين بيمارين جو باعث ٿئي ٿو.
- انسان جو اُنهن بيمارين کان محفوظ رهڻ لاءِ ضروري آهي تہ پاڻي صاف سٿرو هجي ۽ جراثيمن کان پاڪ هجي پيئڻ جي پاڻي کي هميشه صاف ٿانون ۾ ڍڪي رکجي.
- پاڻي ڪڍڻ وقت احتياط ڪريون تہ ٿانوَ ۾ اندر هٿ نہ لڳايون اُن جي لاءِ وڏي ڊنڊي واري ڪٽري يا جگ يا وري ٽونٽي جي ذريعي پاڻي ڪڍجي.
- خاص ڪري بس اسٽاپن تي يا هوٽلن تي ناديون/مٽ جي صاف نہ آهن تہ پاڻي پئجي ئي نہ اُهو نقصان ڪار آهي. ان جي تري ۾ ڪچرو غلاظت ۽ سائو گاهہ يعني الجي اسان جي جسم لاءِ هاڃي ڪار آهي.
- گرمي جي موسم ۾ خاص ڪري، شربت ۽ ٿاڌل ڪپائڻ وارا پاڻي جو ڪافي استعمال ڪن ٿا. اُنهن کي گذارش ڪنداسين تہ صاف ٿانوَ استعمال ڪن، ۽ پاڻي پرڻ کان پهرين سندن هٿ بہ سٺي نموني صابڻ ۽ پاڻيءَ سان صاف ڪن، ۽ اُن کان پوءِ مشروبات ڏاهين. ۽ انهن کي صحيح نموني ڍڪي رکن

- ٽانڪي وغيره بہ ڍڪيل هجن ۽ پاڻي ڍڪيل جڳ يا گلاس ۾ وجهن.

شور، گوڙ گمسان کان بچاءُ:

- عمارت جي تعميرات الڳ بند حصو بنائي پوءِ ڪجي
- ڪارخانہ وغيره آبادي وارن علائقن کان ڪافي پري هجن
- وقتائتي صحت جي چڪاس هئڻ گهرجي
- احتياطي اپاءُ، شور کي گهٽائڻ جا نعم البدل هجن
- قانون سازي هجي تہ جيئن گوڙ گمسان گهٽ رهي.

ماحولياتي صفائي لاءِ بلخصوص نڪاسي آب،

- آبِ نڪاسيءَ جو نظام صحيح استعمال وارو هجي، جيڪو گهرن، بازارن، ڪارخانن جي آلوده پاڻي کي ڳوٺ يا شهر کان ٻاهر مناسب نڪاسي آب سان هجي تہ جيئن انسان وچرندڙ بيمارين کان محفوظ رهي، جيڪي خراب، هوا، خراب پاڻي ۽ آلوده ماحول جي ڪري ڦهلجن ٿيون.

سٺي صحت سينهي لاءِ:

- هميشه اٻاريل پاڻي/نلڪي جو تازو پاڻي استعمال ڪريو
- ڇڪ ڏيڻ ڪنگهڻ وقت پڪ ۽ مُنهن کي صحيح ڍڪيو
- سُٺي صحت لاءِ ڇهل قدمي ڪريو
- خود علاجيءَ کان پرهيز ڪريو
- پنهنجي ۽ ٻين جي سُٺي صحت لاءِ جڳهہ جڳهہ ٿُڪڻ کان پرهيز ڪريو
- سگريٽ نوشيءَ کان پرهيز ڪريو
- هٿ کي سُٺي نموني ڌوئي ۽ صاف رکو
- ٻاهران/بازاري ملڻ وارڪليل ۽ غير معياري کاڌن کائڻ پيئڻ جي شين کان پرهيز ڪريو
- هميشہ ڊاڪٽر جون تجويز ڪيل دوائون، اُن جي هدايت جي مطابق استعمال ڪريو
- تازو ۽ پڪل کاڌو استعمال ڪريو
- ڀاڄيون ۽ ميوه صاف پاڻي سان ڌوئي پوءِ واپرايو
- بيت الخلا مان اچڻ کان پوءِ هٿن کي صابڻ ۽ صاف پاڻي سان سٺي طرح صاف ڪريو
- گهر يا آفيس ۾ ڪچري لاءِ ڊسٽ بن جو استعمال ڪريو

اچو تہ پنهنجو ڳوٺ سڌاريون،
اچو تہ پنهنجو شهر سڌاريون،
اچو تہ پنهنجو وطن سڌاريون.

صحت، صفائي، جون ڇئون وايون،
اچو تہ پنهنجي صحت سنواريون
صحت جي تعليم غضنفر عام ڪرايون.

※

ڊاڪٽر فيض محمد ميمڻ
اکين جو شعبو
ايم. ايم. سي- ميرپورخاص

ڳاڙهي اک "Red Eye"

انسان پنهنجي اکين وسيلي، هن جهان جو جنسار ڏسڻ لائق بنجي ٿو قدرت جي حسين نظارن جي ديدار جهڙو ٻيو ڪو دل خوش ڪندڙ واقعو ٿي نه ٿو سگهي. الله تعاليٰ انساني چهري کي خوبصورتيءَ سان تخليق ڪيو آهي ۽ انساني چهري جو حُسن اکين جي ڪري نه رڳو ٻيڻو ٿو ٿئي پر انساني شخصيت جو محسور ڪندڙ اثر پڻ اکين جي وسيلي ٿئي ٿو. جنهن لاءِ حضرت شاهه لطيف ڀٽائي فرمايو آهي ته:

ڪٽي نيڻ خمار مان، جان ڪيائون ناز نظر،
سورج شاخون جُهڪيون، ڪوماڻو قمر،
تارا ڪتيون تائب ٿيا، ڏيکيندي دلبر،
جهڪو ٿيو جوهر، جانب جي جمال سين.

انساني اک، جنهن کي عربي ۾ عين، فارسي ۾ چشم ۽ هنديءَ ۾ نين (نيڻ) ڪوٺيو وڃي ٿو ان جي صحت قائم رکڻ لاءِ هر جتن ڪرڻ ڳجهائي ٿو. هن مضمون ۾ اسان اک جي طبعي معائني ۽ تڪليف بابت مختصر ذڪر ڪنداسون.

چوڻي آهي ته اک انسان جي جذبن/احساسن جي عڪاسي ڪري ٿي "Face is the Index of Mind" ان کان علاوه ڪائنات جي ٻاهرئين منظر ڏسڻ لاءِ به اک جي اهميت وڏي وڃي ٿي.

اللهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ-نور – نور آهي ته جهان آهي!

طب جي لحاظ کان ڏٺو ويندو ته ڊاڪٽر مريض جي شڪايت ٻڌڻ بعد ان جي تپاس شروع ڪندو آهي.

نبض تي هٿ رکي ان جي رفتار ۽ ڌڙڪو (Rhythm) معلوم ڪرڻ بعد روايتي طور (Routine) اک جو هيٺيون ڇپر (Eye lid) هيٺ ڇڪي ان جو رنگ ڏسندو. اکين جو رنگ ڪيترن ئي بيمارين جي نشاندهي ڪري ٿو:

(2) نارمل رنگ گلابي هوندو آهي

هيٺين حالتن ۾ رنگ ۾ تبديلي نظر ايندي:

(1) رت جي رطوبت (hemoglobin) جي گهٽ مقدار ۾ اک جي ڇاري جهڙي پردي (Conjunctive) جو رنگ ڦڪو ٿئي ٿو.

(2) مليريا جي گهڻي مقدار ۾ دوائن جي استعمال يا سائي جي بيماري (Jaundiced) ۾ اک جي چوڌاري سفيد پردي جو رنگ ڦڪو (Yellow) ٿي ويندو آهي. اهو جگر جي بيماريءَ جو اهڃاڻ آهي

(3) جگر جي خاص بيماري جنهن کي (Wilson's Ds) چئبو آهي. ان ۾ اک جي شفاف پردي (Cornea)

چوڏاري سائي رنگ (چلي وانگر) جوعڪس نظر ايندو. (K.F.Ring)

(4) ڪن دوائن جي گھڻي استعمال سبب اک جي رنگ ۾ تبديلي ڏٺي ويندي آهي. مثلاً Argyrols ڦڙن جي استعمال سان نيرو رنگ نظر ايندو

(5) جگر (Carotene) جي استعمال سان پيلو رنگ

(6) مارجينا (پنگ)جي استعمال سان اک ۾ سوڄ ۽ ڳاڙهاڻ پيدا ٿيندي

(7) ڪينسر جي دوائن ڪري اک جي سفيد پردي(Sclera) جو رنگ نيرو ٿي ويندو آهي.

(8) ڪاري موتئي ۾ (Glaucoma) Latanoprost دوا جي استعمال سان اک جي چاري جهڙي پردي (Conj) جو رنگ ناسي (Brown) ٿي ويندو آهي.

انهن حالتن کان سواءِ اک جي ڳاڙهاڻ (Redness) جيڪا نہ صرف مريض لاءِ پريشان ڪندڙ آهي، پر خود ماهر ڊاڪٽر (Eye Specialist) لاءِ لمحہ فڪر آهي، تہ ان جا سبب معلوم ڪري وقتائتو علاج تجويز ڪري، ڪنهن وقت اک جي ڳاڙهاڻ نظر لاءِ خطرناڪ هوندي آهي، ان جو هڪدم معائنو ڪري علاج شروع ڪجي.

علاج عام سبب هيٺ ڏجن ٿا:

(1) اک جي چاري جهڙي پردي جي سوڄ (Conjunctivitis)

(2) شفاف پردي جو زخم (Keratitis)

(3) سور وارو ڪارو موتيو(Ac: Glaucoma)

(4) ماڻڪي جي چوڏاري ناسي پردي جو زخم (Irido. Keratitis)

(5) اک جي دوڏي(Eye Ball) چوڏاري سفيد پردي جي سوزش (Episeleritis)

(6) اک جي اندرئين حصي جي سفيد پردي جو زخم (سوڄ) (Scleritis)

(7) اک جي شفاف چاري هيٺان رت جو وهڻ (Sub conj: Hemorrhages)

(8) شفاف پردي(Comea) يا چاريءَ (Conje) ۾ ڪنهن ٻاهرئين مادي(Foreign Body) جو ٽنبجي پوڻ.

مريض کان ضروري معلومات (History) حاصل ڪرڻ بعد، اک جو معائنہ ڪري فوراً مناسب علاج طرف ڌيان ڏجي تہ جيئن مريض جي تڪليف گهٽ ٿئي.

بقول هڪ تجربيڪار استاد "Patients are the Books" ان ڪري ميڊيڪل جي شاگردن کي تلقين ڪندس تہ ڪلينيڪل پوسٽنگ دوران OPD ۾ ايندڙ مريضن سان لهہ وچڙ ۾ اچي، ان کان ضروري معلومات حاصل ڪري ماهر استاد جي نگراني ۾ مرض بابت ڄاڻ حاصل ڪجي ۽ مناسب علاج تجويز ڪجي. سکڻ جو بهترين طريقو آهي "When I do, I know" اٿين نمبر سبب تي وڏي زور ڏيندي عام ماڻهو ۽ واسطيدار شاگرد/ ڊاڪٽرن کي پرزور اپيل ڪندس تہ اک جي زخمي (Injury) ٿيڻ بعد پنهنجي طرفان ڪابہ دوا يا هٿ ٺوڪي علاج کان پرهيز ڪجي. اک کي صاف پاڻي سان ڌوئي (Swab) صاف ڪپڙي سان ڍڪجي ۽ فوراً اکين جي ماهر ڊاڪٽر کان علاج ڪرائجي.

تجربہ ۾ آيو آهي تہ ٻهراڙي ۾ فصل جي ڪٽائي وقت، گاهہ ڪنديءَ مزدوري دوران يا (Welding) ڪندي اک جي زخمي ٿيڻ جو وڌيڪ امڪان ٿئي ٿو.

رسم مطابق اک ۾ ماڪيءَ جو استعمال سرمو وجهڻ يا گلاب جي خوشبوءِ جهڙي دوا (Betnesol Drops) جي

وجهڻ ڪري اک جو وڏو نقصان ٿئي ٿو. ايتري قدر جو ڏسڻ جو عمل تہ ختم ٿيو وڃي پر اک جو پردو بہ ڦاٽي پوندو آهي (perforation) ۽ اک جو دوڏو (Eye ball) ننڍو ٿي ويندو آهي. اهڙي طرح ماڻهو هميشه لاءِ معزور / عيبدار ٿيو وڃي، پهراڙي ۾ اهو بہ ڏٺو ويو آهي تہ اک جي زخم جو (Foreign body) جو علاج هڪ جاهل عورت جيڪا صفائي جي اصول کان بہ بي خبر هوندي آهي ان کان ڪرايو ويندو آهي. ان عورت کي خانداني هديہ ۾ مليل معالج سمجهو ويندو آهي. پنهنجي ڪن جي والي يا پنڙو سان اک جي شفاف پردي (Cornea) تي گهمائيندي آهي (Rubbing) ڪندي آهي. ان کان وڌيڪ مصيبت هيءُ بہ ڪندي آهي جو پنهنجي زبان بہ استعمال ڪندي آهي. اهڙي طرح سان هڪ مريض جو حال هيٺو ۽ سور ٻيڻو ڪري وڃي ماهر ڊاڪٽر تائين پهچندو آهي، پوءِ ان جو ڇا حشر ٿيندو مريض ڄاڻي ۽ ڊاڪٽر ڄاڻي!

ميں جانوں اور ميرا خدا جانے

وماتوفيقي الا باللہ

ڊاڪٽر نور علي سمون
A.P MMC_PAK

ذيابطيس / ڊائبيٽيز

ذيابطيس جو مطلب رت ۾ شگر جي ليول جو وڌي وڃڻ. ذيابطيس جو شمار دنيا جي عام بيمارين ۾ ٿئي ٿو. پاڪستان اُن ملڪن ۾ شامل آهي جن ۾ ذيابطيس جو مرض تيزي سان ڦهلجي رهيو آهي. مگر سٺي ڳالهه اها آهي جو هن بيماري جي باري ۾ شعور ۽ معلومات ۾ اضافو ٿي رهيو آهي.

ذيابطيس جي بروقت تشخيص ۽ باقاعده علاج اهم آهي. ڇو جو تشخيص ۾ تاخير ۽ علاج ۾ ڪوتاهي پيچيدگين کي جنم ڏئي سگهي ٿي. جن جو تعلق جسم جي مختلف حصن سان هوندو آهي. اُن ۾ قابلِ ذڪر مرض قلب، گرده، مثاني، اکين جا مرض ۽ اعصابي تڪليفون شامل آهن. اسين ائين به چئي سگهون ٿا ته اگر ذيابطيس جو مناسب ۽ بروقت علاج نه ڪيو ويو ته بيماري بيشمار پيچيدگين جو باعث بنجي سگهي ٿي.

ذيابطيس جا ٻه قسم آهن: (1) پهريون قسم IDDM يا Type_I

(2) ٻيو قسم NIDDM يا Type_II

Type_I: ۾ مبتلا مريض جو لبلبو انسولين ٺاهڻ بلڪل بند ڪري ڇڏي ڏي، اهڙي مريض کي انسولين جا ٽڪا/ سُيون لڳائڻيون پون ٿيون

Type_II: ۾ مبتلا مريض جو لبلبو يا ته گهٽ مقدار ۾ انسولين ٺاهيندو آهي يا پوءِ اُن جي انسولين پنهنجو ڪم صحيح طرح ڪم ڪري نه ٿي سگهي. پنهي حالتن ۾ مريض کي دوا استعمال ڪرڻي پوي ٿي.

ذيابطيس جي مريض کي پنهنجي HB A/c باقاعدگي سان ٽيسٽ ڪرائڻ گهرجي ۽ رت ۾ شگر جي ڪنٽرول جو اندازو رکجي، صحيح ڪنٽرول جي صورت ۾ توهان جو HbA/c "7" يا ان کان گهٽ هئڻ گهرجي.

خُون / رت ۾ شگر جي مقرره حد جو تفصيل: صبح نيراڻي / ناشتي کان پهرين 80_120 my /dl =126 mg /dl

ناشتي جي ٻن ڪلاڪن کان پوءِ 120_200mg/dl _ 200 mg/dl

اِن کان وڌيڪ خون ۾ شگر جي ليول جو مقصد شگر ڪنٽرول نه آهي. ذيابطيس جو ڪنٽرول:

ذيابطيس جي علاج جا ٻه اهم مقصد آهن: (1) سُٺي صحت کي برقرار رکڻ (2) خون ۾ شگر جي سطح کي اعتدال تي رکڻ جي لاءِ هيٺين 3 بنيادي اصولن کي اپنائڻ:

(1) پنهنجو خيال خود رکڻ، يعني هڪ معتدل طرز زندگي، جنهن ۾:

- غذا
- ڪم
- سير و تفريح
- مناسب ورزش
- ۽ پرسڪون ننڊ شامل آهن.

(2) غذا – هڪ اهڙي مناسب غذا جيڪا اوهان کي غذائيت ۽ توانائي فراهم ڪري ۽ ذهني ۽ جسماني طور تي ٺيڪ ٺاڪ رکي.

(3) علاج۔ دوائون علاج طور ان وقت شروع ڪجن جڏهن صرف پرهيز ۽ ورزش سان خون ۾ شگر جو مقدار ڪنٽرول نہ ٿئي.

ياد رکو! موٽاپو/ ٿولهہ جو علاج ذيابطيس جي علاج ۾ اولين اهميت جو حامل آهي. ڇاڪاڻ جو شگر جي نظام جي خرابي وزن گهٽ ڪرڻ سان ٺيڪ ٿي سگهي ٿي ۽ انسلين پنهنجو ڪم وڌيڪ موثر طريقي سان ڪري سگهي ٿي.

- جڏهن غذا جي اندر ڪيلريز جي گهٽائي واقع ٿئي ٿي تہ جسم جي چربي ڳري ڪري ڪيلريز مهيا ڪري ٿي
- هِن عام تاثر کان نجات لاءِ ضروري آهي تہ شگر جا مريض زمين جي اندر پيدا ٿيڻ واريون سبزيون يا غذائون نہ ٿا کائي سگهن.
- کير ۾ موجود حيواني چربي صحت جي لاءِ مفيد نہ آهي. اِن جي لاءِ توهان بغير چڪنائي / سڪِم واري کير کي ترجيح ڏيو.
- کنڊ وزن جي حساب سان سڀ جي سڀ جسم ۾ جذب ٿي ڪري خون ۾ شگر وڌائڻ ۽ چربي ۾ تبديل ٿيڻ جي صلاحيت رکي ٿي.
- خوراڪ ۾ پروٽين جي مناسب پهچ جي لاءِ گوشت کان وڌيڪ داليون ۽ سبزين تي انحصار / گذارو ڪرڻ گهرجي.
- ذيابطيس جي غذائي علاج ۾ گوشت جو ڏياده استعمال شريانين ۽ دل جي بيمارين جو باعث بڻجي ٿو.
- کنڊ جي بجاءِ کنڊ جو متبادل استعمال ڪريو.

ڊاڪٽر مولا بخش لغاري
اسسٽنٽ پروفيسر بايو ڪيمسٽري

منهنجي پسنديده شخصيت:
شمس العلماء ڊاڪٽر عمر بن محمد دائود پوٽو

سنڌ جي مايہ ناز فرزند شمس العلماء ڊاڪٽر عمر بن محمد دائود پوٽي جو جنم دادو ضلعي جي هڪ ننڍڙي ڳوٺ ٽلٽيءَ ۾ ٿيو. سندس ولادت تاريخ 25 مارچ 1896 مطابق 9 شوال 1313 هہ اربعہ جي ڏينهن ٿي. سندس والد جو نالو "محمد خان" ۽ امڙ جو نالو "مائي صفوران" هو.

ڊاڪٽر صاحب پنهنجي آتم ڪهاڻي ۾ لکي ٿو تہ سندس ماءُ جنديپيهندي هئي، ان مان گذران ٿيندو هيو هوءَ نهايت بهادر عورت هئي، ڊاڪٽر صاحب لکي ٿو تہ هيءَ جيڪا بہ استقامت ۽ ذهانت وٽس آهي، سا سندس والده جي ڪري ئي آهي. اڳتي هلي پنهنجي آتم ڪهاڻيءَ ۾ پنهنجي والد صاحب جي باري ۾ لکن ٿا تہ "بابو سائين" هڪ نهايت سادو مزاج، نيڪوڪار متقي ۽ سخي مرد هو. ڊاڪٽر صاحب جن سنہ 1903ع ۾ 7 سالن جي عمر ۾ پرائمري سنڌي اسڪول ۾ داخل ٿيا، جتان شروعاتي تعليم 1910ع ۾ پاس ڪيائون. علامہ دائود پوٽي ان کان پوءِ لاڙڪاڻي واري هڪ مدرسي ۾ تعليم ورتي، اتان پنجون درجو پاس ڪري وڌيڪ تعليم لاءِ گورنمينٽ مدرسہ هاءِ اسڪول نوشهرو فيروز ۾ دخلا ورتائين.

مئٽرڪ (ان وقت ستون درجو) جو امتحان سنڌ مدرسہ ڪراچي مان پهرين نمبر ۾ ڪامياب ٿي "سنڌ نمائش انعام" جو حقدار ٿيو. 1921ع ۾ سنڌ گورنمينٽ ڊي جي سائنس ڪاليج ڪراچيءَ مان B.A فرسٽ ڪلاس ۾ پاس ٿيو. 1923ع ۾ M.A جي امتحان ۾ بمبئي يونيورسٽي مان پهرين پوزيشن حاصل ڪري "چانسلر ميڊل" وصول ڪيا. اهڙي نمايان پوزيشن جي ڪري ان وقت جي انگريز سرڪار معرفت ڪيمبرج يونيورسٽيءَ جي ايميونل ڪالج ۾ داخلا ورتائين. 1927ع ۾ هڪ تحقيقي مقالو "عربي شاعري جو فارسي شاعري تي اثر" لکي Ph.D جي ڊگري حاصل ڪيائين. هي پهريون سنڌي Ph.D ڊگري حاصل ڪندڙ ۽ چوٿون سنڌي شمس العلماء جو لقب حاصل ڪندڙ شخص هيو.

علامہ صاحب کي ان اعليٰ مرتبي تي پهچڻ لاءِ کهڙا ڪشالا ڪڍڻا پيا، ان باري ۾ هن پنهنجي آتم ڪهاڻي ۾ هن ريت بيان ڪيو آهي تہ: صفحي 35 تي لکن ٿا تہ "اسان جي مسڪيني ايتري حد تائين پهتل هئي جو چوٿين درجي جي ڪتابن خريد ڪرڻ لاءِ موڪل جي وقت تغاريون کڻيون پيون. پر ڪنهن جي اڳيان محتاجيءَ جوهٿ ڪين ٽنگيو" کي ڪتاب وري پاڻ هٿ سان لکي پنهنجي تعليم جاري رکيائين. پاڻ اڄ ڪلهہ جي شاگردن وانگر نہ هئا جو سڀ سک/ سهولتون موجود هجڻ باوجود پڙهائي لڪائي ڌانهن ڌيان نہ ٿا ڏين!

منهنجي مضمون لکڻ جو مقصد تہ کهڙيون بہ حالتون مشڪل هجن، پر محنت ۽ اورچائي سان انسان اعليٰ تعليم (مرتبو) حاصل ڪري سگهي ٿو. سنڌ جي هن عظيم فرزند جي وفات 22 نومبر 1958ع تي ٿي. کيس پٽ شاهہ ۾ شاعرن جي سرتاج حضرت شاهہ عبداللطيف ڀٽائي جي مقبري ٻاهران ڏکڻ طرف دفنايو ويو.

پاڻ وڏا تعليمي ماهر، مشرقي ٻولين جا ڄاڻو انشاءِ پرداز نقاد ۽ شاعر هئا. پاڻ پنهنجي محنت، جوش جذبي ۽ ايمانداري سان سنڌ جو نالو روشن ڪيائون!

الھ ورايو ٻھڻ – جھول ضلع سانگھڙ

مکيءَ کان موکلاڻي

ناري جو ناز سنگھارن جو سينگار ملاحن ۽ مهيارن جو مرڪ، شڪار جي سرزمين، سانگيئڙن جو ست سيل، جهانگيئڙن جو جَهنگُ ۽ ننگُ، جوڏن جي جُوءِ، "مکي اهڙو ڏيهه، جنهن ڏکر ڏنو ڪين ڪي! شاهه ڀٽائي جي سُر سارنگ جي تمثيل مکي" اُڀرندي ناري جي صدين جي تخليق، مکي ٻيلو ۽ مکي ڍنڍ مالوندن جي وسيع چراگاهن تي مشتمل علائقو جنهن کي جيڪڏهن Land of Plenty چئجي تہ غلط نہ ٿيندو. ڇو جو جتي اَن ارزان هجي، جتي کير مکڻ ۽ ماکي عام جام هر ماڻهوءَ کي ميسر هجي، جتي گوشت ۽ مڇي ضرورت آهر سڀ ڪنهن کي ملي سگهي تہ اهڙي سرزمين کي ڀلا ٻيو ڇا چئجي. هن مکيءَ کي جنهن ناز پرور ناري صدين جي وهڪري بعد وجود ۾ آندو اهو نارو پنهنجي تاريخي تسلسل ۾، هاڪ وهندڙ هاڪڙي، ڍوري پُراڻ، مهراڻ، ستلج، سرسوتي، ريڻي ۽ واهندا جهڙن واهڻ سان واسطو رکي ٿو. هڪ روايت موجب ويدڪ زماني ڏاري جمنا ندي بہ هاڪڙي ۽ ناري جي حاضري ڀريندي هُئي. سانگهڙ ضلعو هونءَ بہ درياهہ شاهہ جي ڪيترن ئي ٻين واهڙن ۽ واهوندن جو علائقو پئي رهيو آهي، جتي هميشه کان آب اگوندرو موجود هوندو هو ڪلهوڙن جو دور حڪومت، سندن ڪوٽايل شاهي واهن ۽ زراعت جي شاهوڪاري ڪري مشهور آهي، انهن مان ڪيترائي واهہ هن علائقي ۾ وهندڙ هُئا، جن ۾ پوءِ مير صاحبن جي حڪومت ۾ بہ ڪجهہ قدر اضافو ٿيو.

نارو جيڪو صدين کان هن علائقي کي شاد ۽ آباد رکندو پيو اچي، ان جي ڪنارن ۽ ڍنڍن سان وابستہ انساني آبادي، سنڌ جي ثقافت ۾ نرالي نوعيت رکي ٿي، ماڻهن جي ڪرت، سندن ڪاڌي خوراڪ، چوڻ ماڻ جي خاص صورتحال ۽ ٻولي جي اُڻ لکي جداگانہ لهجي ۽ ڍار سبب نارو سنڌ جي ثقافت ۾ پنهنجو جداگانہ رنگ رکي ٿو هالا جا ماڻهو جڏهين سانگهڙ ڏانهن ايندا آهن تہ چوندا آهن تہ "ناري ڏا وڃون!... ۽ مکيءَ جا ماڻهو جڏهين هالا يا حيدرآباد ويندا هُئا تہ چوندا هُئا تہ "سنڌ ڏا وڃون" مکي ۽ نارو جيتوڻيڪ سنڌ جي ثقافت جو ئي حصو آهي، پر ڍنڍن جهنگن، ٻيٽن، ٻيلاٽين ۽ ڀٽن، گاهن ۽ چراگاهن جي ڪري هتي، ميهارن جي جيوت جو هڪ خاص نمونو نظر ٿو اچي، جيڪو ٻين هنڌن ماڳن کان ڪجهہ قدر فرق رکندڙ پر ڏاڍو دلچسپ آهي هتي جا پاڳيا ۽ سندن پاڻ مکيءَ جي خاص سڃاڻپ آهن. هن علائقي جا ميهار ۽ مالوند سوين مينهن، ڀورين ڀٽارين جا ڌڻي، پنهنجي جُوءِ جا ڌڻي، پنهنجي جُوءِ جا وڏا مالدار ۽ مان وارا سمجهيا ويندا آهن. هر ڪنهن ذات جو ڳوٺ، گام، سندن مال چارڻ جي ايراضي ۽ علائقہ صدين کان وٺي ورهايل ۽ مقرر ٿيل آهن. هر ڪنهن ذات قبيلي جا خاص نشان Symbol جيڪي سندن جانورن جي جسم تي ڏاڳيا ويندا آهن. هتي جي مينهن جا ڌڻ پنهنجي جوءِ ۾ پنهنجو پاڻ چرڻ ويندا آهن ۽ مهل تي وري اچي پاڻ ڀيڙا ٿيندا آهن. جتي پاڳيا، کير ڏُهي وري کين ڇڏي ڏيندا آهن. مخصوص مدن ۾، گاهہ جي نوعيت موجب پاڳيا پاڻ بہ تبديل ڪندا رهندا آهن. هتي ماڻهوءَ جي حيثيت سندس مينهن جي تعداد موجب سڃاتي ويندي آهي. هتي جا ماڻهو پنهنجي کاڌ-خوراڪ ۽ نطرت سان هم آهنگ زندگي گهارڻ ڪري، جاڻا جوان، صحتمند ۽ سنرا لڳندا آهن. سندن دليون پڻ مکيءَ جي شاهوڪاريءَ وانگر وڏيون، وسيع ۽ سخاوت سان ڀرپور هونديون آهن. هنن وڏاڻن ماڻهن وٽ کير ڀٽارو وڪڻ عيب سمجهيو ويندو هو. هتي جي مردن وانگر مايون سڀ "راڻيون پنهنجي راڄ جون، جتي سندن مينهون چرن موڪ". اُتي هي سرهيون سنگهاريون، مال جي

ڏهڻ، وچين ۾ پاڏن جي سنيالڻ، کير جمائڻ ۽ کير ولوڙڻ جي ڪم ۾ هميشہ پنهنجي مردن سان همراهي هونديون آهن. هتي پرهہ ڦٽيءَ ويل، جڏهين ڏٺري جون شاهي چاڏيون ولوڙبيون آهن، تڏهين ياڳين جا پاڻ ولوڙي جي جُهو – جهُو واري آواز سان گونجڻ لڳندا آهن. ان موقعي لاءِ حضرت عبداللطيف فرمايو آهي:

پرهہ جو پٽن تي، ڪن ولوڙا وايون،
مکڻ پري هٿڙا، سنگاريونس ايون،
ساري ڏهن سامهون ٻولايون رانيون،
ٻانهيون ۽ ٻايون، ڪي سُنهن پاهنجي.

هتي جا ميهر ڪنهن زماني ۾ ڇُونسي جو پٽڪو ۽ چوُنسي جي گوڏا، اڇو بيالن وارو پهراڻ پهريندا هُئا. هتي جي ماين کي اُلهي ڪُلهي چانديءَ جي چوڙ سندن نڪ تي ٻُولو سندن لباس، هٿونگيءَ جا چُريل پڙا (هاڻ گربيءَ جون سلوارون) ٻانڊٽيون پوتيون ۽ مٿان سندن ٺي هنرمند هٿن جي پرت سان پريل گج، جن لاءِ شاعر چيو آهي تہ: "گجرين سونهن گج" اهي سڀ سندن سونهن ۽ سونپيا کي وڌايون ڇڏين. ناري جي نارين کي رليءَ جي هنر ۾ وڏو ملڪو حاصل آهي. خاص ڪري گُنب وارين رلين ٺاهڻ ۾ سندن ثاني ناهي.

مکيءَ جا ماٺهو فطرت جي هنج ۾ پلجندڙ، فطرت سان هم آهنگ حياتي ماٺيندڙ ميهار ڪڇرين جا ڪوڏيا آهن. سندن مال يعني مينهن بذات خود هڪ بي پرواهہ جانور آهي، هلڻ چلڻ ۾، چرڻ پيئڻ ۾ نهايت آرام سان هلندي ڏسبو آهي. ويتر گرمين ۾ تہ گهڻو وقت پاڻيءَ ۾ ويهي وسرام ڪندڙ جانور جو ڊراڙ ۽ ڏٽي پڻ اُن وانگر آرام سان هوندو آهي. اهوڪراڙ وانگر تڪڙو ڊوڙندڙ ۽ پڇندڙ ماڻهو نہ هوندو آهي. تنهنڪري ميهار ماڻهوءَ وٽ وندر لاءِ گهڻو وقت موجود هوندو آهي. پوءِ چاهي عشق هجي يا ڪچهري، ان ڪري ياڳين جا پاٽا، خاص ڪري سياري جي مند ۾ مچ ٻاري ڪچهرين ڪرڻ سان آباد هوندا آهن. سندن من ۾ موسيقي سمايل هوندي آهي. اها ان طرح جو سندن مينهن کي ٻڌل چڙن جي چونگار سندن ٻاروتڻ کان ڪنين پيل هوندي اٿن. تنهنڪري اهي ڏٽي ۽ ڏنار راڳ ڏانهن تہ راغب هوندا ئي آهن. مينهن جا ڊرڙا چڙن جي چونگار سان گڏ جڏهن پهاڙي سُر ۾ "آهو آهو – آهو! جو آواز ڪڍي ڏڻ اڳيان هلندا آهن تہ سندن سچو ڏڻ اُن آهنگ ۽ سريلي صدا جي پويان خود بخود هلڻ شروع ڪندو آهي. ميهارن جي هن صدا جي جادوءَ جو سيني پوريون ماٺڪيون، چالون ۽ پٽاريون خاص ادا سان جواب ڏينديون آهن.

سو اهڙي وايو منڊل ۾ ياڳين جي پاڻ تي جڏهن ڪنگور جي ڪوڪ جاڳندي آهي، تڏهين نڙ بيت جون ڪچهريون پنهنجي جوڀن تي هونديون آهن. مکيءَ جا ناڙي خاص رکي، لانڌر ذات جا ماڻهو پنهنجي انهيءَ فن ۾ يڪتا هوندا آهن. اُهي جڏهين "وڍيل ٽي واڪا ڪري، ڪُنل ڪوڪاري" جي مصداق پنل رات ۾ نڙ وڄائيندا آهن تڏهين اهو آواز ۽ اها ڪنگور جي ڪوڪ پري پري تائين ٻيلي ۾ ٻُرڻ لڳندي آهي. مٿان وري ان سان گڏ ٻيتائي سانوڻ نقير، بچائي فقر رند ۽ مريد ٻهڻ جي بيتن جا داستان الاپڻ شروع ڪندا آهن. تڏهين ٻڌندڙن جي دلين ۾ عشق جو آهون گونجڻ لڳنديون آهن. ناري جا ماڻهو نڙ بيت جا ملوڪ ماڻهو آهن، اهو ميهارن جو مخصوص فن آهي. "ناري جي مچي" وارو لوڪ گيت تہ هر ڪنهن ٻڌو آهي پر ناري جي نڙاين جي هڪ خاص عشقيہ ڦوڪ "صابل" ملڪان ملڪ مشهور آهي. جنهن ۾ هيءَ جملو / فقيرو نڙ جي سُر ۾ آلاپيو ويندو آهي "صابل ڙي، ڳاڙهو چولو پاءِ، دير نہ لاءِ! _ هتي جا ناڙي جڏهين هيءَ ڦوڪ وڄائيندا آهن تہ انهن ميهارن کي سندن سهڻيون صابلون ياد اچي وينديون آهن.

مڪيءَ جي سرزمين تي نہ رڳو ماڻهو خوش ۽ خوشحال آهي پر هتي جي جهنگلي جيوت ڦاڙها، ۽ ٻيا انيڪ جانور بہ جهنگ جي پناهہ ۾ پلجندا هُئا، هتي واڳوءَ ، سيسر لُڌڙا، ڍنڍين ڍورن ۾ موجود آهن. اڪثر ڪري ڍنڍين جا ڪنارا ۽ گاهہ جا ميدان سدائين سر سبز نظر ايندا، مڪيءَ جي ٻيلي ۾ ٻيرن جا ڦِڪا گُلَ ۽ ڪنڊيءَ جا سونهري مڇُر پنهنجي پنهنجي مند ۾ هڪ سهڻو منظر پيش ڪندا آهن. هتي جي ڍنڍين ۾ پبڻ جي پنن مٿان "ڪنول"جا گُل، ڪُليءَ آسمان هيٺ نيري پاڻيءَ جي لهرن ۾ هڪ عجيب رومانٽڪ لقاءَ ڏيکاريندا آهن. هتي جون واٽون ۽ پيچرا سائي گاهہ ۽ ڪٽوريءَ جي خوشبوءِ سان واسيل لڳندا، هتي کو مُنهن ميرو ماڻهو ڪونہ ڏسبو. مڪيءَ جي سرزمين سندن سڀ ضرورتون پوريون ڪريو ڇڏي. ايتري قدر جو هتي جي ماڻهن کي ڪو لوڻ خريد ڪرڻو ٿو پوي نہ ڪو صابڻ. هتي جون مايون ڍنڍين مانڪارو ڪيڍي، ان سان ڪپڙا ڌوئي اڇا اُجرا ڪنديون آهن. مڪيءَجا ماڻهو نہ ڪنهن جا قرضي نہ ڪنهن جا هٿ وسيڪ. مڪيءَ جي پون ۽ سندن پرم ٿي رکي.

مڪيءَ جي زمين پنهنجي طبعي تقسيم موجب هڪ نرالو توازن ٿي رکي. هتي جي زرعي زمين بغير مصنوعي پاڻ جي، تمام پلي اُپت وارا فصل ٿي اُپائي، جنهن لاءِ ڪنهن سُگهڙ چيو آهي تہ "اها جوهر جوُءِ جتي ٿئي پنجڪٽي پيدا" يعني هتي ڪٽڪ، جوئر، ٻاجهري، مڪئي ۽ چانور جهڙا فصل ٿيندا آهن. ميرن جي صاحبيءَ ۾ جڏهن سانگهڙ ضلعي جا ڏاکڻي علائقي ۾ ربيع جو فصل ڪونہ ٿيندو هو تڏهن بہ مڪيءَ جي ماڻهن وٽ ڪٽڪ جي پوک ٿيندي هئي. هيءَ هڪ تاريخي حقيقت آهي تہ مڪيءَ جي ماڻهن نہ تہ ڪڏهن ڏڪار ڏٺو آهي نہ ڏرت نہ ڪو ڏاڍ. مال ۽ زراعت کان پوءِ مڪيءَ جو ملڪ "بهہ. مڇي ۽ لوڙهہ سمي ويندا سوڪڙيءَ" جي مصداق هتي جي ڍنڍين ۾ ملنڊڙ مڇي نہ رڳو سنڌ ۾ مشهور آهي پر لاهور وارا ماڻهو بہ هن مڇيءَ کي شوق سان کائين ٿا........

هن سرزمين جي ماڻهن جي خوش نصيبي لاءِ شاهہ صاحب فرمايو آهي تہ:

"اڳڻ تازي، ڀر ڳنڌيون، پڪا پٽ سونهن"

هيءَ مڪيءَ جي سرزمين 1942ع واري حر تحريڪ ۾ هڪ دفعو وري انگريز سامراج خلاف گوريلا جنگجي ميدان جو مرڪز بنجي وئي. هن علائقي جي بهادرن هتي انگريزي فوج جو مڙسيءَ سان مقابلو ڪري تاريخ ۾ پنهنجو نانءُ رقم ڪرايو. اُن زماني ۾ انگريز مڪيءَ جي مٿان هوائي جهازن جي مدد سان بمباري ڪئي، جنهن ۾ سوين ماڻهو شهيد ٿيا، هزارين جانور مارجي ويا. هتي جي ماڻهن جا ڳوٺ ڦِتي ويا، مال رُلي ويو. هزارن جي تعداد ۾ مرد خواه عورتن کي انگريز گرفتار ڪري قيد و بند ۾ قابو ڪيو.

جڏهن آزاديءَ جو واءُ وريو تڏهين، مڪيءَ جا ملوڪ ماڻهو قيد و بند کان آجا ٿي مڪيءَ جي پونءَ کي اچي پاڪرين پيا. وري ڳوٺ آباد ٿيا. وري پاڳين جا پاڻ، ڇڙن جي چونگار سان گونجي اُٿيا. مڪيءَ جي ماڻهن وري همت ڪري هن سرزمين کي اچي آباد ڪيو.

اُها مڪي جنهن تي سنڌ جي تاريخ کي ناز هيو ٻيهر آباد ٿيڻ کان پوءِ ڏينهون ڏينهن ترقي ڏانهن گامزن هئي، هتي جي زرعي پيداوار ۾ تمام گهڻو اضافو ٿي رهيو هو ساڳئي وقت مڪيءَ جي مڇيءَ جو مارڪيٽ پڻ وڌندڙ هو. مال وند ماڻهو بہ وڌيڪ خوشحاليءَ ڏانهن وڌي رهيا هُئا. سندن کير لاءِ مارڪيٽ موجد ٿي رهيو هيو. سندن ميهنن جون تمام وڏيون قيمتون ٿي پيون هيون.

مڪي جيڪا سانگهڙ واسين لاءِ خوشحاليءَ جو مثال هُئي. اُن کي جيڪڏهن ڪنهن منو ٿي گهُريو تہ اهو صرف

انگريز هو جنهن جي دل تي مکي داغ وانگر هُئي، ڇاڪاڻ تہ مکيءَ جون ڏينڍن، مکيءَ جو ٻيلو مکيءَ جون ٻيٽون، اهي سيٺي حر تحريڪ جي ويڙهاڪن لاءِ وڏي پردي ۽ پناهہ جي برابر هيون. شايد انگريز هتي سندن پوئلڳن کي اها وصيت ڪري ويو هو تہ هُون ان مکيءَ کي مٽائي ڇڏين.جيڪا آزاديءَ جي تحريڪ جو مرڪز هُئي. تنهنڪري اهڙن پاڙهيرين پڄڻ کيو تہ مکي کي ڪيئن مارجي، اُن لاءِ "چوٽياري ڊيم" جو بهانو بنايو ويو ۽ مکيءَ جي، جهنگلي جيوت خواه انساني سماجي معاشي صورتحال جو خاتمو ڪرڻ لاءِ عالمي بئنڪ کان مدد ورتي ويئي. ولايت مان هڪ دفعو وري گورا انجنيئرن ۽ صلاحڪارن جو ويس مٽائي، هتي وارن ڪارن انگريزن سان گڏجي پرگهٽ ٿيا. ماڻهن کي نام نهاد ترقيءَ جا ڏٺا ڏنا ويا. هارين، زميندارن، مالوندن ۽ ميربحرن کي تمام گهڻن ڏوڪڙن جا آسرا ڏنا ويا. ۽ مکيءَ جا سادا سٻاجها ماڻهو ان چڪر ۾ ڇوڪنيا قابو ٿي ويا چند ڪاغذي ڏوڪڙن تي پنهنجي سون اپائيندڙ زمين ڊيم جي حوالي ڪرڻ قبول ڪيائون.

ماڻهن کي منجهائڻ لاءِ ديس پرديس جا وڏا ڏوتا، هتي آندا ويا ڪي NGO جي ويس ۾ آيا. "نيت بُريءِ ٻولي ٻاجهاري ۽ ڏين ٻري واري پهاڪي وارا ماڻهو" هتي اچي ڪوڙ ڪمائي ويا. ڪامورا مکيءَ کي ڦُر جو مال سمجهي ڪڙڪي پيا. مکيءَ جهڙيءَ سهڻيءَ کي ياڳا ڪري لکن ڪروڙن جي صورت ۾ ڪائي هضم ڪري ويا. هن ڪم ۾ ڪنهن بہ گهٽ ڪان نہ ڪئي. فقط چند جهيڻا آواز هئا. جن احتجاج ۽ اعتراض جاري رکيو پر حق ۽ سچ جي آواز کي جاهل ۽ جاگيردارانہ سوچ رکندڙن گهُٽي خاموش ڪرائي ڇڏيو. هاڻ مکيءَ واري هنڌ هڪ سو چورس ميلن ۾ ڊيم ٺهي رهيو آهي ۽ اها سموري ايراضي پاڻي ۾ ٻڏڻ واري آهي. جڏهين منڍ جمڙائو ڪان رانتي ڪئنال جا در کلندا، تڏهين مکيءَ وارن جا ڳوٺ، ڳام، مڙهہ مقام چراگاهہ. وڻ ٽڻ، واٽون ۽ گس، ٻيٽون ۽ ياٽا سڀ پاڻي ٻوري ڇڏيندو ۽ پوءِ نہ ڳُلَ رهندا نہ گاهہ جي پلين ٻتاريون هتي چرنديون هيون. اهي سڀ ان ڊيم جي ڪري پڙيءَ تي وڪامي وينديون. مکيءَ جون ڪچهريون، مکيءَ جا تڙ بيت، مکيءَ جا چڙن جي چونگارڻ ڏڻ ڏڻين ڏنارن جي هونگار سڀ ڪجهہ خاموش ٿي وينديون نہ کير رهندا نہ مکڻ ۽ نہ ماکي، هيڏي هاڃي هوندي بہ نہ ڪورُنو نہ ڪورڙيو نڪو ڪنهن هنجون هاريون!

هنڱورا هارجي ويا. ٻهڻ پنيلجي ويا. جمالين جفا ڪئي. منگواڻن ماٺ ڪئي. رونجها ڪين رڙيا. نظاماڻي بہ نمي پيا!!!!

هيڏي ظلم، ايذي انياءَ تي آءٌ نهايت اُداسائي سان، پنهنجو احتجاج تاريخ جي ورقن ۾ رڪارڊ ٿو ڪرايان تہ جن جيئري جاڳندي مکيءَ کي وڪڻي ڇڏيو پر ڪين اهو بہ احساس ناهي تہ هنن فطرت طرف مليل هيءُ عظيم تحفو ڪيڏو نہ سهانگو وڪڻي ڇڏيو

"قومے فروختند چہ اوزان فروختند"

سنڌ جا اُهي بہ ماڻهو هُئا جڏهين ڪوهہ ۾ چڪ لاهيندا هُئا تہ سنڌي ماڻهو ان کان بہ روئي موڪليندا هُئا تہ اهو ويچارو چڪ هميشہ لاءِ پاڻي هيٺ اچي ويندو پر هيڏي ساري مکيءَ جي سرزمين، هميشہ هميشہ پاڻي هيٺ پئي اچي، اُن جو هنن ماڻهن کي ڪو احساس ئي ناهي، بهرحال آئون پنهنجي اباڻن، جي آجهيم مکيءَ بابت پنهنجو هيءُ نثري مرثيو لکندي هن مرثئي تي ماتام ٿو ڪريان. الوداع اي مکي! الوداع!

طاهر حسين ڪانهر
ايم. بي. بي. ايس (فائينل ييئر)

”ٿر جو سير“

ٿر سنڌ جي ڏکڻ ۾ وڏي ايراضي تي پکڙيل آهي. ٿر جون حدون ڪڇ کان شروع ٿينديون ڪارونجهر جبل سان لڳن ٿيون. ٻئي طرف وري ناري جي پٽ کان وٺي لاڙ تائين پکڙيل آهي.

اهو ڊسمبر جو مهينو ۽ آچر جو ڏينهن اسان سڀ هاسٽلرز طاهر حسين ڪانهر، عبدالمجيد ڪانهر، اشرف علي شيخ، طفيل احمد کوسو محمد اشفاق چوهدري، راشد علي لاشاري ۽ اسان جا به سينيئر بشير احمد لاشاري ۽ عمر شهزاد راٺوڙ ۽ اسان جي ٻاورچي فيض محمد نوهڙي جيڪو ٿر جو رهاڪو هيو ۽ اسان جي ڳوٺ وڃي رهيا هئاسين. صبح جو ست وڳي اسان ٿر جي سير لاءِ نڪتاسين پهريائين اسان عمر ڪوٽ ضلعي ۾ نو وڳي پهتاسين ۽ سڀني دوستن جي صلاح سان عمر جو ڪوٽ (قلعو) ڏسڻ لاءِ قلعي تي وياسين. جيئن ئي قلعي تي چڙهياسين ته هڪ عجيب ڪيفيت ۾ پئجي وياسين هڪ ته صبح جو سيءُ ٻيو قدرت جي نظارن سان دل کي سڪون پهتو اتان وري ميوزيم ۾ وياسين جتي بادشاهه عمر جي پيدائش کان اڳ ۽ پيدائش جا نوادرات ۽ املهه قسمي قسمي زيوارت، ڪتاب، هٿيار سڪا ۽ مورتيون به ڏٺيون سين. جيئن ئي قلعي کان ٻاهر نڪتاسين ته مجيد چيو ته اگر جي چانهه نه پياريندو ته مان نه هلندس پوءِ سڀ دوست گڏجي چانهه پي وري پنهنجي سفر جي شروعات کان اڳتي وڌياسين. جنهن ڳوٺ ڏانهن اسان وڃي رهيا هئاسين ان جو نالو ”سيلاري“ ۽ اهو عمر ڪوٽ کان اٽڪل 60 ڪلو ميٽر جي مفاصلي تي آهي. رستي ۾ اسان کي فيض محمد ٻڌايو ته ڪجهه ڏينهن پهريان هتي برسات به پئي آهي. رستي ۾ اسان قدرت جا نظارا ۽ نشانيون پنهنجي اکين سان ڏسي رهيا هئاسين. پهريان اسان ٿر ٻڌندا هئاسين پر اهو ٿر اسان پنهنجي اکين سان ڏسي رهيا هئاسين هي ٿر نه جنت هئي، جتي الله پاڪ جون رحمتون، نعمتون وسي رهيون هيون. نيٺ اسان پنهنجي منزل تائين پهتاسين ۽ جيئن ته ٿر لاءِ مشهور آهي ته ٿر جا ماڻهو مهمان کي پنهنجي دل ۾ جايون ڏيندا آهن. اهو ڏسي ڪري تمام خوشي محسوس ٿي ۽ ڪجهه گهڙيون آرام ڪرڻ کان پوءِ اسين پٽن ڏانهن نڪتاسين جيئن ئي ٿورو اڳتي نڪتاسين ته قدرت جي قدرت نظر آئي. اسان جي سامهون هڪ مور هيو پر اسان کي پنهنجي سفر کي اڳتي وڌائڻو هيو اسين لاهين چاڙهين ۽ پٽون سڀ چڙهندا رهياسين پوءِ هڪ اوچي پٽ جنهن تي هڪ پٿرجي مٿان 1971ع لکيل هيو ۽ اسان جي ان باري ۾ اتان جي رهاڪن کان پڇيو ته انهن ٻڌايو ته 71ع جنگ ۾ ڪجهه فوج کي هتان به ڪمانڊ ڪيو ويندو هيو ۽ گڏوگڏ اهو به ٻڌايو ته پٽ جو نالو ڪارگل پٽ آهي. اگر هن پٽ تي صبح سوير جو ماڻهو چڙهي ته هندستان جو نظارو به ڪري سگهي ٿو.

اتي ڪجهه دير ترسي اسين واپس ورياسين ۽ رستي ۾ اسان ٿر وارن جا اونها پاڻي جا کوهه به ڏٺا ۽ رستي ۾ اتان جي ماڻهن کان به پڇيو سين ته هتي مينهن جي موسم ۾ ڪهڙا فصل ٿين ٿا. انهن ٻڌايو ته گوارڙي جي ول، ٿوهه جي ول، ڳم ڳنڊير، للر، لنبَ، مريڙو شامل آهن ۽ ڪجهه فصل وري هاري مينهن تي پوکين ٿا. پوءِ اسين اوطاق تي پهتاسين ۽ مانجهاندو ڪري سب واپس پوئتي ورياسين. عمر ڪوٽ جي مشهور هوٽل ڪارونجهر تي شام جو چانهه پي واپس اچي هاسٽل تي پهتاسين.

شهيدن جي راهه جو نڊر سپهه سالار

شهيد ذوالفقار علي ڀٽو

ڊاڪٽر معمر قذافي
Final year MBBS

ڪي ماڻهو تاريخ جو باب ٿي ويندا آهن، ۽ تاريخ ۾ سنهري اکرن ۾ لکبا آهن. اهي ڪڏهن به ذهن، سوچ، دل، تصور توڙي خوابن ۽ خيالن مان نه نڪري سگهندا آهن. اهڙن تاريخ ساز ماڻهن ۾ انهن عقلمندي، دانشمندي، ڏاهپ، بي باڪي، بي خوف ۽ بهادري شامل هوندي آهي ۽ اهي هميشه هميشه لاءِ ماڻهن جي دلين ۾ انمٽ جي رنگن جيان رنگ ڀري ويندا آهن. انهن شخصيت مان "شهيد ابن شهيد ذوالفقار علي ڀٽو" به آهن.

سنڌ جي خمير ۽ مٽي جي خوشبوءِ مان جنم وٺندڙ سنڌي مجاهد، جيڪو ڇمندي ئي ڇام هو. ذوالفقار علي ڀٽو پنهنجي ڏاهپ ۽ عقلمندي لاءِ ڏيهان ڏيهه مشهور هوندو هو. هو پوري دنيا جو عظيم هيرو هو. وٽس تقرير ڪرڻ جو ڏانءُ هيو. هن ڪڏهن به ٻين سياستدانن وانگر لکيل تقرير نه ڪئي. سندس تقرير جا اهي لفظ ته "ذوالفقار علي ڀٽو هڪ نه پر ٻه آهن هڪ جيڪو توهانجي سامهون ڳالهائي پيو ۽ ٻيو هي جيڪو عوام" ان وقت جيئي ڀٽي جي نعرن سان سڄو پنڊال گونجي ويو. سندس نظريو هو ته رهجي ته شينهن وانگر رهجي، گدڙ جهڙو جيئڻ پسند نه ڪندو هو. ذوالفقار علي ڀٽو ڪڏهن به ضمير جو سودو نه ڪيو.

اِيءُ نه مارن ريت، جو سيڻ مٽائن سون سين، جي روايت کي برقرار رکندي، ڦاهي جي ڦندي کي به چُمي گلي لڳايو. پر وقت جي دجال آمر جي اڳيان ڪنڌ نه جهڪايو. ان خوشنصيب شخص 1972ع واري جنگ ۾ هندوستان جي قبضي ۾ آيل پاڪستان جا ريگستاني علائقا ۽ اٽڪل 90000 هزا پاڪستاني فوجي پنهنجي ذهانت وسيلي ڀارت کان آزاد ڪرايا.

هن عوامي ليڊر "اٿو لٿو اجهو" وارو نعرو هڻي پوري دنيا جي سياست جو رخ هڪدم بدلائي ڇڏيو. شهيد ڀٽو غريب عوام خاطر جيل جي چوديوارين پويان عذاب جهڙي زندگي گذاري ذهني توڙي جسماني ٽارچر سٺا. اهڙا ليڊر ڪڏهن به مرڻا ناهن، هميشه زنده رهندا.

جب تک سورج چاند رہے گا
بھٹو تیرا نام رہے گا.

دانشمندي وقت جي آمر کان هضم نه ٿي، کيس ڪوڙي ڪيس ۾ گرفتار ڪري جيل اماڻيو ويو. کيس عدالت جي ڪوڙي جج هٿان ڦاسي جي سزا ڏيئي شهيد ڪيو ويو. قوم اڄ به کيس قائدِ عوام طور ياد ڪري ٿي.
سندس آخري لفظ به حوصلي سان ڀريل هئا. پاڻ فرمايائون ته: *"موت آئے گی تو کیا میں مرجاؤں گا، میں تو دریا ہوں، سمندر میں اتر جاؤں گا.* هر سال 4 اپريل تي شهيد جا شيدائي لکن ۾ سندس آخري آرامگاهه پهچي کيس گلن، لڙڪن، سڏڪن جي ڀيٽا ڏيندا آهن.

مارئي جي ديس جي عظيم ڪردار
شهيد محترمه بينظير ڀٽو

ڊاڪٽر معمر قذاني
Final year MBBS

لکڻ نه آهي آسان، ڏکيو آهي ڏاڍو.....

منهنجي سوچ هوندي به تحرير لکڻ کان ڪجهه قاصر آهي، پر هي عظيم شخصيت، جيڪا مارئي جي ملڪ ملير جي جائي ۽ سنڌ ڌرتي جي سڀاڳڙي ڌيءُ جنهن ڪڏهن به جهڪڻ نه سکيو ۽ پنهنجي ڏونگر ڀيءُ وانگر هميشه اٽل رهي سندس جذبا هماليه کان به اوچا هيا، جنهن هميشه ملير جي ماروئڙن جي لاءِ جدوجهد ڪئي ان عظيم ۽ بينظير شخصيت کي ڀيٽا ارپڻ لاءِ ته شايد هي هڪ عمر پوري نه پئي سگهي. ان لاءِ ته ڪيئي جنم کپن، شهيد پيءُ ۽ شهيد ڀائرن جي اها شهيد ڀيڻ واقعي به بي نظير هئي.

جيل جون سختيون، ڪال ڪوٺڙيون ۽ جلاوطني ڪيس هڪ انچ به پنهنجن ارادن تان هٽائي نه سگهيون، ان عظيم شخصيت کي اڄ به ڪروڙين دليون لڙڪن جا گل اربينديون هونديون. سندس شهادت ڪروڙين دليون روئاري وئي. اها عظيم سنڌ جائي ليڊر هئي، جنهن نه صرف ايشيا بلڪ امريڪا، يورپ، جرمني، اسپين، ڏکڻ ڪوريا، رومانيه، روس، بلڪ پوري دُنيا ۾ پنهنجي علمي ذات ۽ سياسي بصيرت واضح پڪيڙي اهوچهرو جنهن عوام جي دلين ۾ اهڙا نقش پروئي ورتا آهن. جو جيڪي سالن تائين به نه مٽي سگهيا.

دُنيا جا عظيم ۽ اعليٰ پايي جا قلمڪار ۽ ڏاها سندس اعليٰ تعليمي قابليت خداداد ذهانت ۽ سياسي بصيرت کان نه صرف متاثر آهن، پر هن جي عظمت کي تسليم ڪن ٿا. محترمه شهيد بي نظير ڀٽو صاحبه جي آرٽيڪل foreign policy in perspective 1978 برصغير هند و پاڪ ۾ هڪ نئين تاريخ رقم ڪري ڇڏي

هن عظيم ڀٽو خاندان جي سياسي قربانين کي پنهنجي شهادت جو سونو تاج پهرايو آهي ۽ دنيا کي پنهنجي سياسي سوچ سان لوڏي ڇڏيو آهي.

عوام سان ڪيل محبت ۽ پنهنجي والد صاحب سان ڪيل واعدي جي تڪميل الوداعي تقرير، بي پناهه حوصلو جنرل کي وردي لاهڻ تي مجبور ڪندڙ اصول هن جي سياسي حڪمت عملي جا زنده ثبوت آهن. ڪتابن جي ورقن مان هن جو مرڪندڙ چهرو ۽ آخري سلام، ڳوڙهن ۽ اداسين جو سامان مهيا ڪن ٿا. هن جو عزم ته ڏسو:

This is the long journey for Pakistan to back to the democracy and hope my going back is a catalyst for change are must believe miracles can happen.

سندس اها سوچ، اها جدوجهد بي رحم ظالمن کان برداشت نه ٿي. آخر 27 ڊسمبر جي سرد رات ۾ راولپنڊي جي لياقت باغ ۾ ڪيس شهيد ڪيو ويو. شهيد جو مشن انشاء الله العلمين قيامت تائين جاري رهندو ۽ ڪروڙين دليون ڪيس هميشه يادرڪنديون.

شهيد هميشه زنده رهندا آهن ۽ هوءَ اسانجي آخر تائين رهنمائي ڪندي رهندي

ڊاڪٽر سرواڻ ڪمار

هند جو قديم مذهب ۽ ”نمستي“ ڪرڻ ۽ چوڻ جو رواج

برصغير سنڌ هند ۾ جنهن کي هندستان به چئجي ٿو. ويدن جي قديم دؤر کان بلڪ ان کان به اڳ ۽ اڄ تائين جيڪي به ڌرم ۽ مذهب اُڀريا ۽ پکڙيا انهن ۾ هندو ڌرم يا هندومت جي نالي سان ڪوبه ڌرم يا مت ۾ قديم روايت تاريخ جي رڪارڊ تي محققانه طور آيل ڪونهي. جاگرافيائي طور سرزمين سنڌ، هند جي بدلجندڙ اُچارن سان سنڌو/سنڌي / هندو هندي يا انڊيا. انڊين صفاتي اسم جڙيا ۽ زبان رد عام ٿيا. ان ئي طرح هند جي حوالي سان ڪنهن اڄاتل آڳاٽي مذهب يا ڌرم کي اُن صفاتي اکر سان ملائي هندو ڌرم / هندومت سڏيو ويو ۽ سڏبو پيو اچي ۽ اهو ائين سنڌو يا سنڌي ڌرم هندو يا هندي ڌرم يا انگريزي جي اصطلاح (انڊين رليجن) به چئجي يا سڏجي ٿي سگهيو پر ائين ڪو مخصوص يا خاص ڪو ڌرم يا مت جي صورت ۾ سڃاڻپ يا بيان هيٺ آيل نه آهي. البت هڪ ٻئي پاسي ڪئي متضاد عقيدا ۽ ويساهه ان عام صفاتي نالي سان يعني هندو ڌرم سان منسوب ٿي ويل آهن.

سرزمين برصغير سنڌ، هند يا انڊو جو ادي يا قديم ڌرم پنهنجي معنيٰ واري نالي سان جيڪو مشهور ٿيو ۽ معروف (سڃاتل) آهي تنهن کي سناتن ڌرم چيو ويو آهي ۽ اڄ به اهو ان نالي سان سڏجي ۽ سڃاڻجي ٿو. سناتن ڌرم مطابق اوائلي عقيدو جيڪو ڀهرئين ويد (رگ ويد) ۾ آيل ادي پڳتي شبدن ۽ گيتن جي صورت ۾ بيان ٿيل آهي سو هيءُ آهي ته مُنش ۽ برهما (ماڻهو ۽ خدا) هڪ سرا آهن ساڳيا آهن. سڄي سرشٽي (ڪائنات) برهما جو پرڪاش (ظهور) آهي. اسين سڀئي برهما جا ڪمي يا پورهيت ساٿي آهيون. سڄي مُنش جاتي (انسان ذات) ساڳئي هڪ ٽُڙ جون شاخون آهن. بلڪ سڄي مُنش جاتي ۽ خود برهما هڪ ئي ٻي ڪنارا آتما روح آهي ۽ ڪوبه ڇني نٿو سگهي ته مُنش جي حد ڪٿي پوري ٿئي ٿي ۽ برهما جي ڪٿان شروع ٿئي ٿي. اسين سڀئي هڪ حقيقت Reality آهيون حق Real آهيون ۽ حق اسان سڀني ۾ عڪسجي ٿو ائين جو اسان جي وجود ۾ آفاقي آتما (روح) جي وچ ۾ ڪي به ويڇا نه آهن. حقيقت يعني روحٌ ڪُل فنا کان آجو سدا دائم ۽ بقا وارو آهي. ۽ سچ پچ حق اهو هڪ آهي اهو آئون به آهيان ۽ اُهو تون آهين ۽ تون ”اهو“ آهين تت توم آسي مُنش جي آتما (انساني روح) پاڻ برهما خدا سان هم وجود آهي ذهن مان نڪتل وجود طور نه ان جي. ڪنهن پاڳي يا نتيجي جيئن نه پر هڪ سدا موجود حقيقت طور جا جمر ۽ موت جي ٻنڌڻ يا ٻڌڻن کان پراڻي ٿيڻ کان آجي آهي. دراصل اها دائم بخود برهما آهي. آيم آتما برهما.

جڏهن آئون اوهان کي يا اوهان مان ڪنهن کان نمستي چوان ٿو يا ڪريان ته آئون اوهان مان هر هڪ ۾ ۽ اوهان سڀني ۾ موجود برهما کي پرنام ڪيان ٿو. جڏهن ادي دور ۾ برصغير سنڌ، هند ۽ انڊيا ۾ ٻانهاپ (غلامي) هئي. تڏهن ٻانها پنهنجن مالڪن کي (نمستي يعني تون اهو (اسان جو مالڪ آهين) پر ڪوبه آزاد ماڻهو ڪنهن جي آڏو ائين نه ڪندو هو ۽ نه چوندو هو چو جو انهي ڪرڻ يا چوڻ سان هو پاڻ کي ٻين جي آڏو هيٺ ڪرڻ يا ذليل ڪرڻ لاءِ تيار نه هو. پر پوءِ سناتن ڌرم جي زوردار تحريڪ جي نتيجي ۾ سنڌ هند. انڊ ۾ ٻانهائپ (غلامي) ختم ٿئي ۽ ٻانها آزاد ٿيا. تڏهن جالنا نالي ٻانهن جي هڪ جاتي (قبيلي) جي سردار آزاد ٿيڻ کان پوءِ اعلان ڪيو ته ٻانهائپ ۾ آئون پاڻ کي ائين ڪونه پائيندو هوس ته آئون ٻانهو آهيان توٽي جو آئون رسين ۾ جڪڙيل هوندو هوس ۽ نمستي به ڪندو هوس ۽ چوندو هوس! آئون ٻانهو فقط تڏهن هوس جڏهن نمستي ڪندو يا چوندو هُوس.

ٻانهائپ جي ختم ٿيڻ کان پوءِ سناتن ڌرم جي عقيدي طور اڳ وارن آقائن توڙي غلامن سڀني لاءِ سڀني مان هر هڪ لاءِ سڀني مان هر هڪ کي ائين هٿن جوڙ، ترپون ملائي هٿن تي پيشاني تي آڻي چوڻو پوندو هو (نمستي) يعني ”تت توم آسي“ تون هو آهين تون اهو (برهما آهين) يعني سڀني برهما (مالڪ آزاد) آهيون ۽ ڪوبه ڪنهن جو ٻانهو ڪونهي. ان ريت ”نمستي“ ڪرڻ ۽ چوڻ ٻانهائپ يا غلامي جي رسم مان ڦري سنڌ، هند، انڊ جي ماڻهن ۾ آزادي ۽ برابري جو نون غلامي جو قول مان بدلجي آزادي جو برابري جو طاقتور قول بڻجي ويو.

شرڪ جي مختصر سمجهاڻي

امير احمد
لائبررين ايم.ايم.سي

شرڪ کي سمجهڻ لاءِ پهرين اچو تہ ڏسون تہ ڪلمي طيب لاالہ الا الله جي معنيٰ ۽ مقصد ڇا آهي ۽ ان جي ڪيڏي فضيلت آهي. ڪلمي طيب جي معنيٰ آهي ناهي ڪو بہ معبود سوا الله جي يعني الله تعاليٰ کان سواءِ ٻيو ڪوبہ عبادت جي لائق نہ آهي. يعني پوري ڪائنات ۾ جيڪڏهن عبادت جي لائق و مستحق آهي تہ صرف هڪ الله ئي آهي. هاڻ اچو تہ ڏسون تہ انهي ڪلمي جي اهميت ۽ فضيلت ڪيڏي وڏي آهي. حديث ۾ آهي تہ اهو ڪلمو ايڏو بابرڪت ۽ وزني آهي جو جيڪڏهن ست ئي آسمان ۽ ست ئي زمينون ۽ جيڪي ڪجھ انهن جي وچ ۾ آهي ۽ جيڪي ڪجھ تي آهي اهو سڀ ڪجھ ساهمي جي هڪ پڙ ۾ رکيو وڃي ۽ ٻئي ٻڙ ۾ ڪلمو طيب لا الہ الله رکيو وڃي تہ ڪلمي طيب وارو پڙ وزن ۾ وڏي ويندو يعني پوري ڪائنات جي ڀيٽ ۾ الله تعاليٰ جي پاڪ ذات سڀ کان وڌيڪ اعليٰ ۽ افضل آهي. ٻئي هنڌ حديث ۾ آيل اهي تہ جيڪڏهن سئو ويھ جي عمر جو ڪافر بہ جيڪڏهن هڪ دفعو دل جي يقين ۽ ايمان سان لا الہ الاالله چوي ٿو تہ اهو گناهن کان ايئن پاڪ ٿي وڃي ٿو جڻ ماءُ جي پيٽان نئون ڄائو آهي. ان ڪري ئي هن ڪلمي کي رد ڪفر ڪلمون چيو ويندو آهي. هن حديث مان معلوم ٿئي ٿو تہ جيڪڏهن ڪير ڪيتروئي گناهگار هجي يعني سئو ورهيہ تائين بہ جيڪڏهن ڪفر ۽ بت پرستي جهڙن ناقابلي بخشش گناهن ۾ گذاريو هجيس پر پوءِ جيڪڏهن صرف هڪ الله کان سواءِ ٻئي ڪنهن کي معبود نٿو سمجهي ۽ الله سان گڏ ٻئي ڪنهن کي شريڪ نٿو ڪري (يعني شرڪ نٿو ڪري) تہ اهو چاهي ڪيڏو ئي گناهگار هجي تہ انهيءَ جا سڀ گناھ معاف ٿي وڃن ٿا. اها ڳالھ بلڪل ئي برحق ۽ سچ آهي. هيٺيون حديثون انهي ڳالھ جي مزيد تصديق ڪن ٿيون حديث (حضرت ابو ذر رضي الله تعاليٰ عنه چون ٿا تہ نبي ڪريم ﷺ جن فرمايو: تہ مون وٽ جبرئيل عليه السلام آيو ۽ انهي مون کي بشارت ڏني تہ جيڪو اهڙي حال ۾ مري ويو تہ خدا سان گڏ انهي ڪنهنکي شريڪ نہ ڪيو هجي تہ انهي جي لاءِ جنت آهي. مون چيو اگرچ انهي چوري ڪئي هجي يا زنا ڪيو هجي هن چيو ها اگر انهي چوري ڪئي هجي يا زنا ڪيو هجي). معلوم ٿيو تہ جيڪڏهن چاهي ڪنهن چوري جهڙو يا زنا جهڙو ڪبيرو گناھ ڪيو هجي پر جيڪڏهن اهو اهڙي حال ۾ مري ويو تہ خدا سان گڏ هن ڪنهن کي شريڪ نہ ڪيو هوند,و تہ انهيءَ لاءِ جنت آهي. هيٺين حديث اجا بہ ان ڳالھ جي وڌيڪ تصديق ڪري ٿي. حديث (حضرت انس بن مالڪ رضي الله عنه فرمائين ٿا تہ مون رسول الله ﷺ جن کي اهو فرمائيندو ٻڌو اهي تہ الله تعاليٰ فرمائي ٿو تہ جيستائين تون مون کان دعا ڪندو رهندي, اميدون رکندو رهندين. آئون توکي بخشيندو رهندس خواه جيتري قدر تو ۾ گناھ هجن. آئون پرواھ نہ ڪندو آهيان. اي آدم جا پٽ اگر تنهنجا گناھ آسمان تائين پهچي وڃن ۽ پوءِ تون مون کان بخشش چاهيندي تڏهن بہ آئون بخشي ڇڏيندس. آئون پرواھ نہ ڪندو آهيان. اي آدم جا پٽ اگر تون زمين جي برابر بہ گناھ آڻيندي ۽ مون سان انهي حال ۾ ملندي تہ تو دنيا ۾ ڪنهن کي منهنجو شريڪ نہ ڪيو هوندو تہ توکي انهيءَ جي برابر مغفرت (بخشش) ڪري ڇڏيندس هن حديث مان صاف طرح معلوم ٿي ويو تہ جيڪڏهن ڪنهن جا ڪيترائي گناھ هجن يعني زمين يا آسمان جي برابر بہ گناھ هجن پر جيڪڏهن صرف الله تعاليٰ سان انهيءَ حال ۾ ملندو تہ هن دنيا ۾ ڪنهن کي بہ الله جو شريڪ نہ ڪيو هوندو تہ انهي جا سڀ گناھ بخش

ڪيا وڃن ٿا ۽ انهيءَ لاءِ جنت آهي. پر وري ان جي برعڪس يا ٻئي طرف ڪو شرڪ ڪري ٿو ته انهيءَ لاءِ معلوم ٿئي ٿو ته: انهي چاهي ڪيڏائي چڱا عمل ڪيا هجن ته به انهيءَ لاءِ بخشش ڪونهين بلڪ اهو هميشه دوزخ ۾ رهندو. جنهن لاءِ قرآن ڪريم جون آيتون ڏجن ٿيون جن تي غور ڪري ڏسو. قرآن ڪريم جي سورة النساءِ جي آيت نمبر 116 ۾ فرمايل آهي ته (يقينن الله تعاليٰ شرڪ ڪرڻ وارن کي ڪونه بخشيندو. ان کان علاوه جنهن کي چاهيندو بخشي ڇڏيندو. الله تعاليٰ سان شرڪ ڪرڻ تمام ئي وڏو گناه آهي) اهڙي قسم جون ٻيون به ڪافي آيتون آيل آهن. ان کان پوءِ سورة المائده جي آيت نمبر 72 ۾ فرمايل آهي ته (جنهن الله تعاليٰ سان گڏ ڪنهن کي شريڪ ٺهاريو انهي تي الله تعاليٰ جنت حرام ڪري ڇڏي آهي ۽ انهي جو ٺڪاڻو جهنم آهي. اهڙن ظالمن جو ڪوئي به مددگار نه هوندو) انهن آيتن مان معلوم ٿيو ته ٻيا گناه الله تعاليٰ چاهيندو ته بخشي ڇڏيندو ليڪن شرڪ ڪونه بخشيندو ۽ الله تعاليٰ سان شرڪ ڪرڻ تمام ئي وڏو گناه آهي ۽ شرڪ ڪرڻ واري لاءِ جنت حرام ڪئي وئي آهي. يعني اهو هميشه دوزخ ۾ رهندو. هاڻ هنن مٿين سيني حديثن ۽ قرآن ڪريم مان صاف طرح معلوم ٿئي ٿو ته جيڪو شرڪ کان بلڪل ئي بچيل آهي اهو چاهي ڪيڏو ئي گنهگار هجي پر انهيءَ لاءِ بخشش ۽ جنت آهي ۽ ان جي برعڪس جيڪو شرڪ ڪري ٿو اهو چاهي ڪيڏو ئي نيڪوڪار هجي پر اهو نه صرف دوزخ ۾ ويندو پر هميشه ان ۾ رهندو ۽ الله تعاليٰ ان لاءِ جنت حرام ڪري ڇڏي آهي. هاڻي اوهان جي ذهن ۾ اهو سوال پيدا ٿيندو ته شرڪ ڇا آهي ۽ ڇا ڪجي يا ڇا نه ڪجي جو شرڪ کان بچي سگهجي. ان جو مختصر يا ٻن لفظن ۾ جواب اهو آهي ته "الله تعاليٰ کي پنهنجي ذات ۽ صفات ۾ صرف هڪ ڪري مڃو. عبادت به خالصتاً صرف هڪ الله جي ئي ڪريو انهي ۾ ٻئي ڪنهن کي شريڪ نه ڪريو جيڪي ڪجهه گهرڻو آهي سو صرف هڪ الله جي پاڪ ذات کان گهرو" نبين يا الله جي پيارن جو جيتري قدر سوال آهي ته انهنجي عزت ۽ احترام لازمي ڪرڻو آهي. پر گهرڻو صرف هڪ الله تعاليٰ کان آهي ٻئي کان گهرڻ شرڪ آهي پوءِ اهو چاهي ڪونبي هجي يا شهيد هجي. هاڻ وري قبر پوڄاري ۽ پير پرست قسم جا ماڻهو چوندا ته سائين "اسين ولين يا خدا جي پيارن کان انهي ڪري ٿا گهرون جو وليءَ ۽ خدا جا پيارا قبرن ۾ به زنده آهن ۽ سڻن به ٿا ۽ الله تعاليٰ وٽان انهن کي روزي به ملي ٿي. توهان پنهنجي جاءِ تي صحيح آهيو پر هتي زنده هئڻ يا سڻڻ جو سوال ڪونهي. هتي سوال صرف الله تعاليٰ کي ڇڏي يا الله تعاليٰ کان سواءِ ٻئي ڪنهن کان گهرڻ جو آهي. اها ئي ڳالهه آهي جيڪا ماڻهن کي سمجهه ۾ نٿي اچي" اصل ۾ الله تعاليٰ کي ڇڏي يا الله تعاليٰ کان سواءِ ٻئي ڪنهن کان گهرڻ ئي شرڪ آهي ۽ اها ڳالهه بلڪل ئي طئه شده آهي. هاڻ وري چوندا آهن ته اها ڳالهه صحيح آهي ته انهن کان سڌو سنئون گهرڻ شرڪ آهي پر اهي الله جا پيارا آهن ان ڪري اسين انهن جي وسيلي گهرندا آهيون. هتي الله تعاليٰ مٿان نه ٻڌي ان ڪري هتان هاسيڪار ياروپري انهن جي مزارن تي وڃي پوءِ قبر وٽ هٿ مٿي ڪٽي چوندا آهيون ته "الله سائين هي جيڪو منهنجي سامهون قبر ۾ دفن ٿيل آهي (سوالائي ڪير به آهي) سو چاهي مون کي نه ڏسندو هجي ۽ نه ئي منهنجي ڳالهه ٻڌندو هجي ۽ نه ئي ڪا مدد ڪري سگهندو هجي پر تون هتي ڏسين ۽ ٻڌين پيو ان ڪري ان جي وسيلي سان اسان جي مدد ڪر. بهرحال ڳالهه صاف ظاهر پئي آهي ته هاسيڪار اوليائن وٽ وڃڻ جو مقصد صرف انهن کان ئي مدد گهرڻ هوندو آهي، ورنه الله تعاليٰ ته هر جاءِ موجود آهي. بحرحال وسيلي جو جيتري قدر سوال آهي ته ان متعلق خلفاءِ راشدين ۽ اصحابن وغيره جا ڪافي روشن مثال اسان جي سامهون موجود آهن. مثلاً (بخاري ص 137 جلد I) ترجمو: "حضرت انس بن مالڪ رضي الله تعاليٰ عنه روايت ڪن ٿا ته اميرالمؤمنين حضرت عمر بن خطاب رضي الله

عنه جي دور خلافت ۾ جڏهن ڏڪار پوندو هو تہ حضور ﷺ جن جي چاچي حضرت عباس بن عبدالمطلب رضي الله عنه کان برسات جي لاءِ دعا ڪرائيندا هئا ۽ چوندا هئا تہ اسين پهرين پنهنجي نبي پاڪ ﷺ کي توهان ڏانهن دعا جي لاءِ وسيلو بڻائيندا هئاسين، تون مينهن وسائيندو هئين. هاڻي (جڏهن تہ اهي اسان ۾ نہ آهن) اسين پنهنجي نبي جي چاچي کي دعا جي لاءِ وسيلو بڻايون ٿا. اي مالڪ تون برسات وساءِ پوءِ تمام گهڻي برسات وسندي هئي. هن مان ثابت ٿيو تہ صرف زنده جو وسيلو وٺي سگهجي ٿو. ان کان سواءِ حضرت ابو بڪر صديق رضي الله عنه جي دور خلافت ۾ سخت فتنہ ارتداد پيدا ٿيو پر پاڻ ڪڏهن بہ حضور ﷺ جن جي قبر کي وسيلو نہ بڻايو. حضرت عثمان رضي الله عنه ڪڏهن ڪڏهن باغين وچان مسجد نبوي ۾ ايندا ضرور هئا پر ڪڏهن بہ حضور ﷺ جن جي قبر تي وڃي دعا ڪونہ گهري جنگ جمل ۽ جنگ صفين جي دوران مسلمانن تي ڪيڏو نہ سخت ڏکيو وقت آيو ليڪن نہ حضرت عائشہ رضي الله عنهما حضور ﷺ جن جي قبر تي دعا لاءِ وئي ۽ نہ ئي حضرت علي ڪرم الله وجہ جن ويا. ڀلا اهڙين ڀلارين هستين کان وڌيڪ دين اسلام کي ڀيو ڪير ٿو سمجهي سگهي. الله تعاليٰ سورت بقره جي آيت نمبر : 184 ۾ فرمائي ٿو تہ: (۽ اي نبي "ﷺ" منهنجا بندا اگر تو کان منهنجي متعلق پڇن تہ انهن کي ٻڌاءِ تہ آئون انهن کان قريب ئي آهيان. پڪارڻ وارو جڏهن مون کي پڪاريندو آهي ائون انجي پڪار کي ٻڌندو آهيان ۽ جواب ڏيندو آهيان. لحاظا انهن کي کپي تہ اهي منهنجوئي حڪم مڃن ۽ مون تي ئي ايمان آڻين. اها ڳالهہ تون انهن کي ٻڌائي ڇڏ تہ شايد هو راهہ رستو هاصل ڪن) سندس حڪم آهي تہ منهنجا بندئو جيڪي ڪجهہ گهرڻو آهي سو مون کان گهرو ڇاڪاڻ تہ اهي خزانا صرف مون وٽ ئي آهن جيڪي اوهان جون ضروريات پوريون ڪري سگهن ٿا. سورة الاعراف جي آيت نمبر 180 ۾ الله تعاليٰ فرمائي ٿو تہ: (الله جا اسماءَ حسنيٰ آهن آهن انهن جي ذريعي الله تعاليٰ کان دعا گهرو. الله تعاليٰ جي ذات ۽ صفات جا ڪئين بهترين نالا آهن. انهن جي وسيلي دعا گهرندا ڪريو. جيڪڏهن ڪو بندو انهنکي ڇڏي سندس ڪنهن ولي جو نالو وٺي چوي ٿو تہ پنهنجي انهي پياري ولي جي صدقي منهنجي دعا قبول ڪر تہ ڄڻ انهيءَ الله تعاليٰ جي ذات ۽ صفات جي اسماءَ حسنيٰ کان انڪار ڪيو ۽ انهيءَ کان وڌيڪ انهي ولي کي سمجهو ۽ اهو نہ صرف هن انهي ولي کي الله سان شريڪ ڪيو بلڪ اها هن الله تعاليٰ جي پاڪ ذات جي توهين ڪئي. استغفرالله . ان کان پوءِ حضور ﷺ جن جي شفاعت جو جيتري قدر سوال آهي تہ ان لاءِ بہ ٻڌو تہ ان جو حقدار ڪير ٿي ٿو سگهي "حضرت عوف بن اشجعي کان روايت آهي تہ "حضور ﷺ جن فرمايو تہ منهنجي پروردگار جي طرفان هڪ اچڻ وارو آيو ۽ مون کي اختيار ڏنائين تہ ٻن صورتن مان ڪائي هڪ صورت قبول ڪريو. هڪ اها جو اوهان جي اڌ امت جنت ۾ داخل ٿئي ۽ ٻي آهي شفاعت مون شفاعت اختيار ڪئي. (ياد رکو) منهنجي شفاعت جو حقدار اهو آهي جيڪو اهڙي حالت ۾ مئو هجي تہ انهيءَ الله تعاليٰ سان گڏ (ٻئي) ڪنهن کي شريڪ نہ ڪيو هجي) آخر ۾ هڪ حديث ڏجي ٿي جنهن تي بہ غور ڪري ڏسو. حديث (حضرت انس بن مالڪ رضي الله عنہ کان روايت آهي تہ حضرت رسول ڪريم ﷺ جن فرمايو تہ قيامت جي ڏينهن دوزخين ۾ سڀ کان گهٽ عذاب واري کي الله تعاليٰ فرمائيندو تہ اگر زمين جون سڀ شيون تنهنجون هن تہ انهن سڀني کي ڏئي تون ڇوٽڪارو حاصل ڪندي. هو چوندو ها حاصل ڪندس. الله تعاليٰ فرمائيندو تہ: مون تو کان تمام هلڪي شئي چاهي تہ تون شرڪ نہ ڪجان مگر تو انڪار ڪيو ۽ شرڪ ئي ڪيئي.)

دعا

يا الاهي خير ڪر مشڪل ڪشا،
آسري آهن هي سڀ تنهنجي خدا،
سڀ ڪري ڇڏي معاف تون تن جا گناه

مالڪ الملڪ ڪي آهي هِڪ التجا
راهہ گمراهہ کان مسلمان کي بچا
صِراط المستقيم تي اسان کي هَلاءِ

آهي در تنهنجي هيءَ منهنجي صدا
ڏي مومنن کي بازوئي شير خدا،
قائم رهي ايمان ۾ پڙهندا رهون لا اِلہ

قومِ مومن کي ڪا ڏي اهڙي دوا
هيو ڪير رافع هِن نہ آهي تو سوا،
حيّ القيوم ڏي ڏکوئن کي شفا

جانم نبي صہ ۽ آل نبي صہ تان آفدا
جنهن پڙهايو آهي اسان کي لا الہ
قهر قيامت کان بچاءِ نورالهدا.

صحت سالِم ڪر غضنفر کي عطا
صبح و مصا جو ڪري تنهنجي ثنا
ڏاتر ڏينس ڏاتِ واسطي صلي عليٰ

ڊاڪٽر نور علي غنظفر علي سمون

ڊاڪٽر آفتاب احمد ميمڻ
ڊمانسٽريٽر (CHS)_ MMC
آر. ايم. او _ MMCH

جسم، روح ، بيماري ۽ شفا

اني بعثت لاتمم الاخلاق

"مون کي اخلاق کي مڪمل ڪرڻ لاءِ موڪليو ويو"

پاڪ پيغمبر ﷺ پنهنجي ان جملي سان نبوت ۽ رسالت جي هدف ۽ مقصد کي واضح طور بيان ڪيو آهي. "يعني آئون انسانيت کي روحاني بيمارين کان نجات ڏيارڻ لاءِ آيو آهيان" اخلاق جو مقصد ته ننڍڙن جملن ۾ واضح طور بيان ڪيو آهي:

اخلاق = نرم ملاقات + وڻندڙ

گفتگو + چهري تي خوشي

"اي ايمان وارو جڏهن توهان کي رسول ﷺ اهڙي ڪم لاءِ سڏي جيڪو توهان جي روحاني زندگيءَ جو باعث, ته توهان خدا ۽ رسول ﷺ جو حڪم دل سان قبول ڪريو. (سورت انعفال آيت 24) هن دنيا ۾ جهڙي طرح انسان جو جسم مختلف قسمن جي بيمارين جو شڪار ٿئي ٿو بلڪل ان طرح سان انسان جي روح ۾ خراب تبديليون ٿين ته ان جي مرده ٿيڻ جو خطرو آهي. بيشڪ جڏهن حيواني خواهشون, بيڪار سوچون ۽ خطرناڪ عادتون انسان تي غالب اچن ته انسان جو روح ڪمزور ۽ بيڪار ٿي وڃي ٿو ۽ ان جي روحانيت ۽ اعليٰ صفتون ۽ ڪمالات ختم ٿي وڃن ٿا. نفسا نفسيءَ جي هن دور ۾ جڏهن سٺي عادتن تي براين جو حملو آهي, سٺيون صفتون ڪمزور ٿي چڪيون آهن, انڌيري ۽ ظلم کي گهٽ ڪرڻ جي لاءِ هڪ نيا پو آهي. ڪجهه روحاني بيماريون انهن جا جسم تي اثرات, بچاءَ ۽ علاج, حضرت نبي ڪريم ﷺ جي مختلف روايتن سان طلب اسلامي تا ماخوذ ٿيل مواد حاضر آهي.

(1) غصو: جذبات جي پڙڪڻ جونالو آهي غصو (ڪاوڙ Anger)عقل کي ڪم کان روڪي ٿو يعني غصو اچڻ وقت عقل ختم ٿي وڃي. بدلي جو جذبو جسم جي سيني عظ ون تي قبضو ڪري ٿو ۽ غصي جي شدت زياده ٿئي ٿي, ان حالت ۾ خون جو دٻاءُ تيز ٿئي ٿو ۽ اهو خون دل کان رڳن ڏي غير معمولي دٻاءُ موڪلي ٿو. ۽ پوءِ دماغ جي طرف وڃي ٿو. ان جو چهرو ڳاڙهو ٿيڻ, پيشانيءَ تي گهنج اچڻ (wrinkles), چپ خشڪ ٿيڻ ۽ ان حد تائين جو ڏند ظاهر ٿين ٿا. ان حالت ۾ بدلي کان سواءِ ٻيو ڪجهه به سمجهه ۾ نٿو اچي.

عربي شاعر چيو:

"مون هڪ سخت امتحان کان پوءِ انسان جي دشمنن مان, غصي, کان زياده بدتر ۽ موذي دشمن نه ڏٺو" مختلف جسماني مسئلا ٿين ٿا:

- هڏين کي ناڪاره ڪرڻ وارو ڦڦڙن جي ٽي بي
- اعصابي گرمي
- مختلف قسم جون خونريزيون

- هاضمي جي نظام جي خرابي

علاج: رسول اڪرم ﷺ فرمايو: جڏهن انسان تي غصو اچي ته ان کي گهرجي ته اگر بيٺل آهي ته ويهي رهي، اگر ويٺل آهي ته سمهي رهي، اگر ان باوجود غصو صحيح نه ٿئي ته ٿڌي پاڻيءَ سان وضو يا غسل ڪري ڇو جو باهه کي صرف پاڻيءَ سان وسائي سگهجي ٿو.

امام جعفر صادق عليه فرمايو جيڪڏهن ڪو پنهنجي غصي کي قابو نٿو ڪري سگهي ته اهو پنهنجي ارادن کي عملي شڪل نٿو ڏيئي سگهي.

(2) ڪوڙ ڳالهائڻ: سچائيءَ جي حقيقت جو انڪار ڪرڻ کي ڪوڙ چئجي ٿو. امام جعفر صادق فرمايو:

- زياده ڪوڙ ڳالهائڻ واري ماڻهوءَ جي ترقي انتهائي ڪمزور آهي.
- شراب ۽ ڪوڙ شر ۽ فساد جي ڪنجي آهي پر ڪوڙ شراب کان بدتر آهي.
- خبردار ڪوڙن جي صحبت کان پرهيز ڪريو ڇو جو اگر ڪوڙ ڳالهائڻ وارو فائدو پهچائڻ به چاهي، پوءِ به نقصان ئي رسائيندو. ڪوڙو پري جي شين کي ويجهو ۽ ويجهي جي شين کي پري ظاهر ڪندو.

(3) حسد: حسد اها خصلت آهي جيڪا حاسد کي هميشه خير و خوبي ۽ ڪمالات کان پري رکي ٿي. حسد ڪرڻ واري جي ان کان وڏي بدبختي ڪهڙي آهي جو ٻين جي خوشين کي ڏسي پاڻ ڏينهن رات پريشاني ۽ عذاب ۾ رهي ٿو. پيغمبر پاڪ ﷺ اهڙي ماڻهوءَ کي خدا جي نعمت جو دشمن سڏيو آهي. امام جعفر صادق ع فرمايو:

- حاسد جي دل کي سڪون نٿو ملي
- حاسد کي خوشحالي ۽ بي نيازي نصيب نٿي ٿئي
- حساد جي دل ۾ جان وڃڻ وارو غصو آهي، ان ڪري هميشه مريض ٿو رهي
- حسد انسان جو ايمان ائين کائي ٿو وڃي جهڙي طرح ٻڙڪندڙ شعلو ڪاٺين جي ڍير کي کائي راک ۾ بدلايو ڇڏي

(4) غرور ۽ تڪبر ڪرڻ: هيءَ خصلت انسان کي اپاري ٿي ته هو پاڻ کي وڏو ۽ ٻين کي گهٽ سمجهي، ان کي پنهنجي پاڻ ۾ خوبيون ئي خوبيون ۽ ٻين ۾ برايون نظر اينديون آهن. هو نصيحت نيڪي ۽ هدايت کان پري ٿو رهي.

(5) وعده خلافي: هن عادت جي ڪري ماڻهو ان شخص تي اعتبار نه ڪندا ۽ معاشرتي طور ان جو رتبو گهٽ ٿيو وڃي. امام جعفر صادق عليه فرمايو ٽن ماڻهن جو خدا تي ايمان نه آهي. ڪوڙ ڳالهائڻ وارو، امانت ۾ خيانت ڪرڻ وارو ۽ پنهنجو واعدو پورو نه ڪرڻ وارو.

(6) حرص ڪرڻ: حد کان زياده مال ۽ دولت گڏ ڪرڻ جي خواهش. هي مرض ماڻهوءَ کي لالچي بنايو ڇڏي، حرص هڪ قسم جو دائمي فڪر آهي. جيڪو هميشه ان کي وچارو ۽ محتاج ظاهر ٿو ڪري، خواهه هو ڪيترو به دولتمند هجي. امام جعفر صادق فرمايو: ماڻهن ۾ دولتمند اُهو آهي جيڪو حرص جو قيدي نه آهي _ حرص ٿڪاوٽ ۽ بي سڪونيءَ جي ڪنجي آهي _ حريص رضا ۽ يقين جو مقام هرگز حاصل نٿو ڪري سگهي _ جيڪو شخص پنهنجي قسمت تي راضي آهي، اهو بي نياز آهي.

ان ڪانسواءِ ٻيون ڪيترئيون ئي روحاني بيماريون مثلاً خود نمائي، چغلي ڪرڻ، جهيڙو پيدا ڪرڻ، ٺڳي ڪرڻ، خيانت ۽ ڏيکاءُ ڪرڻ جهڙيون خطرناڪ صفات آهن. جن جا به جسماني ۽ معاشي، معاشرتي ترقياتي سڪون کي ختم ڪرڻ جهڙا خطرناڪ نقصانات آهن.

اهي نقصانات ڪيئن صحيح ڪجن؟ ان جو آسان جواب آهي اخلاق ۽ عادت کي بهتر ڪرڻ. بهتر ڪيئن ٿين ان لاءِ مختصر ڪوشش پڙهڻ وارن لاءِ:

- امام جعفر صادق عليه پنهنجي ذهين ۽ محنتي شاگرد هشام بن حڪم کي فرمايو: مون تمام علمن کي چار علمن جي چوڏاري پاتو. (1) پنهنجي خدا کي سڃاڻو (2) غور و فڪر ڪريو ته ان توهان کي پنهنجي نعمتن ۾ ڪيتري قدر نوازيو آهي (3) نعمتن جي بدلي توهان کي ڇا ڪرڻو آهي (4) اهي ڪهڙا گناهه ۽ سبب آهن جيڪي روحانيت ختم ڪن ٿا:
- بندگيءَ جي حقيقت 3 خصوصيتن جي ڪري حاصل ٿئي ٿي. (1) بندو هن دنيا ۾ ڪوبه مال ۽ جائداد پنهنجو نه سمجهي (2) اگر بندو، بندگيءَ جي حقيقت کان واقف ٿيڻ چاهي ٿو ته هن کي پنهنجي لاءِ ڪابه تدبيرءِ چارو جوئي نه ڪرڻ گهرجي، (3) هميشه پنهنجي مذهب ۽ ديني عقيدن جي باري ۾ غور ۽ فڪر ڪري ته خدا تعاليٰ ڪهڙا حڪم ڪيا آهن ۽ ڪهڙين شين کان روڪيو آهي.

خبردار! : جيسين تائين بک نه لڳي، کائڻ کان پرهيز ڪريو ڇو جو بک کان بغير کائڻ سان حماقت ۽ بي وقوفي وڌي وڃي ٿي.

جڏهن دستر خوان تان حلال گرهه کڻو خدا جو نالو وٺڻ نه وساريو ۽ بسم الله پڙهو

-امام جعفر صادق عليه پنهنجي پٽ کي هن طرح نصيحت فرمائي: "اي منهنجا پٽ منهنجي نصيحت غور سان ٻڌ ۽ هميشه ياد رک، جيئن هن دنيا ۾ پنهنجي زندگي خوش بختيءَ سان گذارين ۽ مرڻ کان پوءِ سعادت ۽ فلاح حاصل ڪرڻ وارن مان ٿئين"

(1) جو شخص پنهنجي قسمت تي قناعت ڪندو اهو هميشه خوش رهندو ۽ جيڪو ٻين جو مال هوس جي نگاهه سان ڏسندو اهو غني هجڻ باوجود فقير رهندو

(2) جيڪو شخص تقدير الاهي تي راضي نٿو رهي اهو خدا جي طرف ڀلم جي نسبت ٿو ڏئي

(3) جيڪو پنهنجو گناهه ننڍو سمجهي ۽ ٻين جي غلطي ان جي نظر ۾ تمام وڏي آهي، اهڙو ماڻهو ٻين جا عيب ڳولي ٿو ۽ ماڻهن جي گلا ٿو ڪري ۽ پنهنجي نفس جي اصلاح نٿو ڪري.

(4) جو ڪير ٻين جا عيب ظاهر ڪري ٿو اچانڪ هن جي عيبن تان پردو ڪڇي وڃي ٿو ۽ پنهنجو پاڻ کي خاص ۽ عام ۾ ذليل محسوس ڪري ٿو.

(5) جو ڪير فتنه ۽ فساد جي تلوار مياڻ مان ڪيندو نتيجو ان جو خون ان زمين تي وهندو

(6) جيڪو ٻين لاءِ کوهه کوٽي ٿو اهو خود ان ۾ ڪري ٿو اهڙيءَ طرح پنهنجي ڪرڻ جي سزا پنهنجي هٿان پائي ٿو

(7) جنهن حد تائين ٿي سگهي صالح عالمن جي صحبت اختيار ڪر، جيئن علم جي روشنيءَ ۾ پروان چڙهين.

(8) جيڪو بيوقوف احمق سان دوستي ڪندو ذليل و خوار ٿيندو

(9) جو ڪير خراب جاءِ تي ويندو لازمي طور ان تي خرابيءَ جو الزام لڳندو

(10) اي منهنجا پٽ هر جڳهه ۾ هميشه سچ چئو پلي سچائي تنهنجو ڪم خراب ڪري ۽ توکي دنيا جي لحاظ کان نقصان ڏي.

(11) چغلي لڳائڻ کان پرهيز ڪريو ڇو جو اهو عمل ماڻهن جي دلين ۾ تنهنجي لاءِ دشمني پيدا ڪندو ۽ تنهنجي معاشرتي شخصيت ۽ عزت گهٽ ڪندو.

(12) اگر ڪڏهن پيسي جي ضرورت ٿئي ته اهڙي تهڙي ماڻهوءَ جي اڳيان سوال نه ڪر پر ڪو سخي ۽ ڪريم تلاش ڪر.

عنوان: نصري کان هن طرح فرمايو: "آئون توکي حڪمت جي نصيحت ڪريان ٿو ۽ هي ڇهه ڳالهيون نصيحت لاءِ ڪافي آهن:

حلم: جي باري ۾ (3) نصيحتون:

(1) جيڪو شخص تنهنجو گريبان قابو ڪري چوي "اگر تون مون کي هڪ گار ڏيندي ته آئون توکي ڏهه ڏيندس" ته ان کي جواب ۾ چئو ته "اگر تون مون کي ڏهه گاريون ڏيندي ته مون کان هڪ به نه ٻڌندين"

(2) جيڪو توکي خراب چوي تون ان کي جواب ۾ چئو "تو جن خرابين جي نسبت مون ڏي ڏني آهي، اگر اهي مون ۾ موجود آهن ته آئون بارگاهه الاهيءَ ۾ توبهه ٿو ڪريان ۽ رحمت جو طلبگار آهيان جيئن منهنجي ان برائي مان نجات ٿئي، پر مون ۾ اها برائي نه آهي ۽ تو مون تي بغير سبب الزام لڳايو آهي ته آئون دعا ٿو ڪريان ته تنهنجو اهو گناهه بخش ٿئي.

(3) پنهنجي دشمن سان تواضح سان پيش اچ اگر هو توهان کي مصيبت ۽ تڪليف سان ڏيجارين ٿا ته انهن کي دعا ۽ محبت جي نويد ٻڌايو.

علم جي باري ۾ (3) نصيحتون:

(1) عقل وارن کان علم حاصل ڪريو ۽ جيڪو ڪجهه نٿا ڄاڻو ان جي پڇڻ ۾ شرم محسوس نه ڪريو پر فضول سوال نه ڪريو ۽ وقت جو قدر سمجهو

(2) مسئلن ۾ هرگز پنهنجي طرف کان مشورو نه ڏيو علم کي حقير نه سمجهو ۽ احتياط کي ڇڏي نه ڏيو

(3) خبردار! پنهنجي ڳلي کي ماڻهن جي لاءِ پل نه ناهه ۽ فتوي ڏيڻ کان ائين بچو جيئن شينهن کان بچو ٿا.

امام سفيان سوريءَ جي جواب ۾ فرمايو: "جڏهن نعمت حاصل ٿئي ته پيشاني خاڪ تي رکو ۽ جڏهن تنگدستي ٿئي ته استغفار ڪريو"

مضمون جي آخر هن آيت مبارڪ سان حاضر خدمت آهي: "اي انسان! توهان وٽ پروردگار جي طرف کان نصيحت ۽ جيڪي بيماريون دل ۾ انهن جي دوا اچي ويئي آهي" (سورت يونس آيت 57)

پير ڪرم الله الاهي المعروف دلبر سائين دربار فضل آباد شريف ماتلي

”تماڪ جون تباھ ڪاريون“

سنڌي ۾ سڏن تماڪ . اردو ۾ تمباڪو عربيءَ ۾ "التبغ"يا "طباق"، فارسي ۾ "تنباڪ"، فرانسيسي ۾ "تابا" يا "تاباڪ" انگريزي ۾ ٽوبيڪو(tobacco) ، پشتو ۾ "تمباڪو"، ترڪيءَ ۾ "توتون"، اسپاني ۾ "تابوڪو"، يوناني ۾ "ٽوباڪس" . هي هڪ ڪوڙي ذائقي وارو ٻوٽو آهي. جيڪو زمين جي پيداوار آهي. ان جو قد هڪ فوٽ کان ٻن ميٽرن تائين ٿئي ٿو. ان جي بدبوءِ سبب ماکي جي مک ان مٿان نہ ٿي ويهي. ان جي بدبوءِ ۽ ڪوڙاڻ سبب، مال ان کي نہ ٿو چري. صاف ڪاڏي ۾ ان جو ذرو پوي تہ ان کي بہ بگاڙي ڇڏي ٿو. ان جا پن بيضوي طرح ٽين ٽا ان جا گل ڳاڙها ۽ سهڻا ٿين ٿا. تماڪ جي ٻوٽي جا ڪيئي قسم آهن. زراعت جي ماهرن ان جا چاليھ قسم ڳڻايا آهن. انهن مان ڪي سٺا ڪي ردي قسم جا ٿين ٿا. انهن مان اعتيادي، قروي، عطري مشهور آهن. ماڻهو تماڪ جي پنن کي ساڙي ان جو زهريلو دونهون مختلف اندازن ۾ پيئن ٿا. مثلاً سگريٽ، ٻيڙي، چلم، حقو وغيره.

تماڪ جو هڪ ٻوٽو۔ تماڪ جي پوک

- تماڪ جي استعمال جو آغاز: تماڪ جو پيئڻ سلف صالحين جي عهد ۾ ڪو نہ هيو. عرصي دراز بعد دونهين پيئڻ جي بيماري پيدا ٿي. دنيا جي مختلف ملڪن ۾ ان جا انداز مختلف رهيا آهن. سنڌي اردو وارا تماڪ جي دونهين کي پيئڻ يا ڇڪڻ جي معنيٰ ۾ وٺندا آهن. چوندا آهن. سگريٽ پيئڻ، حقو ڇڪڻ. عرب ۾ ان کي دونهون دڪائڻ "التدخين" يا دونهون چنبڙڻ "الاستنشاق" جي معنيٰ ۾ وٺندا آهن. بعض محققن جي بقول عالمِ عرب ۾ توڙي عالمِ اسلامي ۾ 1012ھ کان اڳ ان جو نام ۽ نشان نہ ٿو ملي.

سڀ کان اول وچ آمريڪا ۾ ذڪرَ آمريڪا جي ماڻهن، يورپين جي اتي اچڻ کان اڳ تماڪ جي استعمال جي شروعات ڪئي. انهن جي چوائڻي تماڪ سيني ۽ مٿي جي بيمارين جو علاج آهي. پوءِ آهستہ آهستہ ان جو استعمال وڌڻ لڳو. جڏهن اتي يورپي ۽ آفريڪي ماڻهو داخل ٿيا تہ انهن بہ بطور دوا جي ان جو استعمال شروع ڪيو. پوءِ اسپين وارن بيمارين جي علاج طور ان جو استعمال شروع ڪيو. اسپين کان ٻاهر ان جو سڀ کان پهريون استعمال فرانس جي ملڪ "مديجي" ڪيو.

يارهين صدي هجري جي اوائل ۾ تماڪ جو استعمال عالمِ عرب ۾ متعارف ٿيو. پوءِ مغرب وارن کان متاثر ٿيندي عرب جي ڪن طبيبن اهو سمجهيو تہ ان جي استعمال سان بدن مان بيماريون نڪري وڃن ٿيون. پوءِ انهن ان جي ساراھ ۾ لکيو تہ اهو بيماريون وڃائي ٿو ۽ قوت وڌائي ٿو. حالانڪ حقيقت ان جي ابتڙ هئي. ان جي استعمال سان تہ بيماريون بدن ۾ داخل ٿين ٿيون. جن سان انسان جلدي ڪراڙو ۽ ڪمزور ٿي وڃي ٿو. ڪن جو چوڻ آهي تہ تماڪ جي دونهين پيئڻ جو سڀ کان اول آغاز يهودين ڪيو هيو. پوءِ اها وبا عالم ۾ پکڙي. تماڪ جي پوک جو آغاز: آمريڪين جڏهن ان کي باقائده مختلف صورتن ۾ استعمال ڪرڻ شروع ڪيو تہ ان جي گهرج وڌي وئي. دنيا جو مشهور سياح ڪولمبس سفر دوران جڏهن 1492ع ۾ آمريڪا پهتو هيو تہ ان اتي انهن جي عجيب طرح سان تماڪ استعمال ڪرڻ جو ذڪر لکيو آهي. انهن جو گمان هيو تہ تماڪ جي دونهين جي پيئڻ سان ٿڪ لهن ٿا. بدن کي فرحت ملي ٿي. ان جي پيئڻ وارن، نہ پيئڻ وارن ماڻهن کي اهڙيون ڳالهيون ٻڌائي تماڪ پيئڻ جو عادي بنايو. تانجو جڏهن اهي

عادي ٿي ويا ته انهن تماڪ جي ٻوڪ ڪرڻ شروع ڪئي. پوءِ تماڪ ٻوڪجڻ لڳو ۽ ان جو وڪرو تجارت جي صورت ۾ اختيار ڪري ويو.

هن وقت تماڪ آمريڪا، ڪيوبا، ميڪسيڪو برازيل، بلغاريا، يونان، فرانس، اٽلي، يوگوسلاويا، آسٽريليا، هنگري، سوريا، لبنان، عراق، الجزائر، تيونس، مغرب افغانستان ۽ پاڪستان ۾ ٿئي ٿو. مسلم ملڪن ۾ سوريا ۽ عراق ان جي پوکي ۾ پهرئين نمبر تي آهن.

اتي ان کي سڪائڻ، سٽڻ، ڪترڻ، ڇورو ڪاهڻ، ان ۾ مسالا ملائڻ جو ڪم ٿئي ٿو. تماڪ جي پنن کي سڪائڻ ان ۾ ڪيميڪل ملائي تيار ڪرڻ هڪ جدا فن آهي. دور قديم ۾ عربن وٽ تماڪ جي ٻوٽي کي "طباق" جي نالي سان سڏيندا هئا. اهي تماڪ جي پنن کي سڪائي ڪٽي رکندا هئا، نانگ يا وڇون جي ڏنگيل کي ڏنگ واري جاءِ تي تماڪ جو پائوڊر رکندا هئا. يا نانگ جي ڏنگيل کي ٿيءَ ڪرائڻ لاءِ ماکي ۾ ملائي پياريندا هئا. اهي تماڪ جي پيئڻ يا دکائڻ کان بلڪل ناواقف هئا. تانجو ڏهين صدي هجري جي آخر ۽ يارهين جي اوائل ۾ فارس ۽ هند ۾ تماڪ جي دونهين پيئڻ جي رِيت وارد ٿي. اتان عرب ۾ پهتي. قديم دور ۾ تماڪ جي استعمال جو طريقو: ابتدا دور ۾ تماڪ ڪيئن استعمال ڪيو ويندو هيو؟ ان جي باري ۾ برٽش ميوزم لنڊن ۾ تصويرون موجود آهن. انهن کي ڏسي اندازو ٿئي ٿو ته اهي گول دائري ۾ ويهندا هيا وچ ۾ تماڪ جا پن ساڙيندا هئا ۽ ڊگهين ڊگهين نلڪين جي ذريعي ان مان دونهون چڪيندا هئا. اهڙيون شاهديون به موجود آهن جو ڊگهي نلڪي جي آخري ڇيڙي تي تماڪ جا پن وجهي انهن کي جلائيندا هئا. نلڪي جو ٻيو ڇيڙو نڪ تي رکي ڊگها ڊگها ساهه اندر ڇڪيندا هئا. ڪي وري تماڪ کي ساڙي ان جي دونهين جو واس وٺندا هئا. ننڍي کنڊ ۾ تماڪ جي آمد: بر صغير ۾ تماڪ جي آمد ڪڏهن ٿي اها ڳالهه چٽي نه آهي. ڪن تاريخ نويسن چيو ته اڪبر بادشاهه جي زماني (1556 کان 1606) تائين جي زماني ۾ تماڪ برصغير ۾ متعارف ٿي چڪو هيو ۽ غالب گمان هي آهي ته تماڪ کي برصغير ۾ آڻڻ وارا پرتگالي واپاري هئا. جن جي اڳواڻ واسڪوڊيگاما 1498ع ۾ ملبار جي ساحل تي قدم رکيو هو. شاهه جهانگير تزڪ جهانگيري ۾ لکيو آهي ته تماڪ کي فرنگي آمريڪا کان کڻي آيا شهزادي دارا شڪوه به ان جي تصديق ڪئي آهي. ان لکيو آهي ته تماڪ اڪبر بادشاهه جي عهد جي آخر ۾ فرنگين کان هتي آيو. ڪن چيو ته جڏهن ايسٽ انڊيا ڪمپني جا گورا واپاري بنجي برصغير ۾ آيا ته انهن اچي برصغير ۾ تماڪ جي استعمال کي ڦهلايو. سنڌ سڳوري جا ماڻهو تماڪ واپرائڻ کان واقف ئي نه هئا. انگريزن جڏهن تماڪ برصغير ۾ آندو ته اهو هندستان جي رياستن مان سنڌ ۾ پهتو. موجوده پان جو رواج هتي مهاجرن جي ذريعي پکڙيو.

تماڪ جي تاريخ : 1492ع ۾ ڪرسٽوفر ڪولمبس آمريڪين کي تماڪ پيئندي پوکيندي ڏٺو هيو. سنه 1518ع ۾ اسپين وارن تماڪ جي باقائده پوک پوکي. سنه 1558ع ۾ تماڪ جي پوک فرانس ۾ پوکي وئي. سنه 1584ع ۾ انگلترا ۾ اها بيماري پهتي. سنه 1601ع ۾ تماڪ مصر ۾ پهتو. سنه 1604ع مصر ۾ پير پُختا ڪري ورتائين. سنه 1604ع انگلترا جي بادشاهه جيمس اول ماڻهن کي سگريٽن جي نقصانن کان آگاهه ڪيو ته اهو ڦڦڙن کي خراب ڪري ٿو. سنه 1614ع ۾ صرف لنڊن جي شهر ۾ ست هزار سگريٽ ۽ حقي پيئڻ جا هوٽل بنجي چڪا هئا. سنه 1628ع ۾ پوپ ارخين ثالث سگريٽ نوشن جي چرچن ۾ اچڻ تي پابندي مڙهي. سنه 1642ع ۾ پوپ اروبان ۽ عيسائيت ۾ سگريٽ نوشي جي حرام جو حڪم ڏنو. سنه 1652ع ۾ انگلترا ۾ تماڪ جي پوک تي پابندي لڳائي وئي.

سنہ 1799ع ۾ مصر ۾ تماڪ جي باقائده پوک پوکي وئي. 1840ع ۾ فرانس ۾ هڪ سنهين پني ۾ تماڪ کي ويڙهي ان جي چوٽي کي دکائي تماڪ پيئڻ جي شروعات ڪئي، جيڪا سگريٽ جي صورت ۾ دنيا ۾ پکڙجي وئي. سنہ 1880ع ۾ سگريٽ کي باقائده سهڻي شڪل ۾ ٺاهي ماڻهن لاءِ پرڪشش بنايو ويو. سنہ 1910ع ۾ اقوام متحده اعلان ڪيو تہ سگريٽ صحت جو دشمن آهي. ان کان بچو. سنہ 1938ع ۾ ڊاڪٽر بيرل انڪشاف ڪيو تہ سگريٽ ماڻهو جي عمر گهٽائي ٿو. سنہ1939ع ۾ امريڪا ۾ پهريون پيرو ڪنگ سائز سگريٽ جو آغاز ٿيو. سگريٽ جي موجوده صورت سڀ کان اول برازيل ۾ سنہ 1880 ع ۾ شروع ٿي. سنہ 1954ع ۾ پهريون پيرو فلٽر وارو سگريٽ ٺاهيو ويو. سنہ 1954ع ۾ آمريڪي ڊاڪٽر ٻڌايو تہ سگريٽ مان ڪينسر جو مرض پيدا ٿئي ٿو. ان کان پوءِ مسلسل تحقيقون ٿيڻ لڳيون ۽ دنيا جي ڊاڪٽرن طبيبن جا پاڻ ۾ بحث مباحثا ٿيا. هر طرف کان اهي تحقيقون سامهون اچڻ لڳيون تہ سگريٽ صحت جو ويري آهي. اڄا تائين ڪنهن بہ طبيب ۽ ڊاڪٽر اهو ثابت ڪونہ ڪيو آهي تہ ڪو سگريٽ بي ضرر شيءِ آهي.

سگريٽ ساڙڻ : آمريڪي سروي مطابق سنہ 1980 ع ۾ 650 ملين سگريٽ رڳو آمريڪا ۾ سڙيا. ان سال دنيا ۾ 100 ملين آمريڪي ڊالرن جا سگريٽ دنيا وارن ساڙيا هئا. تماڪ ۾ ڪيميائي جزا: تماڪ جي پنن ۾ ڪيميائي جزا لڌا ويا آهن. جيڪي نيش پيش زهر آهن. طبيبن جي تحقيق مطابق تماڪ جا پن سڙن ٿا تہ ان مان ڇهہ هزار ڪيميائي مرڪب پيدا ٿين ٿا. انهن مان مشهور مرڪب هي آهن: نيڪوٽين : يورپ جي هڪ سائنسدان "جان نيڪوٽ" سڀ کان اول تحقيق ڪري ٻڌايو تہ تماڪ ۾ هي زهريلو مرڪب ٿئي ٿو. انڪري هن جو نالو ئي نيڪوٽين (nicotine)رکيائون. گهڻن سگريٽن پيئڻ واري کي ڏندن جي مٿان جيڪا ڦڪاڻ ظاهر ٿيندي آهي يا ان جي آڱرين جي ننهن جو رنگ ڦڪو ڏسڻ ۾ ايندو آهي، اهو نيڪوٽين جي سبب آهي. ان جي سبب دل ۽ دماغ جي شريانين ۾ "ڪِرُ" جمع ٿيندي آهي، جيڪا اڳتي هلي گهڻين مُهلڪ بيمارين جو سبب بڻبي آهي. نيڪوٽين (nicotine) هڪ زهر آهي. اهو جڏهن وات ذريعي نڙي ۽ ڦڦڙن تائين پهچي ٿو تہ اهو خطرناڪ اثرات پيدا ڪري ٿو. اهو هاضمي جي نظام کي بگاڙي ٿو. ڦڦڙن ۾ پهچي ٿو تہ کنگهہ پيدا ڪري ٿو. تماڪ جي سائي ٻوٽي ۾٪ 2 کان ٪ 10 سيڪڙو تائين نيڪوٽين هوندي آهي. جڏهن سُڪي ٿو تہ اها ٪ 0.5 کان ٪ 5 تائين هوندي آهي. ان کي سَٽي ڳتي سگريٽ ۾ وڌو وڃي ٿو تہ ان ۾ نيڪوٽين ٪1 کان ٪3 تائين هوندي آهي. ڊاڪٽرن جي تحقيق مطابق نيڪوٽين جو هڪ گرام ڪتي کي مارڻ لاءِ ڪافي هوندو آهي. ان جا اثرات جسم ۾ يڪدم نظر نہ ايندا آهن. بلڪ آهستہ آهستہ اهي جسم کي ڳاريندا رهندا آهن. انڪري ڪي ماڻهو دوکي ۾ رهندا آهن. چوندا آهن اسان تہ سالن کان سگريٽ پي رهيا آهيون، اسان کي تہ ڪجهہ ڪونہ ٿيو آهي. حقيقت ۾ اها اندر جو اندر سُري وانگر ڪائيندي رهندي آهي. ڪاربان مونو آڪسائيڊ: هيءَ شديد قسم جي زهريلي گئس آهي جيڪا تماڪ جي دونهين مان نڪرندي آهي. ان جو نہ رنگ هوندو آهي نہ بوءِ نہ ذائقو. هڪ گاڏي جي دونهين ۾ اها گئس 5 کان٪ 7.3 تائين هوندي آهي. پر سگريٽ جي دونهين ۾ اها 1 کان ٪ 14تائين هوندي آهي. اها گئس رت جي هيموگلوبين ۾ آڪسيجن جي بجاءِ گڏجي ويندي آهي. ان جي سبب سگريٽ پيئڻ وارن کي ساهہ کڻڻ ۾ تڪليف محسوس ٿيندي آهي. ڪاربان: هي ڊامبر وانگر ڪارو غليظ مواد آهي. جيڪو سگريٽ جي دونهين مان نڪرندو آهي. جسم جي خِلين کي بري طرح متاثر ڪندو آهي. تماڪ جي استعمال جون صورتون: تماڪ جو ڪوڙو ٻوٽو جنهن ۾ پوٽاش ۽ نوشادر جا جزا هوندا آهن. ان کان سواءِ ان ۾ نيڪوٽين جهڙا ڪيئي مُهلڪ مادا هوندا آهن. اهو اسان وٽ بيشمار صورتن ۾ استعمال ٿي رهيو آهي. اهو ڪهڙي بہ صورت ۾ استعمال

ڪيو وڃي. نقصانن کان خالي ناهي. دونهين جي صورت ۾ واپرايو وڃي، يا وات ۾ وجهڻ جي صورت ۾ يا سنگهڻ جي صورت ۾ واپرايو وڃي. ان جي هيئين ۾ هير پوي تہ سولي جان نہ ٿي ڇٽي. ان هزارن کي هلاڪ ڪيو آهي. ان کان بچڻ ضروري آهي. بيڙي ۾ تماڪ پوي، سگريٽ ۾ تماڪ پوي، پان ۾ تماڪ پوي، ناس تماڪ مان ٺهي، نسوار تماڪ مان ٺهي، سگار ۾ تماڪ پوي. تماڪ گهڻا گهر اجاڙي ڇڏيا. گهڻا وسندڙ گهر ويران ڪري ڇڏيا. ان ۾ وري جڏهن چرس پوي ٿو تہ اهو زهر ۾ زهر آهي. دونهين جو استعمال: تماڪ جا پن ساڙي اهو گرم دونهون ساهہ جي ذريعي اندر پهچائڻ ۽ ان زهريلي دونهين کي پنهنجو جيءُ جلائڻ بعد ٻاهر ڦوڪي ڇڏڻ. ان جون بہ ڪيئي صورتون آهن. ماڻهو ان دونهين کي پنهنجي حال حيثيت مطابق استعمال ڪن ٿا. غريب غربا بيڙي ذريعي، ڪي سگريٽ ذريعي، ڪي حقي چلم، ڪي سلفي يا ٻنگري ذريعي تماڪ جي دونهين کي واپرائن ٿا. اهو گرم زهريلو دونهون وات، ناسن، ساهہ جي نالين، ڦڦڙن، دل، دماغ، سيني عضون تي اثرانداز ٿئي ٿو. جنهن مان بيشمار مُهلڪ مرض جنم وٺن ٿا. ان جي استعمال سان ديني، دنياوي، جاني، مالي، انفرادي، اجتماعي، گهريلو اخلاقي روحاني نقصان ظاهر ٿين ٿا. جڏهن ڪو ماڻهو ان جي عادت ۾ مبتلا ٿي وڃي تہ اهو پاڻ کي هڪ قسم جي زنجيرن ۽ ڳٽن ۾ قيد ڄاڻي ٿو. ڇڏڻ چاهي تہ ڇڏي نہ ٿو سگهي ۽ ماڻهو پاڻ کي مجبور سمجهي ٿو. حقيقت ۾ اهو بہ ابليس جو ڌوڪو آهي. اگر ڇڏڻ چاهي تہ بلڪل ڇڏي سگهي ٿو. اللهم احفظنا وسائر المسلمين من الدخان ناس: تماڪ جي پنن کي سڪائي سَٽي ڪُٽي ان ۾ مزيد مهلڪ مادا ملائي، هڪ خاڪو تيار ڪيو ويندو آهي. جنهن کي "ناس" سڏيندا آهن. اها آڱوٺو ۽ اشهد آڱر ملائي هڪ چپٽي ڀري نڪ جي سوراخ تي رکي زور سان وڏو ساهہ کڻي، اندر اماڻي ويندي آهي. ان جا مضر ۽ زهريلا اثرات آهن. جيڪي آهستہ آهستہ مرضن جي صورت ۾ ظاهر ٿيندا آهن. نسوار: تماڪ جي پن کي ڪُٽي پيهي ان ۾ ٻيا مرڪب ملائي هڪ چورو تيار ڪيو ويندو آهي. ان کي "نسوار" سڏيندا آهن. اها وات ۾ ڏندن جي مهارن ۽ چپ واري ڪل جي وچين وٿي ۾ وڌي ويندي آهي. اهو تماڪ جي استعمال جو قبيح طريقو آهي ۽ سخت نقصانن جو ڪارڻ آهي. ان جا اثرات معدي ۽ آنڊن تائين پهچن ٿا. جنهن سان اعصاب مرضن ۾ مبتلا ٿي وڃن ٿا. پان : تماڪ جا ڪيئي قسم پان جي پن ۾ ويڙهي، سوپارين سميت وات ۾ وجهي چٻاڙي ان جي رس چوسڻ کي پان سڏن ٿا. جيڪو پڻ صحت لاءِ نقصانڪار ثابت ٿيو آهي. ان مان وات جي ڪينسر جا ڪيئي مريض موت جو ڪوڙو پيالو پي چڪا آهن ۽ هزارين پان جي استعمال سبب اسپتالن ۾ بيمارين جون ڪلفتون ڪاٽي رهيا آهن. تماڪ پيئڻ يا شارب التنباک ما اجراکا , من ذالذي في شربہ افتاکا اتظن ان شرابہ مستعذب , ام هل تظن بان فيہ غذا کا هل فيہ نفع ظاهر لک يا فتيٰ , کلا فلا فيہ سويٰ ايذا کا وتلاف مال لاتجد عوضا لہ , الا دخاناً قد حشيٰ احشاکا اي تماڪ واپرائڻ وارا توکي ڪنهن اهڙي جرئت ڏياري آهي؟ توکي ڪنهن تماڪ واپرائڻ جي فتويٰ ڏني آهي. تون سمجهين ٿو تہ ان جو پيئڻ مزيدار آهي؟ يا تون سمجهين ٿو تہ ان ۾ تنهنجي ڪا غذا آهي؟ اي نوجوان ! ان ۾ ڇا ڪو تنهنجو ظاهري نفعو آهي؟ هرگز نہ. تنهنجي نقصان کان سواءِ ان ۾ ٻيو ڪجهہ بہ نہ آهي. مال جو اهڙو نقصان آهي جنهن جي موٽ ۾ ڪو نفعو ئي نظر نہ ٿو اچي. سواءِ ان دونهين جي جيڪو ڦوڪن ۾ ڪيين ٿو. دونهين جي مذمت کم في الدخان معائب ومکاره , دلت رزائلہ عليٰ انکاره يوذي الکرام الکاتبين بنتنہ , وامام وجهک شعلة من ناره کم من نقود يا فتيٰ وملابس , اتلفتها بشرائہ وشراره وبہ الثنايا اللولويہ انسدت , بقبيح لون سواده وصفاره وتري الصفار عليٰ شواربہ بدا من جذبہ الدخان من منخاره وتري الهوام اذا احسن بريحہ , ترک المکان وفر من اوکاره والخل لاتلوي اليہ لخبثہ , ابدا ولا تدنوا الي ازهاره ولنتنہ ولقبحہ في طعمہ , لم تدن سائمة اليٰ اشجاره

ڪنهن ماڻهو هڪ الله واري کي وڏي هيج مان سگريٽ پيش ڪيو. پاڻ ان کي چيائين: اتکرمني بسيجار الدخان. وما في شربها الا هوانِ ايشعل عاقل بيديہ نارا . ليحرق نفسہ في کل آن ڇا سگريٽ جي ذريعي تون منهنجي عزت افزائي ٿو ڪرين؟ ان جي پيئڻ ۾ تہ منهنجي لاءِ خواريءَ کان سواءِ ڪي بہ ڪينهي. ڇا ڪو سياڻو گهڙي گهڙي باهہ ٻاري ان ۾ پنهنجي جان جلائيندو؟ شوق دا ڪوئي ملهہ نهين : پر پوءِ بہ ڪنهن کي کهڙو شوق ڪنهن کي کهڙو؟ ڪنهن کي ٻين کي ساڙڻ جو شوق ڪنهن کي پنهنجي جان جلائڻ جو ذوق . پنهنجي سيني ساڙڻ جو شوق. ڪنهن چيو تہ: اک تصوير وفا هے مير‌ا سگريٹ اور ميں دونوں اک دوج ے کو‌ا تهوں ميں لۓ ے جلت ے هيں سگريٽي همراهہ بہ صبح سويل اٿندا تہ نہ خدا ياد نہ رسول اول دونهين جي دپ. دونهون بہ اهڙو جو منهن ڍڪجي وڃي. پوءِ چوندا تہ اسانجو منهن دونهين مان ائين پيو چمڪي جيئن ڪڪرن مان چنڊ. هڪ جاءِ تي سگريٽن جي شوقينن جي مجلس جاري هئي، همراهہ ٻنهہ دونهين جا دلداده هئا. سيني وٺي جو ڪَشُ هنيا تہ ساري مجلس دونهون ئي دونهون ٿي وئي. انهن مان هڪڙو شاعر هيو ان فرمايو : طما فينا دخان کالسحاب , فصرنا منہ في عين الحجاب کاَنّ وجوهنا فيہ نجوم, تراءت للملا بين السحاب

وساءِ ساءِ سگريٽ وساءِ ! ان سان صحت تباه مال تباه ! نہ اول بسم الله نہ آخر الحمد لله. نہ ساهہ ڪچي سوکو.. سگريٽي گذاري اولو ۽ اوکو ... توبہ زاري عمر ساري , جنهن اڄ ڇڏيا سو ڪامياب. تماڪ جي زراعت: تماڪ، ڀنگ، ڏوڏي جي پوک پوکڻ بہ جائز نہ آهي. اها گناه ۾ ٻين جي مدد ڪرڻ آهي. رب فرمايو: **ولا تعاونوا علي الاثم والعدوان** گناهن جي ڪم ۾ هڪ ٻئي جي مدد نہ ڪيو. اها پوک پوکي ٻين کي گناهہ مهيا ڪري ڏيڻ بہ گناه آهي. تماڪ جو واپار: بعض علماءَ حرام چيو آهي. اها ڪمائي بہ حرام سڏي آهي. ان مان خيرات ڪرڻ، حج ادا ڪرڻ، ٺيڪ نہ آهي ڇو تہ: ان الله طيب ولا يقبل الا طيبا بيشڪ الله پاڪ آهي ۽ پاڪيزه شين کي ئي قبول ڪري ٿو. اهڙي ڪمائي ۾ برڪت نہ هوندي آهي نہ اهڙي ڪمائي ۾ ڪو سڪون ملي سگهندو آهي. تماڪ : زراعت جي ماهرن جو چوڻ آهي تہ تماڪ جي ٻوٽي ويجهو نہ جانور وڃي ٿو نہ پکي نہ ماکي جي مک.

تماڪ جو استعمال:

سگريٽ نوشي جگر سوزي: سگريٽ صحت جو دشمن ۽ پيسي جو ويري آهي. اولهہ جي شاهوڪار ملڪن جا ماڻهو ان کي بدترين نشو سڏي ان کان بيزار ٿي ان جي روڪٿام لاءِ باقائده منظم طرح ڪوششون ڪري رهيا آهن. پر پاڪستان جهڙي ترقي پذير ملڪ ۾ ان جو استعمال ڏينهون ڏينهن وڌي رهيو آهي. ان جي روڪٿام جي ڪا بہ منظم ۽ مربوط ڪوشش ڪونہ پئي ڪئي وڃي. جنهن جي نتيجي ۾ نئون نسل تباه ٿي رهيو آهي. اتان جو عوام هن زهريلي ٻوٽي جي اُگرن نتيجن کان آگاه ٿيڻ بعد ان جي استعمال ۾ گهٽتائي ڪري رهيو آهي. پر اسان جو عوام روزبروز ان پاسي وک وڌائي رهيو آهي. سگريٽ ڇڏڻ جو عالمي ڏينهن: دنيا جون حڪومتون 31 مئي جو ڏينهن سگريٽ نوشي ڇڏڻ جي عزم جو ڏينهن ڪري ملهائن ٿيون. اسان وٽ سگريٽن جي تشهير تي ڪروڙين رپيا خرچ ڪري ماڻهن کي ان لاءِ اپاريو وڃي ٿو.

تماڪ خطرناڪ:

ماهرن مطابق هن وقت دنيا کي هڪ سنگين خطرو سگريٽ نوشي جي صورت ۾ پيش آهي. تماڪ نوشي جي جيترن خطرن ۾ هن وقت دنيا وڪوڙجي وئي آهي اوترو اڳ نہ هئي. تماڪ نوشي ٻين نشن جيئن چرس، ڀنگ، آفيم، گانجو

شراب هيروئن کان وڌيڪ خطرناڪ آهي. جو تہ انهن شين کي نشو سمجهي انهن کي عيب سمجهيو وڃي ٿو. پر تماڪ خوري يعني سگريٽ ۽ پتي پان، ناس ۽ نسوار کي گهڻا ماڻهو عيب ئي نہ ٿا سمجهن. نہ وري انهن مان پيدا ٿيندڙ خطرن تي غور ڪرڻ لاءِ تيار ٿين ٿا. نہ وري حڪومت ان جي خلاف ڪو عملي قدم کڻي ٿي. ان ڪري تماڪ ماڻهن جي پيسي، صحت ۽ مال کي نپوڙي رهيو آهي. سگريٽ ساز ڪمپنيون: سگريٽي ڪمپنين وڏي چالاڪي ۽ هوشياري سان راندين جا بار پنهنجي مٿان کنيا آهن. راندين جو اهتمام ڪري ماڻهن کي پنهنجي سگريٽن جي تشهير ڪرائن ٿا. ماڻهو بي شعوري ۾ راندين ڪرڪيٽ ۽ هاڪي وغيره جي تفريحي لمحن ۾ سگريٽي اشتهار پڙهي سگريٽن کي بہ خوشي ۽ طرب جو هڪ ذريعو سمجهي ان جا عادي بنجي وڃن ٿا. هڪ سروي مطابق پاڪستان ۾ صرف پي ٽي وي سگريٽن جي اشتهارن مان پنجن کان ڏهن ڪروڙن تائين ساليانو ڪمائي ٿي. وزارت صحت جيترو سگريٽ نوشي جي روڪٿام لاءِ بجيٽ رکي ٿي ان کان ڏهوڻ پيسا سگريٽ ساز ڪمپنيون پنهنجي مصنوعات جي تشهير تي خرچ ڪن ٿيون.

شاعرن جي شرارت: سگريٽ جي صنعت کي هٿي وٺائڻ ۾ شاعرن ۽ فنڪارن جو بہ وڏو هٿ آهي. اهي هر ڪش دلڪش جهڙا نعرا هڻي، يا سگريٽ جي صفت ۽ ثنا ۾ شعر ٺاهي ماڻهن کي بي عقل بنائن ٿا. جيئن هڪ شاعر فرمائي ٿو تہ: وڃي تون اي سگريٽ! چپ چم، عجيب ٿئي شال منهنجو بہ اهڙو نصيب هُتي تو کي عزت ۽ حرمت ملي هتي هڪڙو عاشق مري پيو پلي سگريٽ نوش نصيحت ڪرڻ تي ڪاوڙ ۾ اچي وڃي ٿو. چوي ٿو منهنجي زندگي آهي، جيئن گذاريان مون کي دنيا ۾ پنهنجي مرضي سان جيئڻ جو حق آهي. ان کي چئبو تہ بابا اگر پنهنجي مَن ماني زندگي گذارڻ جو توکي حق آهي تہ تنهنجي پاسي اوسي ۾ رهڻ وارن جا بہ تہ ڪي حق هوندا. انهن کي بہ صحتمند رهڻ ڏي انهن جي فضا کي دونهين سان خراب ڪرڻ جو توکي ڪهڙو حق آهي! ٻين جي صحت کي خراب ڪرڻ جو توکي ڪهڙو حق آهي. پاڪيزه فضائن کي آلوده ڪرڻ جو تو کي حق نہ آهي. ٻين کي بيمار بنائڻ جو توکي حق نہ آهي. جيڪي پيسا سگريٽن ۾ ساڙين ٿو تنهنجي ابي امان، ٻچن، اهل اولاد جو تو تي حق آهي. انهن جي خرچ جا پيسا سگريٽن ۾ نہ ساڙ. اسراف نہ ڪيو : الله ڪريم فرمايو آهي تہ: ڪلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا يحب المسرفين ۽ کائو ۽ پيئو ۽ پر اجايو خرچ نہ ڪيو. بيشڪ الله اجائي خرچ ڪرڻ وارن سان محبت نہ ٿو رکي. حلال ۽ پاڪيزه کاڌو هجي پر ان ۾ بہ اسراف سان ٻانهو الله جي محبت مان نڪري وڃي ٿو. پر ان جو تہ غور ڪيو جيڪو دونهين وارا ڪارا ساهہ کڻي ٿو جيڪو نہ کاڌو آهي نہ پيتو آهي. پيئڻ وارو خود مڃي ٿو تہ منهنجي وات ۾ گندي شيءِ آهي. گرم دونهون اندر اماڻڻ سان سينو ٿي سڙيو. پوءِ سگريٽ ساز ڪمپنين پنهنجي گراهڪي وڌائڻ لاءِ ان جي وات واري حصي ۾ فلٽر لڳايو تہ جيئن دونهين جي ساڙي ۾ ڪمي واقع ٿئي. ڪن تماڪ جي گرم دونهين کي ٿڌو ڪرڻ لاءِ حقو يا چلم ٺاهي. جيئن ساهہ زور سان ڇڪڻ سان تماڪ جو دونهون پاڻي مان گذري تہ ٿڌو ٿي اندر داخل ٿئي. ائين ڪرڻ سان دونهين جي حرارت ۾ تہ ڪمي ٿي پر تماڪ جا زهريلا اثرات تہ پنهنجي جاءِ تي جيئن جو تيئن موجود رهيا. پر ان ۾ هڪ وڌيڪ خرابي هيءَ پيدا ٿي جو چلم جي چٽ ۾ پيل پاڻي جيڪو جراثيمن سان ڀرپور ٿي وڃي ٿو. اُن مان جڏهن هوا گذري ٿي تہ اهي جراثيم ساهہ جي ذريعي اندر داخل ٿين ٿا. حرمين شريفين ۾ سگريٽ نوشي تي پابندي: دنيا جي ڪافي ملڪن ۾ سگريٽن جي پابندين بابت قانون جوڙيا ويا آهن. سعودي حڪومت انهن ۾ پيش پيش آهي. سعودي حڪومت جا سگريٽ نوشي جي سدِباب بابت ۽ سڄي دنيا مان اچڻ وارن مسلمانن کي ان جي نقصانن کان آگاهہ ڪرڻ بابت

پوري سعودي جي عام چونڪن چوراهن ۽ عوامي ميڙاڪن وارين جاين تي سگريٽن جي نقصانن بابت بورڊ لڳايا ويا آهن. مڪ مڪرمہ ۽ مدينہ منوره جي روڊن رستن تي بورڊ لڳايا ويا آهن. جن تي مختلف قسمن جا الفاظ لکي سگريٽ نوشي کان رڪجي وڃڻ جي ماڻهن کي اپيل ڪئي وئي آهي. حرمين شريفين جي حدن ۾ چارئي طرفن کان بورڊ لڳايا ويا آهن: انهن تي لکيل آهي: ممنوع التدخين. مثلاً : مسجد نبوي جي قريب هڪ بورڊ تي لکيل ڏٺم : "اسرتڪ احق بما تنفقہ علي التدخين" جيڪو سگريٽن تي خرچ ڪرين ٿو تنهنجي گهر وارا وڌيڪ حقدار آهن جو اهي پيسا انهن تي خرچ ڪرين. ڪافي جاين تي وڏن سائن بورڊن تي دل ڇاپيل آهي ان کي سگريٽ نانگ وانگر ويڙهيو پيو آهي. هيٺان لکيل آهي: "ممنوع التدخين" روضي پاڪ جي بلڪل سامهون هڪ وڏي هوٽل تي تمام نمايان اکرن ۾ لکيل ڏٺم: "اوهان رسول الله جي شهر ۾ آهيو ڪجهه خيال ڪيو. هن شهر کي دونهين کان خالي رکو". هڪ بورڊ تي لکيل هو: ويحرم عليهم الخبائث . والدخان خبيث ـ معا لتكون مدينة الرسول خاليا من التدخين.

منهنجو نبي اوهان تي خبيث شين کي حرام ڪري ٿو. دونهون بہ خبيث آهي. ان سان گڏ هي ڳالهہ بہ تہ رسول الله ﷺ جو شهر دونهين کان خالي هجي. سعودي قانون ۾ عوامي ميڙاڪن ۾ ماڻهن جي وچ ۾ سگريٽ پيئڻ منع ڪئي وئي آهي.

ڪافي آفيسن ۾ دفترن ۾ سگريٽ پيئڻ کان منع ڪئي آهي. قطر جي دوحا ايئر پورٽ ۽ دبئي ايئر پورٽ تي شيشي جا ننڍا ڪمرا ڏٺاسين جن تي لکيل هيو "غرفة التدخين" ان ۾ دونهين جي اخراج لاءِ خاص نيڪالي پائيپ لڳل هئا. مون ان ۾ اندر جهاتي پاتي تہ اهڙي بدبوءِ آئي جو هيانوُ اوراتجڻ لڳو. ڪي اتي سگريٽ پي رهيا هئا, ائين پي لڳو ڄڻ ڪي قيد جي ڪوٺڙي ۾ واڙيل آهن ۽ گرمي ۽ دونهين جي سزا ڪاٽي رهيا آهن. جهازن ۾ سيٽ تي ويهڻ سان سامهون اشارو نظر اچي ٿو جنهن تي سگريٽ نہ پيئڻ جو اشارو سامهون نظر اچي ٿو. ڪي جهاز اهڙا ڏٺاسين جن ۾ مڪمل طرح سگريٽن پيئڻ جي پابندي آهي. جن جهازن ۾ ٿوري دير لاءِ موالين کي اجازت ڏين ٿا تہ اها بہ انهن سيٽن وارن کي جيڪي جهازن جي پيٽرول جي ٽانڪين ۽ پرن کان پري واريون سيٽون آهن. ڇو تہ جهازن جو پيٽرول تمام تيز هوندو آهي, متان سگريٽ جي شعلي ۾ جهاز کي باهہ نہ لڳي وڃي. مصر سعوديہ قطر ۾ سگريٽ متان سخت پابندي آهي پوءِ بہ اتي تمام گهڻو سگريٽ پيتو وڃي ٿو.

احسان احمد عرسائي

آبي چڪر

آبي چڪر ڇا آهي؟

آبي چڪر اسان کي ڌرتيءَ تي، ڀرپور مقدار ۾ پاڻيءَ جو وجود ۽ چُرپُر سمجهائي ٿو. ڌرتيءَ جو پاڻي هميشه چرپر ۾ رهي ٿو ۽ هر وقت پنهنجي صورت مٽائيندو رهي ٿو. پاڻيءَ کان برف، ٻاڦ، ۽ پوءِ واپس پاڻيءَ. آبي چڪر اربن سالن کان هلندو اچي ۽ ڌرتيءَ تي سموري حيات ۽ جيوت جو جاري ساري رهڻ ان تي ئي دارومدار رکي ٿو. پاڻيءَ کان سواءِ ڌرتي رهڻ لائق نه هجي ها.

پيش ڪجي ٿو آبي چڪر جو مختصر تعارف. هن جز ليک (پيراگراف) ۾ ڏنل ڳنڍيا Links اوهان کي واسطيدار موضوع تي تفصيلي ڄاڻ رکندڙ صفحي ڏانهن وٺي وڃن ٿا. جيتوڻيڪ هر موضوع جو نسبتاً مختصر تعارف هن ئي صفحي تي اڃا هيٺ ڏنل آهي.

آبي چڪر کي ڪو به شروعاتي يا آغازي نُڪتو نه آهي. پر پاڻ ساگرن Oceans کان شروع ڪنداسين، ڇاڪاڻ ته ڌرتيءَ جي پاڻيءَ جو گهڻي کان گهڻو مقدار اتي ئي سمايل آهي. آبي چڪر جو محرڪ سِجُ آهي، جيڪو سمنڊ جي پاڻيءَ کي گرمائي ٿو. گرمائش سبب پاڻيءَ جو ڪجهه حصو اُٻارجي ٿو Evaporates هوا ۾ اُٻ جِي صورت ۾ شامل ٿي وڃي ٿو. برف Ice ۽ ڳِگ Snow سڌو سنئون اُٻ ۾ Sublimate سگهي ٿي. هوا جون مٿي ويندڙ اهڙيون اُٻ کي مٿي وايومنڊل Atmosphere ۾ وٺي وڃن ٿا. ان سان گڏ اهو پاڻي به مٿي وڃي ٿو جيڪو اُبڪبدلتڳاءِ Evapotranspiration جي عمل ذريعي ٻوٽن مان transpire ۽ مِٽيءَ مان اُٻارجي نڪري ٿو. اُٻ هوا ۾ مٿي کڄي وڃي ٿي، جتي جو ٿڌڙو گرمي پد اُٻ کي ٺالي Condense ڪڪر ڪري ڇڏي ٿو. هوا جا وهڪرا ڪڪرن کي سڄي ارض Globe ۾ گهُمائين ٿا. ڪڪرن جا ذرڙات پاڻ ۾ ٽڪرائجي گڏجن ٿا، ايئن وڏا ٿين ٿا ۽ وسڪارَ Precipitation جِي صورت ۾ آسمانَ تان ڪِرن ٿا. ڪجهه وسڪارَ ڳِگ جِي صورت ۾ هيٺ ڪِرندي آهي، جيڪا برفي ٻرن ۽ برفاني جبلن يعني برفالن Caps and Ice Glaciers جِي صورت ۾ گڏ ٿيندي آهي، جيڪي ڄميل پاڻيءَ جي انَ ذخيري کي هزارن سالن تائين سانڍي سگهن ٿا. بهار جِي مُند اچڻ بعد نسبتاً گرم آبهوا ۾ اهي برفاني ذخيرا رجڻ ۽ ڳرڻ لڳندا آهن ۽ اهو ڳريل آب ڳِگڳِيات Snowmelt جِي صورت ۾ زمين تي وهڻ لڳندو آهي. وسڪارَ جو اڪثر حصو واپس سمنڊ ۾ هليو ويندو آهي، جڏهن ته باقي حصو خُشڪِيءَ تي ڪِرندو آهي ۽ ثقلي ڪشش سبب زمين تي (سطحي يا مٿاڇراتي) نئين آب Surface runoff جِي صورت ۾ وهندو آهي. ان رن آف جو هڪڙو حصو دريائن ۾ داخل ٿي ويندو آهي، جنهن جو وهڪرو Streamflow پاڻيءَ کي سمنڊ طرف وٺي ويندو آهي. نئين جو پاڻي ۽ جر (زير زمين پاڻي) جو سيمو ملي ڍنڍُن اندر تازي پاڻيءَ Freshwater جي صورت ۾ گڏ ٿي ٿو. مگر سڄو جو سڄو نئين آب دريائن ۾ نه ٿو وڃي. ان جو وڏو ڀاڱو زمين چُهي وڃي ٿي، جنهن کي ڌرڄاڻڪاري Infiltration چئجي ٿو. ڪجهه پاڻي درڄاڻجي اونهائيءَ ۾ هليو ويندو آهي جتي اهو جرگاهن Aquifers (پاڻيءَ سان ٽِر ٿيل زير زمين سطح) کي ڀري ٿو جيڪي تازي پاڻيءَ کي تمام وڏي مقدار ۾ ۽ تمام ڊگهي عرصي لاءِ سانڍي سگهن ٿا. ڪجهه جَر (زير زمين پاڻي) مٿاڇري کي ويجهو رهي ٿو جيڪو سيمو ڪري واپس مٿاڇري تي موجود آبگاهن (۽ سمنڊ) ۾ هليو وڃي ٿو جنهن عمل کي جر اخراج Discharge Ground_Water چئجي ٿو ۽ ڪجهه جر وري چشمي جِي شڪل ۾ خُشڪِيءَ تي تازي پاڻيءَ جي ڦُوهارو ٿِي نڪري ايندو آهي. بهر حال، وقت ساڻ سمورو پاڻي هلندو هلندو ڪنهن نه ڪنهن ريت سمنڊ ۾ داخل ٿِي وڃي ٿو جتي آبي چڪر پورو ٿئي ٿو.

خان محمد پرهياڙ

گهريلو پيماني تي ڀاڄيءَ جي پوکي

پاڪستان هڪ زرعي ملڪ آهي ۽ زراعت ان جي ڪرنگهي جي هڏيءَ جي حيثيت رکي ٿي پر افسوس جو اڄ ڏينهن تائين اسان ان کي مضبوط ڪرڻ بجاءِ ڪمزور ڪرڻ ۾ رڌل آهيون. ان جا ڪجھ مکيه سبب آهن هڪ طرف اسانجي آباديءَ جو تيزي سان وڌڻ ۽ ٻي طرف ترقياتي ڪمن ڪري زرخيز زمين ۾ کوٽ پيدا ٿيڻ. ان کان علاوه آباديءَ لائق زمين ڪنهن نه ڪنهن سبب جي ڪري سم ۽ ڪلر هيٺ ايندي پئي وڃي. انهن سببن ڪري فصل گهٽ ايراضي تي پوکجي رهيا آهن ۽ وڌندڙ آبادي کي خوراڪي قلت جو منهن ڏسڻو پئجي رهيو آهي.

مٿين ڳالهين کي نظر رکندي اهو ضروري آهي ته ڀاڄين جي پرکيءَ کي امڪاني حد تائين وڌائجي ته جيئن وڌندڙ آبادي کي خوراڪ مهيا ڪرڻ ۾ مدد ملي. هن وقت ڀاڄين جي پوک گهڻي ڀاڱي شهرن جي پسگردائي تائين محدود آهي ۽ انهن جو استعمال به شهرن تائين محدود آهي. ٻهراڙيءَ ۾ تمام گهٽ ايراضي تي پوکي وڃي ٿي.

ٻهراڙيءَ جا ماڻهو يا ته ڀاڄيون استعمال ئي ڪونه ڪن پر جيڪڏهن ڪن به ٿا ته تمام ٿوري مقدار ۾. نتيجتاً مختلف بيمارين جو شڪار ٿي رهيا آهن. ان مان ثابت ٿئي ٿو ته ڀاڄين جو استعمال صحت کي برقرار رکڻ لاءِ ضروري آهي. يا ائين ڪٿي چئجي ته ڀاڄيون اسان کي منحوس بيمارين کان بچائين ٿيون.

ڀاڄيون نه صرف غذائي لحاظ کان اهم آهن پر آبادگارن کي ٻين فصلن جي ڀيٽ ۾ ڀاڄين جي پوکيءَ مان ڪافي نفعو پڻ حاصل ٿي سگهي ٿو.

ڀاڄين جي خوراڪي اهميت: اقتصادي اهميت سان گڏوگڏ ڀاڄين جي خوراڪي اهميت به تمام گهڻي آهي ڪنهن ملڪ جي خوشحالي جو دارومدار ان ڳالهه تي آهي ته اتي جو عوام تندرست هجي. عوام جي صحت برقرار رکڻ لاءِ ضروري آهي ته هو ڀاڄين کي پنهنجي روزمره خوراڪ ۾ شامل ڪن. خوراڪ جي ماهرن جي راءِ آهي ته هر ماڻهو روزانه گهٽ ۾ گهٽ ڏهه کان ٻارهن آئونس سائي ڀاڄي استعمال ڪري، جڏهن ته اسان جي ملڪ ۾ هڪ ماڻهو روزانو ان جي چوٿين حصي جيتري ڀاڄي به نه ٿو واپرائي.

ڀاڄيون اسان کي سمورا غذائي جزا مهيا ڪن ٿيون ڪجھ ڀاڄين جهڙوڪ:

- پٽاٽن، لاهوري گجرن، ڪچالو وغيره ۾ نشاستو تمام گهڻي مقدار ۾ موجود آهي، جيڪو بک گهٽائي ٿو. انهن ڀاڄين جي استعمال سان اناج جو واهپو گهٽائي سگهجي ٿو.
- مٽرن ۾ پروٽين تمام گهڻي مقدار ۾ ٿئي ٿي، جنهن جي کوٽ مٽرن جي استعمال سان پوري ڪري سگهجي ٿي.
- ڀاڄيون معدني جزن سان ڀرپور هونديون آهن. انهيءَ ڪري ماهرن ڀاڄين کي "حفاظتي خوراڪ" جو نالو ڏين ٿا. پالڪ، سرنهن جي ساڱ، ميٿي جي واپرائڻ سان جسم ۾ پيدا ٿيل رت جي کوٽ کي پورو ڪري سگهجي ٿو. فاسفورس جي گهٽتائي ڪري ڏند ۽ هڏا ڪمزور ٿي پون ٿا ساوڻ پٽن وارين ڀاڄين جي استعمال سان ان ۾ بهتري آڻي سگهجي ٿي.

- پاڃين ۾ وٽامن اي، بي ۽ سي ڪافي مقدار ۾ ٿين ٿيون. اهڙيون بيماريون جيڪي وٽامن جي کوٽ سبب ٿين ٿيون مثال طور: وٽامن اي جي کوٽ ڪري رات جو نہ ڏسڻ (Night blindness) کان بچڻ لاءِ پالڪ، سرنهن جو ساڳ، پٽاٽي گجرن ۽ ٽماٽن جو استعمال ڪرڻ گهرجي.
- وٽامن بي جي کوٽ سبب ٿيندڙ بيماري بيري بيري کان بچاءَ لاءِ گوگڙو مورين ۽ مٽرن جو استعمال ڪجي.
- وٽامن سي جي گهٽائي ڪري چمڙي جون بيماريون خارش، ڏندن جي ڪمزوري، مهارن مان رت جو وهڻ سنڌن جو سور ٿي سگهي ٿو. ڪريلا، پيندڙيون، ٽماٽا، گل گوبي جي لاڳيتي استعمال سان ان کوٽ کي پورو ڪري بيمارين کان بچي سگهجي ٿو.
- گوشت، مڇي ۽ بيدن استعمال ڪرڻ سان معدي ۾ تيزابيت وڌي ٿي، جڏهن تہ ساين پاڃين واپرائڻ سان تيزابيت کي گهٽائي سگهجي ٿو.
- بصر ۽ ٿوم چربي ڳارڻ ۾ مددگار ثابت ٿين ٿا. ۽ اهڙين پاڃين جي استعمال سان نسن ۾ وڌيل چربي کي ڳاري دل جي بيمارين کان بچي سگهجي ٿو. ان کان علاوه مارڪيٽ مان ورتل پاڃيون گندي پاڻي جي نيڪال تي پوکيون وڃن ٿيون. اُهي انساني صحت لاءِ نقصانڪار ثابت ٿين ٿيون. خاص ڪري اهي پاڃيون جيڪي ڪچيون کاڌيون وڃن ٿيون مثلاً: گجر، سلاد جا پن، ٽماٽا، موري، اهڙين پاڃين ۾ بيمارين جا جراثيم موجود هوندا آهن. جيڪي بيماري جو سبب بنجن ٿا.

گهريلو پيماني تي پاڃي جي پوکي جا فائدا:

مهانگائيءَ جي هن دؤر ۾ جتي هر ماڻهوءَ جي قوت خريد ۾ گهٽتائي اچي رهي آهي، اُتي بين شين سان گڏ پاڃين جا اگهہ بہ آسمان سان ڳالهيون ڪري رهيا آهن. انڪري اها ڳالهہ هڪ ڪمائيندڙ فرد جي وس ۾ نہ رهي آهي تہ هو گهر جي سمورن گهرجن کي پورو ڪري سگهي. ان ڳالهہ کي نظر ۾ رکندي عورت لاءِ هاڻ اهو ضروري ٿي پيو آهي تہ هو پنهنجي گهر پاتين جون بانهن بيلي ٿين. جيڪو گهر ۾ تمام ٿوري محنت سان گهٽ ۾ گهٽ پنهنجي گهر جي ضرورت جون پاڃيون وڌي آسانيءَ سان گهر ۾ پيدا ڪري سگهن ٿيون. ائين ڪرڻ سان پنهنجي گهر جي خرچ ۾ ڀاڱي ڀائيوار ٿي سُرخرو ٿي سگهن ٿيون. ان کان علاوه گهريلو پيماني تي پاڃيءَ جي پوکيءَ مان بيا بہ ڪيئي فائدا آهن مثلاً:

1) گهر ۾ پوکيل پاڃي تازي، صاف ۽ اعليٰ ٿئي ٿي، جڏهن تہ بازار مان آندل پاڃي پاروٺيءَ مهانگي هوندي آهي.
2) گهر ۾ پوکيل پاڃي زهريلي دوائن کان پاڪ هوندي، جڏهن تہ ٻاهران ورتل پاڃي جي باري ۾ ڪا بہ خبر نہ هوندي آهي. تہ ان تي زهريلي دوائن جو ڦوهارو ڪڏهن ۽ ڪيترو ٿيل آهي.
3) گهر ۾ پوکيل پاڃي جي پوکي صاف پاڻيءَ تي ٿيل هوندي، جڏهن تہ شهرن مان ملندڙ پاڃين جي پوکي اڪثر ڪري گندي پاڻي تي ٿيل هوندي آهي.

4) گهر ۾ ڀاڄي پوکڻ سان ڀاهران ڀاڄي خريد ڪرڻ ڪونہ پوندي ۽ رقم جي بچت ٿيندي ۽ اها رقم ڪنهن ٻئي هنڌ خرچ ڪري سگهبي. بلڪ اضافي ڀاڄي وڪرو ڪري گهر ويٺي پئسو پڻ ڪمائي سگهجي ٿو.

5) گهر ۾ ڀاڄين پوکڻ سان انهن جو استعمال وڌندو ۽ هر فرد کي متوازن خوراڪ ملندي (balance diet) جيڪا انساني صحت برقرار رکڻ لاءِ ضروري آهي.

6) گهر ۾ ڀاڄيون پوکڻ سان سڄو خاندان ڪم ۾ حصو وٺندو ۽ هر فرد بهتر نتيجا حاصل ڪرڻ لاءِ هر ڪم ۾ اڳتي نظر ايندو. ڀاڄي تيار ٿيڻ سان روحاني خوشي حاصل ٿيندي اهي سڀ ڳالهيون ذهني پريشاني کي گهٽ ڪن ٿيون ۽ انسان الله تعاليٰ جي عطا ڪيل نعمتن جو شڪر بجاءِ آڻي ٿو.

7) ڀاڄين جي پوکيءَ سان پنهنجو بچيل وقت ڀاڄين جي سار سنڀار لهڻ تي خرچ ٿيندو ۽ ماڻهو فضول ڳالهين کان بچندو.

8) گهر ۾ ساوڪ ٿيڻ ڪري ۽ کليل زمين ۾ ڪم ڪرڻ سان تازي هوا ميسر ٿيندي ۽ هر فرد صحت مند رهندو.

9) گهريلو استعمال لاءِ ڀاڄين جي پوک ڪرڻ سان مارڪيٽ ۾ ڀاڄين تان وزن گهٽبو ۽ انهن جون قيمتون لهنديون.

مٿين ڳالهين مان ثابت ٿئي ٿو تہ گهر ۾ ڀاڄي پوکڻ گهرجي سيني ڀاتين لاءِ هڪ صحتمند مشغلو آهي ۽ ان جا تمام گهڻا فائدا پڻ آهن. ڀاڄين جي اهميت کي مدنظر رکندي اهو ضروري آهي تہ گهريلو پيماني تي ڀاڄيءَ جي پوکيءَ کي وسيع ڪيو وڃي.

اڪثر ماڻهن جو اهو خيال هوندو آهي تہ ڀاڄين جي پوکيءَ لاءِ چڱي خاصي زمين جو موجود هئڻ ضروري آهي. حالانڪ اها ڳالهہ بلڪل غلط آهي. ڀاڄين جي پوکيءَ لاءِ هرويرو گهڻي زمين جي ضرورت ڪانہ ٿي پوي ايستائين جو ٽڪر جي ڪونڊين، ڀاتين، ڪاٺ جي ڪوکن ۽ گيهہ جي ننڍن وڏن دٻن ۾ پڻ ڀاڄيون پوکي سگهجن ٿيون. يا وري ولين واريون ڀاڄيون پوکي پٽين تي چاڙهي ڇڏجن ائين ڪرڻ سان گهٽي جڳهہ بہ نہ والاربي ۽ گهر جي خوبصورتي ۾ پڻ اضافو ٿيندو. وڏن شهرن ۾ اڪثريت فليٽن ۾ رهائش پذير آهي ۽ اتي مٿئين طريقي مطابق گهر ۾ ڀاڄي پوکي سگهجي ٿي.

ڀاڄي جي پوکيءَ لاءِ زمين جي چونڊ ڪرڻ:

ڀاڄي جي پوکيءَ لاءِ اهڙي زمين جي چونڊ ڪرڻ گهرجي جتي اُس گهڻي پوي ۽ گهر جي خوبصورتي ۾ پڻ اضافو ٿئي ۽اها جڳهہ مال متاع ۽ ڪڪڙن جي نقصان کان بہ محفوظ رهي سگهي. ۽ چونڊيل زمين ۾ خوراڪي جزا پڻ جهجهي مقدار ۾ موجود هجن. پاڻي جذب ڪرڻ جي صلاحيت هجيس. پر جيڪڏهن زمين گهربل خوراڪي جزن کان آجي آهي تہ ان ۾ وڻاڻ جو ڀاڻ، سڪن پنن جو ڀاڻ يا سائو ڀاڻ وجهي ان جي حالت سڌاري سگهجي ٿي. جو تہ ائين ڪرڻ سان زمين جي طبعي حالت سڌي ٿئي ٿي. ان ۾ پاڻي جذب ڪرڻ جي صلاحيت وڌي ٿي. بيڪٽريائي

عمل تيز ٿئي ٿو. نتيجي طور ڀاڄي جي ٻوٽن کي گهربل خوراڪي جزا مناسب مقدار ۾ مهيا ٿين ٿا ۽ ان کان علاوه جيڪي خوراڪي جزا ڪنهن سبب ڪري ٻوٽي تائين نہ ٿا پهچن تہ اهي سڙڻ شروع ٿي وڃن ٿا.

پوکي لاءِ منصوبا بندي:

سڀ ان ڀرپائين ڪاغذ تي نقشو تيار ڪري اهو طئي ڪجي تہ ڪهڙي ڀاڄي وڏيڪ ايراضي تي لڳائڻي آهي ڪهڙي ٿوري ايراضي تي لڳائڻي آهي. ڀاڄي جي پوکيءَ وقت هميشہ خاندان جي پسند کي مد نظر رکڻ گهرجي ۽ پوءِ ئي ايراضي جو تعين ڪرڻ گهرجي. پوکيءَ جي منصوبابندي ڪرڻ وقت پوکيءَ جو وقت ۽ ڀاڄي جون ٻيون ضرورتون ڌيان ۾ رکڻ گهرجن ۽ اهو پڻ خيال رکڻ گهرجي تہ وڌيڪ عرصي زمين ۾ رهڻ واريون ڀاڄيون الڳ ۽ ٿوري عرصي رهڻ واريون ڀاڄيون الڳ لڳائڻ گهرجي. پوکيءَ جي منصوبابندي ڪندي اها ڳالهہ هرگز نہ وسارجي تہ هڪ ڀاڄي ڪهڙي وقت ختم ٿيندي ۽ ان کان پوءِ ڪهڙي ڀاڄي لڳائي سگهجي ٿي. ائين ڪرڻ سان هڪ تہ زمين جو ٽڪرو خالي رهجڻ کان بچي ويندو ۽ ٻيو تہ هڪ ڀاڄي ختم ٿيڻ کان پوءِ ٻي ڀاڄي حاصل ڪري سگهبي.

زمين جي تياري:

زمين جي چونڊ ۽ پوکيءَ جي منصوبابندي کان پوءِ زمين کي پوکيءَ لاءِ تيار ڪرڻ ضروري آهي. ان لاءِ زمين کي کوٽڻ جهڙو سامان جهڙوڪ: ڪوڏر، چنجور، زمين جي ماپ ڪرڻ جو سامان، ڀاڻ (ڪيميائي ۽ وٿاڻ جو ڀاڻ) ۽ ٻين ٿاهڻ لاءِ ڏانداري وغيره جهڙن زرعي اوزارن جي ضرورت پوي ٿي. ڀاڄين جي بهتر پيداوار حاصل ڪرڻ لاءِ ضروري آهي تہ زمين جي مناسب تياري ضروري آهي. مجموعي طور تي سيني ڀاڄين جي پوکيءَ کان اڳ زمين کي چڱي طرح کيڙڻ هڪ انتهائي مؤثر عمل آهي، جنهن سان زمين کلي ٿي، نرم ٿئي ٿي ۽ هوا پڻ وٺي ٿي. زمين جي نرمي سبب ٻجن يا بيماري کي ٽٽڻ کان پوءِ پاڙون هڻڻ ۾ مدد ملي ٿي ۽ ٻوٽي جون پاڙون اونهائي ۾ وڃڻ ڪري خوراڪي جزا بہ گهربل مقدار ۾ آسانيءَ سان حاصل ڪري سگهي ٿو. زمين کيڙڻ سان گندگاهہ جو خاتمو ٿئي ٿو ۽ کيڙيءَ کان پوءِ سج جي گرمي سبب زمين ۾ موجود بيمارين ۽ جيت ناس ٿي وڃن ٿا.

ڀاڄين پوکڻ جا طريقا:

گوگڙو سموريون پتائي گجرون، سلاد جو ٻج مٽي سان ملائي ٻن کان اڍائي فوٽن جي وٿي تي ٺهيل ڪرين جي ٻنهي پاسن تي پوکجن.

ميها ۽ ڪريلا ڇئن کان پنجن فوٽن جي وٿي تي ٺهيل ڪرين جي ٻنهي پاسن کان پوکجن. ٻوٽن جي وچ ۾ 60 سينٽي ميٽر مفاصلو ڇڏجي.

پينديون قطارن ۾ پوکجن ۽ ٻوٽن ۾ وٿي 20 کان 25 سينٽي ميٽر رکجي. توريون ۽ ڪدو ديوارن جي پاسن سان پوکجن جتي انهن کي مٿي چڙهڻ لاءِ ديوار يا لوڙهو ملي سگهي. جيڪڏهن ديوار موجود نہ هجي تہ پوءِ هٽرادو ٽيڪ مهيا ڪري ڏجي. مٽر 45 سينٽي ميٽي جر وٿي تي ٺهيل ڪرين جي ٻنهي پاسن کان پوکجن. ڏاٽا هربو ۽ پالڪ هم چورس ميٽر جون ٻاريون ٺاهي ٻج ڇٽ جي ذريعي پوکجي.

ٻاڇين جهڙوڪ ٽماٽا، مرچ، واڱڻ، گل گوبي ۽ بصرن جو ٻيجارو پهريائين تيار ڪري پوءِ ان جو روئبو ڪجي.
جيئن تہ گهريلو استعمال لاءِ ٻاڇين پوکڻ جي لاءِ تمام ٿوري ٻيجاري جي ضرورت پوي ٿي. تنهن ڪري ٻيجارو ڪونڊي يا پاٽ وغيره ۾ تيار ڪجي نئين ڪونڊي يا پاٽ ڪي پهريائين پسائي پوءِ ان ۾ مٽي مٽي يا لٽياسي مٽي ڀرجي. ڪونڊين جي مٿين سطح تي اٽڪل ٻن کان ٽن سينٽي ميٽرن ۾ رک يا ڇار وجهي مٽي سان ملائي پوءِ انهن ۾ ٻج ڇٽي ڦوهاري سان پاڻي ڏجي. شروعاتي دور ۾ ڪونڊين کي صبح شام پاڻي ڏيندو رهجي. ٽن هفتن کان پنجن هفتن تائين ٻيجارو روئبي ڪرڻ لاءِ تيار ٿي ويندو.
گل گوبي، بند گوبي، مرچن، واڱڻن ۽ بصرن لاءِ ڪريا 60 کان 75 سينٽي ميٽرن جي وٿي تي ٺاهجن ۽ روئبو ڪرين جي ٻانهي پاسن کان ڪجي.
جڏهن تہ ٽماٽن لاءِ 120 کان 125 سينٽي ميٽر جي وٿي تي ڪريا ٺاهجن يا اهڙيون مستطيل پٽيون ٺاهجن جن جي ٻنهي پاسن تي اٽڪل 30 سينٽي ميٽر جي وٿي تي روئبو ڪجي. ٽماٽن جا ٻوٽا 30 کان 40 سينٽي ميٽر جا ٿين تہ پوءِ انهن کي ٽيڪ ڏجي. ٽماٽا جيئن تہ مارچ جي آخر تائين يا 15 اپريل تائين هلن ٿا. تنهنڪري فيبروري جي مهيني ۾ ٻن ٽماٽن جي وچ ۾ ڪريلا يا ميها پوکجن اهڙي طرح ٽماٽن جي فصل ختم ٿيڻ سان ساڳئي زمين مان ڪريلا ۽ ميها گهريلو استعمال لاءِ وٺي سگهجن ٿا.

ميون ۽ ٻاڇين کي محفوظ ڪرڻ:

ميوا ۽ ٻاڇيون غذائيت سان ڀرپور ٿين ٿا. جيڪي انساني صحت کي تندرست ۽ توانو رکڻ ۾ اهم ڪردار ادا ڪن ٿا. انساني جسم ۾ جڏهن معدني جزن، حياتين، لحميات ۽ نشاستي وغيره مان ڪنهن بہ هڪ جي گهٽتائي ٿئي ٿي تہ انسان بيمار ٿي پوي ٿو. جنهن ڪري ڊاڪٽر علاج ۽ آرام سان گڏوگڏ ميون ۽ ٻاڇين جي استعمال جي نصيحت ڪن ٿا.
ميوا ۽ ٻاڇيون توانائي، تازگي، لذت ۽ خوشبوءِ جا اهڙا شاداب چشما آهن، جن ۾ زندگيءَ لاءِ آب حيات موجود آهي. متوازن غذا لاءِ انهن جي اهميت کي نظرانداز نہ ٿو ڪري سگهجي. ميوا ۽ ٻاڇيون پنهنجي مخصوص مند ۾ گهٽائي ۾ هئڻ ڪري تمام سستا وڪامجن ٿا. سستي هئڻ ڪري ميون ۽ ٻاڇين جو تمام گهڻو استعمال ٿيڻ ٿئي ٿو پر پوءِ روزانہ ساڳي ٻاڇي يا ميوو کائڻ سان بيزاري ٿي پوي ٿي. انهيءَ ڪري ميون ۽ ٻاڇين کي جيڪڏهن محفوظ ڪجي تہ اهي ضايع ٿيڻ کان بچندا ۽ انهن جي غذائيت مان سڄو سال فائدو وٺي سگهجي ٿو. ان کان علاوه ميون ۽ ٻاڇين کي محفوظ ڪرڻ هڪ نفعي بخش ڪاروبار آهي. ان سان نہ صرف بيروزگاري جو مسئلو حل ٿئي ٿو پر پنهنجي آمدني ۾ پڻ اضافو ڪري سگهجي ٿو.

ميون ۽ ٻاڇين کي مختلف طريقن سان محفوظ ڪري ان مان هيٺيان فائدا حاصل ڪري سگهجن ٿا:

1) ميون ۽ ٻاڇين کي محفوظ ڪري انهن جي غذائيت کي محفوظ ڪري سگهجي ٿو.
2) ميون ۽ ٻاڇين کي محفوظ ڪري، ان کي خوراڪ طور استعمال ڪري سگهجي ٿو.

3) عام طور ميوا ۽ ڀاڄيون گهڻي عرصي تائين تازا نہ ٿا رهي سگهن. مگر محفوظ ڪري ڊگهي عرصي تائين استعمال ڪري سگهجن ٿا.

4) سڀ ڀاڄيون ۽ ميوا هڪ علائقي ۾ پيدا نہ ٿيندا آهن. مختلف ميون ۽ ڀاڄين کي محفوظ ڪري هر هنڌ انهن کي قابل استعمال بڻائي سگهجي ٿو.

5) محفوظ ٿيل شيون تمام گهٽ جڳهہ والارين ٿيون. انهي ڪري گهڻي مقدار ۾ ذخيرو ڪري سگهجن ٿيون.

6) ميون ۽ ڀاڄين مان تيار ڪيل شيون خوراڪي اهميت رکن ٿيون. انهن کي ڪيترين ئي بيمارين خلاف استعمال ڪري سگهجي ٿو. مثلاً: گجر جو مربو فارون، ۽ ڏاڙهونءَ جو رس وغيره.

ميون ۽ ڀاڄين کي محفوظ ڪرڻ (ٺاهڻ) جي عمل کي پهريائين هيٺ ڏنل هدايتن تي عمل ڪجي:

1. هٿن کي صابڻ سان ڌوئي چڱي طرح صاف ڪجي.
2. ميوي يا ڀاڄي کي اڳواٽ ڌوئي صاف ڪجي، پوءِ استعمال ۾ آڻجي.
3. گرم پاڻي يا ميوي جي رس کي استعمال ڪرڻ وقت پنهنجي هٿن، منهن، اکين ۽ پيرن کي ڇنڊڻ کان بچائجي.
4. ننڍين ٻارن کي ويجهو اچڻ نہ ڏجي، ڇو تہ ٻار حرڪت ڪري ٻاڻ کي يا ٺهندڙ شيءِ کي نقصان پهچائي سگهي ٿو.
5. بوتلن کي پرڻ کان پهريائين گرم پاڻيءَ ۾ گرم ڪجي.
6. ميون يا ڀاڄين کي سج جي روشني ۾ سڪائڻ واري صورت ۾ انهن کي مٽي کان بچاءَ لاءِ ململ جو ڪپڙو ڪتب آڻي سگهجي ٿو.
7. بوتلن ۾ ڪابہ ٺهيل شيءِ پرڻ مهل اهو خال رکجي تہ بوتلون منهن تائين نہ پرجن پر هڪ انچ جاءِ خالي ڇڏجي، ڇو تہ بوتلن اندر گئسون پيدا ٿين ٿيون. منهن تائين پرڻ جي صورت ۾ بوتلن جي ڦاٽڻ جو خطرو ٿي سگهي ٿو.
8. تيار ڪيل شين جي ذائقي ۾ فرق محسوس ٿئي تہ انهن کي استعمال نہ ڪجي. استعمال ڪرڻ سان بدهاضمي ڪري معدو خراب ٿي سگهي ٿو.

زهريلي دوائن جي باحفاظت استعمال لاءِ احتياطي تدبيرون:

زرعي دوائون زهر آهن. انهن جي استعمال ڪرڻ ۽ ملائڻ مهل خاص احتياط جي ضرورت هوندي آهي. زهريلي دوائن جي استعمال کان پهريائين هدايتن تي عمل ڪرڻ ضروري آهي.

2. زهريلي دوائن جي استعمال کان اڳ دٻي يا بوتل تي لکيل هدايتن کي پڙهي يا ڪنهن کان پڙهائي ان تي عمل ڪرڻ گهرجي.
3. دوا جو ڳار ٺاهڻ وقت هٿن تي دستانہ يا پلاسٽڪ جي ٿيلهي چاڙهڻ گهرجي.

4. ڪاڌي جون شيون مثلاً: چانهه جا ڪوپ، ڪٽلي، گلاس ۽ عام استعمال ۾ ايندڙ ٿانو زهريلي دوا ڇاهڻ ۾ ڪم نہ آڻجن.
5. نوزل کي ڪڏهن بہ وات سان ڦوڪ ڏيئي صاف نہ ڪرڻ گهرجي.
6. ڦوهاري شروع ڪرڻ کان پهريائين ڍڳهين ٻانهن واري قميص، شلوار پاتل هجي، جوتا پاتل هجن ۽ مٿو ۽ منهن پٽڪي يا ڪپڙي سان ڍڪيل هئڻ گهرجي. اکين تي عينڪ پڻ لڳل هجي
7. هميشه پاڻ سان گڏ صابڻ، پاڻي ۽ هڪ جوڙو ڪپڙن جو گڏ رکڻ گهرجي. ٻارن ۽ پالتو جانورن کي ڦوهاري واري جاءِ کان پري رکڻ گهرجي.
8. خراب يا وهندڙ مشين سان هرگز ڦوهارو نہ ڪرڻ گهرجي. ايئن ڪرڻ سان نہ صرف دوا جو زيان ٿئي ٿو بلڪ دوا جسم تي لڳڻ سان زهر جو اثر پڻ ٿيندو.
9. ڪڏهن بہ بکئي پيٽ ڦوهارو نہ ڪرڻ گهرجي.
10. ڦوهاري ڪرڻ وقت سگريٽ پيئڻ يا ڪا شيءِ کائڻ کان پرهيز ڪرڻ گهرجي.
11. ڪڏهن بہ ننڍن ٻارن کان ڦوهارو نہ ڪرائجي ڇو تہ ننڍي عمر جي ٻارن تي زهر جو اثر جلد ٿئي ٿو.
12. هوا جي رخ کي سامهون رکي ڦوهارو نہ ڪجي.
13. سخت گرمي ۾ ڦوهارو نہ ڪجي. بهتر اهو آهي تہ صبح يا شام جو ڦوهارو ڪجي.
14. خطرناڪ حد تائين زهريلي دوائن جو ڦوهارو اڪيلي سر نہ ڪرڻ گهرجي.
15. ٻارن ۽ پالتو جانورن کي ڦوهاري واري جاءِ کان پري رکڻ گهرجي.
16. ڦوهارو ختم ڪرڻ کان هڪدم پوءِ صابڻ سان وهنجي ڪپڙا بدلائڻ گهرجن.
17. زياده خراب ٿيل ڪپڙن ۽ استعمال ٿيل ٿيلهن يا دٻن کي ضايع ڪرڻ گهرجي.

زهريلي دوائن جي خطرناڪ هجڻ جي حد دٻن تي رنگين دائرن ذريعي ڏنل هوندي آهي. انهن جو معائنو ڪرڻ ضروري آهي. انهن رنگن جو مقصد هي هوندو آهي:

- ڳاڙهو نشان: انتهائي خطرناڪ (تمام گهڻي ڌيان جي ضرورت)
- نيرو نشان: وڌيڪ خطرناڪ (گهڻي ڌيان جي ضرورت)
- هيڊو يا ڦڪو نشان: وچولين خطرناڪ (وچٿري ڌيان جي ضرورت)
- ناسي نشان: گهٽ خطرناڪ (ٿوري ڌيان جي ضرورت)

زهر جو اثر ٿيڻ جي صورت ۾ متاثره ماڻهوءَ ۾ هيٺيون نشانيون ظاهر ٿينديون:

- الٽي اچڻ
- ڏندڙلو نظر اچڻ
- مٿو چڪرائڻ
- وات ۾ گهڻو پاڻي يا گجي اچڻ

- پيٽ ۾ روٽ
- گيڏڙيون پوڻ يا نسن / رڳن ۾ ڇڪ

ان صورت ۾ مريض کي ويجهي ڊاڪٽر وٽ ڪٺي وڃڻ گهرجي ۽ زهريلي دوا جو دٻو پڻ پاڻ سان کڻي وڃڻ گهرجي. جيڪڏهن ڊاڪٽر ميسر نہ هجي تہ پوءِ ابتدائي طبي امداد ڏيڻ گهرجي. جيڪا هن ريت آهي:

1) ڦوهاري واري جاءِ کان مريض کي پري ڪيو وڃي.
2) زهر آلوده ڪپڙا لاهي، جسم کي صابڻ سان ڌوئڻ گهرجي.
3) مريض کي ڇانو تي ليٽائجي ۽ ان کي جاڳائيندو رهجي.
4) جيڪڏهن زهر جا ڇنڊا اکين ۾ لڳا هجن تہ ڏهن منٽن تائين صاف پاڻيءَ سان اکيون ڌوئجن
5) زهريلي دوا پيئڻ جي صورت ۾ مريض کي الٽي ڪرائڻ جي ڪوشش ڪجي ۽ ان کي هڪ گلاس گرم پاڻي ۾ ٻہ چمچا لوڻ جا ملائي پيئارجي تہ جيئن الٽي ڪري.

زهريلي دوا کان بچاءَ جو دارومدار اسان تي منحصر آهي ان لاءِ لازم آهي تہ استعمال ڪرڻ کان پوءِ بہ هيٺيان احتياطي اپاءَ وٺڻ گهرجن:-

1. زهريلي دوائن کي کاڌي پيتي جي شين کان الڳ رکڻ گهرجي.
2. دوائن ۾ استعمال ٿيندڙ ٿانون، بالٽين وغيره کي صرف دوائن جي استعمال لاءِ رکڻ گهرجي انهن کي بيهر گهرو استعمال يا پالتو جانورن کي پاڻي پيارڻ ۾ ڪم نہ آڻڻ گهرجي.
3. دوا جي خالي ٽيل دٻن کي گهر جي ڪم ڪارين ۾ استعمال نہ ڪرڻ گهرجي.
4. دوا استعمال ڪرڻ کان پوءِ ڪڏهن بہ کليل ۾ ٻاهر نہ رکڻ گهرجي.
5. هميشه زهريلي دوائن کي بند جڳهہ ۾ تالو ڏيئي رکڻ گهرجي.
6. اسٽور ۾ هر هڪ دوا الڳ الڳ رکڻ گهرجي.
7. دوائون پٽ تي نہ رکڻ گهرجن بلڪ ڪاٺ جو ڪبٽ يا وري پٽ تي تختا لڳائي رکڻ گهرجن.
8. جيڪڏهن ڪنهن بوتل يا دٻي منجهان دوا وهندي هجي تہ ڪنهن ٿيلهي ۾ بند ڪري رکجي.
9. دوائن واري جڳهہ ۾ مٽي، بجري يا ڪاٺ جو ٻورو رکڻ گهرجي، جيڪو باهہ لڳڻ جي صورت ۾ ڪم اچي سگهي.
10. جيڪڏهن اسٽور ۾ يا ٻاهر دوا هارجي پئي تہ ان مٿان مٽي يا ڪاٺ جو ٻورو هارڻ گهرجي جيئن اهو سڄي دوا چوسي وٺي، پوءِ ڪرپي يا بيلچي سان ميڙي، ڪنهن پلاسٽڪ جي ٿيلهي ۾ وجهي ويران جاءِ تي دفن ڪري ڇڏجي. دوا ميڙڻ مهل پاڻ کي سجو ڍڪڻ گهرجي.
11. اسٽور جي باقاعدگي سان جاچ ڪندو رهجي جيڪڏهن دٻن کي ڪٽ لڳي وڃي ۽ ڪوڪن جو رنگ خراب ٿي وڃي تہ انهن کي بدلائجي.
12. اسٽور جي ٻاهران خطري جو نشان لڳائڻ گهرجي جيئن هر ڪو ان کان پري رهي ۽ سگريٽ نہ پيئڻ جو نشان پڻ لڳائجي.

غزل

ساروڻيون تنهنجون او سپرين! اڄ پڻ راهه نهارين ٿيون،
ايڏي اوکي اوجهڙ ۾ منهنجو هينئڙو هارين ٿيون.

هڪ واري بس هڪ واري، مون سان انگ اڙائي ڏس،
تنهنجون زلفون تنهنجيون نظرون، قول پراڻا پارين ٿيون.

ها! مان سموري تولئه سپرين، نيڻ نماڻا ڇُلڪن ٿا،
لڙڪ جون هي لارون پيارا تنهنجا گس اُجارين ٿيون.

ڪيڏو اوکو آهي رهڻو توبن سوني ساگر،
ڏونگر جهڙو منهنجو بوتو يادون تنهنجون ڏارين ٿيون.

تنهنجي قرب ڪورو ڪاغذ، الفت جا ٻه لفظ نماڻا،
گهاريل من ۾ اسور اميدون، گهنگهر گهنگهر گهارين ٿيون.

سفر جيئن ٿي مهامن جو ڪُٽڻ ٿو لڳي،
تيئن ساهه پيارن جو ٽٽڻ ٿو لڳي.

ٿو رنگِ چمن جيئن ٿي اڏڙي تڏهن،
ٿي بلبل مِلي الوداعي ڪري

ٽُڪل هر پکيئڙو ڏسو شام ٿيندي،
وري آشيانءِ ٿو پنهنجي وري

ڏيئو ڏس سڄي رات ٻريو مگر،
پرهه ويل ٽمڪيو اُجهامِيو وڃي.

گُل جي ته خوشبو آجا آهي پر،
ٽُيتو پنکڙي هڪ ٻئي پٺيان پئي.

سين جو گذر آهي هِنَ موڙ تان
غضنفر قضا کي بهانو کپي.

سدا ماڻيو خوشيون توهان مومنو
نجار ربَّ کان دعا ٿو گهري

ڊاڪٽر آسر حبيب الرحمان چوهاڻ

EDITORIAL

I recently received E Mails on yahoo group of our class by my class fellows living in USA, Canada and UK, urging us to understand why IPL declined to take any Pakistani player. They are all good intentioned, patriotic Pakistani doctors but I disagreed with their point of view and wrote following letter. The post brought up lot of appreciation and applause. This letter sums up an ordinary Pakistani's feeling and I think it is best to copy this letter here instead of writing a formal editorial. (I have edited the names of friends who wrote the letters).

Dear friends, I read your letter. I need to write something that I feel passionately.

I agree with Dr. A when he says

"It is important to realize the other point of view as well. Tolerance my friends is what we need to learn".

I also agree with Dr. B that

"Folks like Ajmal Kassab are of no service to Islam or Pakistan. As evidence has unfolded to a casual observer like me, he needs to be dispatched to the Creator for the fun to continue up there".

I welcome my very dear friend Dr. C's post too.

But the point which is missing here is this. Please read carefully.

Pakistan is not Ajmal Qassab. It is certainly not Sipah e Muhammad (activist Shiite organisation), sipah e sahaba, lashkar e jhangwi, TTP, Bait ullah Mehsood & Hakeem. It is not corrupt civil or military bbureaucracy or politicians. These people constitute a small minority which hasÊheld the rest of us hostage. The siege is brutal, suffocating and intolerable.

Very large majority of Pakistan and the true colour of Pakistan consist of people like me, Samina, Umar, Shaheen, Anwer, Iqbal, rest of our dowiites, our servants, our families, our colleagues, our patients, our neighbours, our students, our cricket, hockey and other teams and their families.

It is us 160 million Pakistanis who are being tortured and killed physically, psychologically, socially, mentally and in all manners imaginable by those who have taken us hostage. God knows we are not involved in crimes that have given power to these groups. Yet we are paying.

Ye kis gunah ki padash hay khuda maloom.

Let me tell you one more difference between us Pakistanis and those so called Pakistanis who have taken us hostage. We are very sensitive people with deep feelings and they are insensitive, brutal, mindless animals.

I swear upon God there are times when many of us suffer so badly, we cannot sleep until we hear the Azan e Fajr. Our minds splitting with the worries of our families and nation, our pillows wet with our tears.

EDITORIAL

We thought that everyone knew it. All USA, European and World leaders keep saying that most Pakistanis are against terrorism. The world has seen that when Pakistan Army started operation against terrorism, whole nation sided with them.

But then if world is aware that it is only a small group of so called Pakistanis responsible for these attacks and whole Pakistan is not only against them but is actually suffering in their hands much more than Indians, Americans, Europeans or any other people, if they keep claiming that they do not associate us with these fanatic criminals, why do they stop our cricket players from playing in their country? For God's sake, this is the only thing they do. Playing cricket. God knows how many thrilling moments they have given to Indians, Pakistanis and to the rest of the World. They are not associated with any terrorism.

The story does not end here. I do not want to list the details of the punishment and bias that we ordinary Pakistanis are subjected to by the liars who come to us telling that they consider ordinary Pakistani People nice, tolerant and friendly. Their action denies that and proves that they all speak those words simply to gain our support.

How can that Robert Gates go to India and say that "India will not tolerate attacks like Mumbai any more". Well what will India do if those criminals stage another drama despite whole of Pakistan wishing it didn't happen? Drop atom bombs on Karachi and Lahore? On one hand, we are dying by these terrorist bombers. On the other hand this rest of the world is threatening us and all we can do is to hug our children and pray to almighty for their safety.

Samina. I am sorry that day I urged you so hard not to feel disheartened. Maybe you were right and I was wrong. Maybe IPL, Robert Gates, these terrorists and NATO are all together. They are coming to get us and our families. We are urged to understand the sentiments of Indians for one single incident of Taj Mahal hotel but who will understand the sentiments of Pakistanis where Taj Mahal is happening everyday. Who will feel the deep anxiety and threat that we feel for our families and nation. Maybe Taj Mahal hotel and its inhabitants were more precious than we 160 million Pakistanis. Maybe we, while waiting for impending bomb blasts that are to happen on many cities of Pakistan in all probability should improve our understanding too while rest of the world gives us lectures.

For each person being killed by these terrorists in USA, Europe and India, more than a 100 people die in Pakistan, 99.9% of them innocent.

Na muddai na shahadt,Êhisab pak hua
yeh khoon-e-khakÊnashinanÊtha, rizq-e-khak hua

I am sorry my friends. Our pride (believe it or not we still have some) and interpretation does not coincide with yours. What is more, your words are like the rose that Shibli threw at Mansoor Hallaaj.

Syed Razi Muhammad

MUHAMMAD MEDICAL COLLEGE, MIRPURKHAS- BEGINING OF AN END TO DARK AGES (A BRIEF HISTORY)

Prof. Dr. Syed Zafar Abbas
Medical Superintendent
Muhammad Medical College Hospital

Muhammad Medical College (MMC) has the unique status of being the only private medical college in Pakistan which is situated in a rural area where there was no public sector medical college when it was established. Merely this fact is enough to show the sincerity and devotion of its founders, and that of its workers at all levels. Establishing a financially, technically and skillfully highly demanding modern institution in an poverty stricken area by the private sector is by no means a minor undertaking. It is therefore quite appropriate to go through a brief history of this institution at the occasion of 150th birthday of one of the greatest institutions of any field in Pakistan i.e. King Edward Medical College (now University), Lahore. It will also not be inappropriate to point out and appreciate at this point the practical help offered in establishing and running (MMC) by some of the graduates of KEMU.

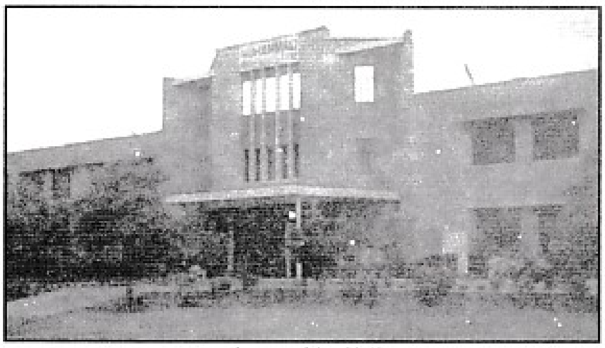

A view of building

The real credit of establishing Muhammad Medical College (MMC) goes to one of the great medical educationists, philanthropists and social workers in Pakistan, Professor Dr. Syed Razi Muhammad. After spending a decade in various prestigious institutions of England, Prof. Razi Muhammad, having acquired all the necessary clinical and educational skills, became one of the rare such people of today's Pakistan who decided to leave all the professional

Dr Baqai, Dr Aftab & Mir Husain Ali at MMC

and social perks of a developed western country and returned to homeland in 1995. He was only too aware of the dream of his father Dr. Syed Ali Muhammad to establish modern institutions and impart higher education in the town he chose to spend his life i.e. Mirpurkhas. Dr. Ali Muhammad, having graduated from Liaquat Medical College (now University) in 1959, joined Pakistan Railways and eventually settled in the rural town of Mirpurkhas situated in the southern province of Sindh. He faced the sad reality of life, sending all his 5 sons (among them, 3 are medical doctors) to acquire higher education in the big city (Karachi) and abroad. He

A view of ward

was thus only too familiar with the pain of splitting the family for the sake of education, and wanted to gift the citizens of Mirpurkhas and surrounding areas by establishing modern educational institutions

there. He therefore inspired Prof. Razi Muhammad to work in this direction on his return from the UK, after which he had joined another great institution of Baqai Medical University, Karachi, and was gaining the valuable local experience and support of its founder Prof. Baqai and VC General ® Azhar. Prof. Razi Muhammad and Dr. Ali Muhammad laid the foundation of a trust by the name of "*Muhammad Foundation Trust*" (MFT) in 1998, with Dr. Ali Muhammad as its Founding Chairman. Not unexpectedly both of them were discouraged by almost everyone, as establishing such educational institution in poverty stricken, backward rural area of Mirpurkhas was deemed to encounter failure.

3 Professors of Biochemistry

There was no infrastructure or skilled manpower at any level, nor anybody at Mirpurkhas and its surrounding areas had any experience of establishing or working at a medical college. This is despite the fact that Mirpurkhas and its suburbs have an estimated population of half a million, and the (then called) Division of Mirpurkhas has a population of 5 millions! This can also be realised by the fact that although the Pakistan Medical Association (PMA) of Mirpurkhas enjoys the unique status of being the oldest PMA in Pakistan, yet there was not a single properly qualified specialist doctor in the area.

A section of audience of symposium

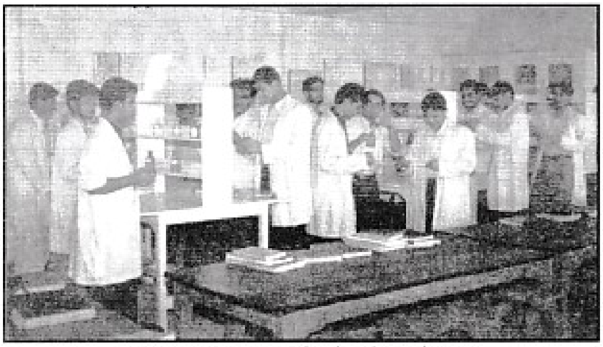

3 Professors of Biochemistry

However, these great characters were not to be discouraged or disappointed, and they responded to this challenge by establishing "*Muhammad Medical College*" (MMC) immediately after founding Muhammad Foundation Trust in 1998. Professor Muhammad Hassan Memon, who was one of the most famous and popular Pathologist in the country, and had served as Chair of Department as well as Principal of many public sector medical colleges, was appointed as the first Principal of *MMC*. Many other young and experienced doctors joined in. "*Muhammad Medical College Hospital*" (MMCH) was also established in 1999 and is now the largest private sector hospital in Sindh outside Karachi. The spirit of the founding trust was that of the service to the poor. It was therefore decided that the hospital will run on charity basis. To date, as a result, *MMCH* is run on the principles of charity. Just to cite some examples, the fee to consult any consultant in this

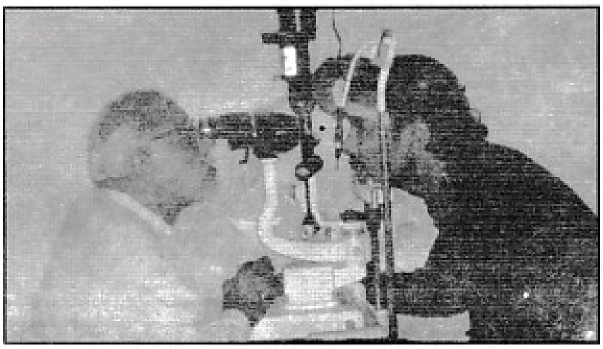

Dr Faiz M Memon of Eye Department

hospital is Rs.10. Bed charges for a general ward of any specialty is Rs. 25 per day. And if this is not enough, no hospital charges are claimed from a senior citizen (age 65 or over) or from workers of any educational institution or their families. All 3 meals are provided to general ward patients completely free of charge. In addition, the above

Dr Hassan Memon with PMDC inspectors

and any other hospital charges are further reduced or completely waived at the request of any poor patient. On top of this, yearly around 5 million PKR are spent on poor patients by *MFT*. Free medical camps are held both on site and at other places in the area on a frequent basis.

Academically, students and ex-students and doctors of *MMC* have also done well on national and international level. A number of original papers are regularly published in national and international journals. Presentations are made at all levels. Many students and doctors are peer-reviewer of reputed journals. Regular yearly medical symposia have been conducted since year 2002 - i.e. even before the first batch had passed out. Regular seminars of national reputation in various fields are known to occur in this institution to benefit students and doctors of *MMC&H* and also others in the city. Ex-students of *MMC* have been working at various medical institution in and outside in Pakistan. Many have passed post-graduate exams of Pakistan, USA, UK, Australia etc. Dr. Aasia Batool Imam daughter of Dr. Ali Muhammad studied here at *MMC*, got first position in final year exams, and is among those ex-students who have passed FCPS-I, MRCOG-I and PLAB within a year of completing her house job.

Besides academic activities, *MMC&H* have also done a lot of work in other fields. Since its inception, *MMC* holds yearly *Mushaira, Youm-e-Husain (AS), Milad*, students week etc. Invited lectures are held regularly, covering both medical education and other areas. Various professional societies visit and hold programs at *MMC* on regular basis. Many social and charity organizations and NGOs of the area work in association with *MMC*. *MFT* also publishes a yearly magazine *Masiha* – participated by students and teachers alike. It contains 3 sections, one each in English, Urdu and Sindhi languages. The standard of this magazine has been praised by many writers and poets.

A lot has happened in the field of medical facilities also. *MMCH* has all the major specialties under one roof – looked after by experts and professionals. Many State-of Art facilities are in place. It has created history in the region by establishing many facilities for the very first time. This includes Vascular Surgery, Plastic Surgery, Neurosurgery, Gastroenterology, Hepatology including all types of Endoscopies, Neurology, Pulmonology, Infertility Clinics, Urology, Dialysis, CCU, ICU and minimal access surgical facilities- the list goes on and on.

MFT also established some other institution such as "*Muhammad Institute of Science & Technology*" (MIST) in 2000. Students and workers of *MMC&H* are encouraged and supported to learn Business Administration and Computer Science in the institute, as are general public. Regular short courses and workshops are held to help *MMC&H* workers there, including SSPS computing.

This was the time when second son of Dr. Ali Muhammad, and a younger brother of Prof. Razi Muhammad, Engineer Taqi Muhammad, a graduate of NED University and a postgraduate degree holder from UK joined the team and worked for *MFT* and *MIST*.

On 6th September 2002, Dr. Ali Muhammad followed Prof. Hassan Memon and moved to his eternal abode. Following year, his third son Prof. Syed Zafar Abbas, a consultant physician and gastroenterologist from UK returned to take the seat of Medical Superintendent vacated by Dr. Ali Muhammad. He established a state of art department of gastroenterology and hepatology to provide sophisticated diagnostic and therapeutic upper & lower GI Endoscopic facilities to millions of inhabitants of this deprived division.

In 2005, *MFT* also established "*Muhammad Institute of Para Medical Training*" (MIPT). It offers and provides certificate courses in various technologies , and is affiliated with Sindh Medical Board. It has been a long way that *MFT* and its related institutions have covered since 1998, especially in the field of medical education and healthcare facilities, in relatively a very short time. It is the largest employer of the region in private sector. The dreams of its founding chairman, Dr. S. Ali Muhammad, have been turning into realities ever since its inception. *MMC* is a fully recognized

Cont. on page 9

Before Swords...

Jawad Rafiq (3rd Year, MBBS)

We are forgetting another aspect. War, jihad or Islamic penalties, they all are part of our faith. However, there are strict bounderies & limitations. Allah has ordered Muslims to stop evil with hand, language and feelings and those who refrain from Allah's ordainments exits from the circle of Islam. Islam is a law, a constitution and even a complete code of conduct to lead the life and even to rule the world. This is our religion and we accept it with the core of our heart and soul. Now the question arises, what is the problem?

The problem is that there are people who misuse the religion for their own gain. Islam is a religion of peace and love. Even the punishment which are used in propaganda against Islam are to deter people from committing the sins and bring peace in the society. Our Holy Prophet Muhammad (Peace Be Upon Him) was a great messenger of peace and love. The Meesaq-e-Madina was a proof of his just and kind nature while dealing with non Muslims. If we start obeying Quran and Sunnah of our Holy Prophet (Peace Be Upon Him) in their true spirits, soon the world will be accepting Islam and Muslims with open hearts. If we see at the life style of Prophet (Peace Be Upon Him), what he did before the declaration of Prophet hood? He established his credibility in the kuffars of Makkah. The society in which falsehood, cheating, dishonesty, corruption, immorality, fraudulent, misleading, deceiving, insincerity, hypocrisy, ignorance, illiteracy and all the worst possible was present, the Prophet established Himself as truthful, honest, faithful, loyal and morally upright.

He was so trustworthy that when he called people onto Islam and asked them, "If I say that an army of foe is hiding behind this mountain, will you believe me?" Everyone answered loudly, "We will right away believe you. "He asked, "Why?" people replied, "we believe, our eyes can be deceived but you cannot say anything wrong". The believers also included the people who came from behind the mountain, and saw there were no forces, but yet they believed that their eyes could be deceived but He (Peace Be Upon Him) could not lie.

He (Peace Be Upon Him) was so acclaimed honest, that the people who were willing to kill him, kept there money, jewelry and valuables as deposit (entrust) to him. At the time of migration, Prophet (Peace Be Upon Him) left Hazrat Ali (R.A) in Makkah to return the belongings to their respective owners.

He (Peace Be Upon Him) was so justice loving that he was asked to solve matters between families who were fighting for almost forty years . At the time of fixing the black stone, everyone's eye was on Him (Peace Be Upon Him).

He was so credible that the richest woman of Makkah, Hazrat Khadija (R.A), when decided to marry, raised her eyes at one and only Prophet Muhammad (Peace Be Upon Him). What He (Peace Be Upon Him) did after forty years of his credibility, it is noteworthy, he started preaching and calling people towards the right path, the path of peace, Islam. His (Peace Be Upon Him) credibility plays the central role in His (Peace Be Upon Him) preaching. Hence some of the people nearer to Him (Peace Be Upon Him) accepted Islam right away and others accepted gradually. This time of propagation was extremely tough. The non believers of Makkah tortured and mistreated the Prophet (Peace Be Upon Him) and His companions, but they all beared it as the will of Allah. In this hard time, Hazrat Abu Talib and Hazrat Hamza played a major role in protecting holy prophet (Peace Be Upon Him). All Muslims used to pray secretly until the powerful, Hazrat Umar (R.A) accepted Islam and stood outside the Haram with sword and the first congregation prayer was performed openly. After this the Prophet (Peace Be Upon Him) along with companions migrated to a safer and peaceful place. Then, the Prophet (Peace Be Upon Him) signed pact with the Jews of Madina and started living there according to their conditions.

The Prophet (Peace Be Upon Him) defended the attacks of the kuffars of Makkah. There armies were sent by the Kuffars and the Prophet (Peace Be Upon Him) fought Badr and Uhud wars and for the third, a large excavation was carried out around medina. After defense all the families of Madina were called. Unfortunately, the Jews broke the pact they signed with Muslim. The Jews were asked who they wanted to choose as the Judge to decide their fate. They chose one of their men who had converted to Islam. He punished them. After this, position of Muslims was strengthened in the state and then started arrangement to conquer Makkah. Meanwhile the pact of Hudaibiya was signed in which some tough conditions were also accepted to avoid unnecessary blood shed. After conquering Makkah, the Prophet (Peace Be Upon Him) forgave everyone even those who were harsh and made living difficult of the Prophet (Peace Be Upon Him) and his companions. He did not take revenge from those who killed Prophet's uncle Hazrat Hamza (R.A). After this the Prophet (Peace Be Upon Him) ordered to spread Islam to all parts of the world. Then he (Peace Be Upon Him) sent his people to Syria for the preaching of Islam. As this group traveled a short distance, the Prophet (Peace Be Upon Him) passed away.

Just take a view of the arrangement, in this Jihad comes at the end and credibility, consistency, preaching, invitation to Islam, migration, a small Islamic principled state, keeping a peaceful living with non Muslims even to the extent of making pacts favoring non Muslims to avoid war and blood shed. Strong defense, conquering Makkah and general forgiveness come first in descending order. Due to this, the message of Prophet (Peace Be Upon Him) spread and astonished the whole world, accepting Islam and spreading it every second.

On the contrary, consider those barbaric people who started from swords and based their concepts from wars. They quickly conquered half of the world but after few years, their name, their states, their philosophies and their religions, all vanished and became the ink of books only. Julius Caesar, Sikander, Hitler etc – today where are their states, their philosophies, their tombs? No where. Why? Because they raised everything in false manner. They left the Islamic true concepts of life and preferred their governance over vast area by any means and so they along with their governments and philosophies are ruined and now found in books being examples for people who understand. On the other hand the message of the great leader and Prophet (Peace Be Upon Him) is still alive and nourishing day by day. After watching at the history, it is clearly known that till the time Muslims were obeying the teachings of the Holy Prophet (Peace Be Upon Him), they had a stable rule on over eighty percent of the world but as they left the real rules, now where is everything, all lost and the Muslims started descending in every field and aspect of life. Now even Muslims can't pray securely in their own Masjids.

If we want a good status in today's world, we should follow the rules and regulations of the Holy Prophet (Peace Be Upon Him). First of all we have to establish our credibility on the basis of justice, trust and truthfulness. So that Bush, Clinton, Obama, Gordon Brown and rest of the world would keep their deposits and securities to us and call us as the third man solving their domestic and economical issues. After this we should invite the world. Two stones on stomach, at time of hunger should be easy to us rather than to bow in front of others. Without weapons we should be defending ourselves. Instead of revenge and harshness , we should forgive everyone. We should develop a state where there would be peace, knowledge and all necessities of life. After all this, we reclaim a place of respect and love even by nonbelievers.

Its strange that we are living in the worst environment, ignorance is a regularity in our nation, dependent for medicines on our enemies, using weapons of our enemies, watering milk along with germs, thieving clocks and jugs from our masjids, always bowing in front of Jews, killing our own Muslims, blasting our own buildings, masjids & Imambargahs and still after all this we want to spread Islam all over the world. How is it possible? Because in the laws of Allah and His Apostle (Peace Be Upon Him) credibility, consistency and preaching comes before swords and we are bringing swords first and then the rules of nature. If we follow the teachings of Allah and his Apostle (Peace Be Upon Him), only then we can rule the world. If, we follow, we lead.

JANNAH

Manzoor Hussain (3rd Year, MBBS)

JANNAH IS MADE WITH:-

1. Bricks of gold and silver
2. Its cement is of perfumed musk.
3. Its chips are Pearls and Yaqoot
4. Its sand is Zafraan

WHEN MOMIN WILL ENTER INTO JANNAH, IT WILL BE ANNOUNCED:-

1. You will remain healthy forever disease will never come.
2. You will live forever, death will never come.
3. You will remain in bounties, which will never be finished.

DOORS OF JANNAH AND GRADES OF JANNAH, THERE ARE EIGHT DOOR OF JANNAH.

1. JANNAH ul Mava
2. Darul Maqoom
3. Darul Salaam
4. Darul Khuld
5. JANNAH ul Adan
6. JANNAH ul Naeem
7. JANNAH ul Kashf
8. JANNAH ul Firdous

JANNAH ul Mava is in the lowest.

- JANNAH ul Adan is the middle.
- JANNAH ul Firdous is on the highest.

FOOD OF JANNAH

They will eat foods and fruits continuously up to 40 years. Every bowl will have a new taste. They will take eructation which will digest the food and there will be perfumed sweating for the digestion of water these will be never urine and stool.

THE DRESSES OF JANNAH:-

The dresses of JANNAH are going to be very beautiful.

One will wear 70 dresses at a time these will be very fine, delicate, weightless, having different colors. These dresses will be so fine that the body even heart will be visible. The dresses will never become old, never be dirty and will never tear.

FOUR CANNALS IN JANNAH:-

There will be four canals in every JANNAH.

1. Water
2. Milk
3. Honey
4. Sharabun Tahoora

THERE WILL BE THREE FOUNTATIONS IN JANNAH:-

1. Kafoor
2. Zanjabeel
3. Tasneem

QUALITIES OF PEOPLE OF JANNAH:-

In JANNAH,

- Height of Momin will be equal to height of Hazrat Adam (Alaihis- Salaam) 60 arm (90 feet)
- Beauty will be like that of Hazrat Yousuf (AS).
- Age of youth will be like that of Hazrat Esa (AS).
- Sweetness of voice will be like that of Hazrat Dawud (AS)
- Tolerance will be like that of Hazrat Yaqoob (AS).
- Patience will be like that of Hazrat Ayub (AS).
- Habits will be like that of Hazrat Muhammad (Sallalahu Alaihi Wa Alehe Wasalam).

PLACE NAME:-

There will be gardens in JANNAH each will have the length of about 100 year's journey. Shadow will be dense and plants will be free of thorns. Size of leaves will be equal to the ears of elephants. Those who love each other for the sake of Allah will get a pillar of Yaqoot on which there will be seventy thousand rooms. These will shine for the resident of JANNAH as the sun shines for the resident of Duniya. Each room will have 70,000, dinning sheets. On every sheet 7000 types of foods will be served. For their services 80000 young boys will be moving around looking like beautiful scattered pearls.

Sindhi Language

Maher Sajid Yar Khan (3rd Year, MBBS)

Sindhi is the language of the Sindh region of Pakistan. It is spoken by approximately 18 million people in Pakistan, making it the third most spoken language of the country and the official language of the province of Sindh in Pakistan. It is also spoken in India and has also been made an official language of India. It is an Indo-Aryan language of the Indo-Iranian branch of the Indo-European language family. Sindhi and Urdu are the two languages in which the government of Pakistan issues national identity cards to its citizens. Sindhi is taught as the first language in the schools of Sindh and as a second language in Balochistan in Pakistan. In India, especially in the states of Maharashtra & Gujarat, Sindhi is either taught as the medium of instruction or as a subject by many educational institutions managed by Sindhi community. Due to its vast vocabulary, it is the favorite medium of many writers and therefore, much literature and poetry has been written in Sindhi. Southern Punjab, Balochistan, North Western Province of Pakistan (NWFP), Gujarat and Rajasthan are the places where different dialects of Sindhi are spoken in the country.

History

Sindhi was a very popular literary language between the 14th and 18th centuries. The ancestor of Sindhi was an Apabhramsha Prakrit, named 'Vrachada'. Abu-Rayhan Biruni in his book 'Mal al-Hind' had declared that even before the advent of Islam in Sindh, the language was common in the region. It was not only widely spoken, but also written in three different scripts. Ardhanagari, Saindhu and Malwari, all variations of Devanagari were the three different scripts in which it was written. During the British period, Devanagari, Modi or Vanika scripts, without any vowels were used by the traders and common people including Khojas and Memons for writing Sindhi, whereas government employees used some kind of Arabic script.

Writing System

The Sindhi Hindus followed Devanagari script for writing the language (which they still practice). However, a modified Arabic script was produced with the Arab invasion of Sindh and the conversion of most Sindhis to Islam. The government of India introduced Devanagari, alongside the official Arabic script, for writing Sindhi after the independence of both Pakistan and India from British rule. Given below are the two most common scripts used for Sindhi language.

- **Arabic Script:** Sindhi is written in a variant of the Persian alphabets in Pakistan. This was adopted under the support of the British, when Sindh fell to them in the 19th century. It has a total of 52 letters. Some letters that are distinguished in Arabic or Persian are homophones in Sindhi
- **Devanagari Script:** In India, the Devanagari script is used to write Sindhi. In 1948, the government of India re-introduced it. However, it did not gain full acceptance which is the reason both the Sindhi-Arabic and Devanagari scripts are used. To mark implosive consonants diacritical bars below the letter are sed. The dots known as "nukta" are used to form other additional consonants.

........*Biginning of an end* ....

medical college by Pakistan Medical & Dental Council (PMDC) for the admission of 100 students yearly. Its first Principal Prof. Hassan Memon saw his efforts bringing the fruits before he died in December 2005. Now under the dynamic leadership of Professor Dr. Syed Razi Muhammad and its current Chairperson Mrs. Razia Ali Muhammad, it is still moving fast to make further progress in all relevant fields. It is therefore not surprising to see that students from all over the country come in large numbers to appear in the entry test for admission to *MMC*. *MFT* pledges to continue its efforts successfully with the help of Almighty Allah. Only with such efforts can this rural poor region progress, and along with it, take Pakistan further in providing standard and quality medical education. The moto of *MFT* remains "Build better Pakistan".

*We always hear the rules From the female side...Now here are the rules from the male side

These are my rules!
Please note.. these are all numbered '1 ' ON PURPOSE!** *
*1. I am NOT a mind readers.**
1... Crying is blackmail.

1. Ask for what you want. Let me be clear on this one:

- Subtle hints do not work!
- Strong hints do not work!
- Obvious hints do not work!
- Just say it!

1. Yes and No are perfectly acceptable answers to almost every question.
1. Come to me with a problem **only** if you want help solving it. That's what I do. Sympathy is what your lady friends are for.**
1. Anything I said 6 months ago is inadmissible in an argument. In fact, all comments become Null and void after 7 Days.
1. If you think you're fat, you probably are. Don't ask me.
1. If it itches, it **will** **be scratched..* * I do that.
1. If I ask what is wrong and you say 'nothing,' I will act like nothing's wrong.
1. If something I said can be interpreted two ways and one of the ways makes you sad or angry, I meant the** ** **other one** **

JOKES

A little boy went up to his father and asked; "Dad, where did all of my intelligence come from?"

The father replied. "Well son, you must have got it from your mother, 'cause I still have mine."

"Mr. Clark, I have reviewed this case very carefully," thedivorce court JudgeÊsaid, "And I've decided to give your wife $775 a week."

"That's very fair, your honor," the husband said. "And every now and then I'll try to send her a few bucks myself."

A doctor examined a woman, took the husband aside, and said, "I don't like the looks of your wife at all."

"Me neither doc," said the husband. "But she's a great cook and really good with the kids.

An old man goes to the Wizard to ask him if he can remove a curse he had been living witn for the last 40 years.

The Wizard says, "Maybe, but you will have to tell me the exact words that were used to put the curse on you.

The old man says without hesitation, "I now pronounce you man and wife."Ê

A person calls AIA and asks, "Can you tell me how long it'll take to fly from Peshawar to Karachi?"

The agent replies, "Just a minute..."

"Thank you," he says, and hangs up.

"My wife got me to believe in religion."

"Really?"

"Yeah. Until I married her I didn't believe in hell."

A man is recovering from surgery when a nurse asks him how he is feeling.

"I'm OK. , but I didn't like the four-letter- word the doctor used in surgery," he answered.

"What did he say," asked the nurse.

"OOPS!"

AN EVE WITH DPO

Jam Kashif Imran & Jawad Rafiq (3rd Year, MBBS)

It was an evening of Thursday, 28th of May, 2009, at 2230 hours when we got a chance to sit with an inspirational personality of Mirpurkhas. It was an honor for us to have a cup of tea with such a great officer in his office. For many, it was the time to sleep but he was awake, to work for his people, to serve and secure them, so that they may sleep safely. We need many officers like him for a prosperous future and to restore the aura of Pakistan.

His name: *Muneer Ahmed Sheikh.*

His profession: *District Police Officer.*

His aim: *to work hard for his people.*

His message: *work hard for your people.*

JAM KASHIF & JAWAD RAFIQ: Tell us about your early education and your current post you are onto.

MUNEER AHMED SHEIKH: First of all I would like to thank you for giving me this honor. Regarding education, I did my matriculation from Government High School, Sukkur and intermediate from Government Degree College, Sukkur. Then I did civil engineering from NED University, Karachi in 1989. Then I did Masters in Economics in 1992. I also passed my CSS exam in 1995. Then I was awarded a scholarship in criminology and justice from Oxford University in 2005. Then I was again awarded a scholarship for post graduation in law and human rights in 2007. Upon returning, I did a promotional course at NEPA, and , now I am appointed as DPO (District Police Officer) in Mirpurkhas.

STUDENT: The profession you are in, was selected by your own will?

DPO: It was a second option to be in police service but now I feel it was a good decision.

STUDENT: What is your source of inspiration?

DPO: My source of inspiration is hard work. I always look forward for other possibilities. And I think, by nature I am a hard worker.

STUDENT: Mirpurkhas is a peaceful city and the credit goes to you. What measures do you take to maintain peace?

DPO: I just adopt the method of pro active policing, in which the police follow the thieves. Before the thief attacks, we arrest him. Reactive policing is also adopted whenever required.

STUDENT: How the fear of police stations can be eliminated from the minds of people?

DPO: For this we have to bring a lot of changes i.e. administrative reforms, financing reforms and change in civilians outlook is also required.

STUDENT: Your favorite personality?

DPO: Being a Muslim, Prophet Muhammad (PBUH). Secondly, that every person who is not strong enough but achieves due to his hard work and strong commitment.

STUDENT: Your favorite book?

DPO: Three cups of tea, by Greg Mortenson. It was a New York Best Seller.

STUDENT: Your favorite poet?

DPO: Shah Abdul Lateef Bhitai, who was a Sufi poet.

STUDENT: Being a resident how can we help police?

DPO: You can, by being sincere to your people.

STUDENT: Your role on the occasion of Prophet's birthday is admirable. You gathered Muslim Scholars from different sects on a single platform. What measures did you carry?

DPO: The topic that brings all Muslim Scholars to a single platform was Prophet Muhammad (PBUH) and being a Muslim it is a topic which everyone accepts.

STUDENT: Many medical camps were conducted by police in collaboration with Muhammad Medical College. Till what extent they were successful?

DPO: It is a part of community policing to organize medical camps and it is an effort to regain the trust of people. Before that, police was regarded as a force but now it is a part of social service. And we got admirably good results. It also helps to survey about different diseases as in one camp many gutka consumers were examined and almost 17 people were found having mouth cancer. All this was because of cooperation of the administration and doctors of Muhammad Medical College and Hospital.

STUDENT: What do you think about the establishment of Muhammad University?

DPO: As it happens, it is surely a milestone for Mirpurkhas. Muhammad Foundation Trust is doing a great job in Mirpurkhas with respect to health and education.

STUDENT: What do you expect from youth?

DPO: My expectation from youth is to research and learn everything with reasoning so that we may compete with the world in logical manner. Try to get scholarships, go abroad for learning, return to your country and make your people advanced so that they compete with the world.

STUDENT: Being a medical student how can we serve our nation and country?

DPO: Be sincere with your profession and be research oriented.

STUDENT: What is the difference between educational system of your time and the current? Which one is better?

DPO: Our educational system was better, because now a days two educational systems are working, the private sector and the public sector. Private is for rich ones and public ones for poor. The educational system as well as syllabus is also different.

STUDENT: How educational standards of our country can be made better?

DPO: By raising standards and quality of education in public sector so that a poor may also get knowledge more than the children's of riches.

STUDENT: For success, knowledge is necessary or hard work?

DPO: Hard work is the main component for getting good results.

STUDENT: Should the youth take part in practical politics?

DPO: Yes, youth should take part in positive politics. It is also a social science in true sense.

STUDENT: It is said, that colleges and universities are nurseries of politics, what do you say?

DPO: It is a nursery of everything, juvenile delicacy and broken theories. It's an age in which you can learn and start reaching your goals. It depends on you.

STUDENT: What changes do extra-curricular activities bring to a student?

DPO: Your brain can grow only when you are physically fit and I think extra curricular activities play a great role.

STUDENT: If you are appointed as the President of Islamic Republic of Pakistan, which change will you try to bring first?

DPO: (smilingly) I will try to remove discrimination from our society and making women's and children's productive citizens. When there will be no discrimination, justice will prevail.

STUDENT: The most memorable day of your life?

DPO: There are many. First when I passed my CSS exam. Second when I got my scholarships and the list goes on.

STUDENT: Any moment in your life in which you were forced to say, if possible?

DPO: There are a lot of moments when you say it, mostly when you make a mistake. Through mistakes you learn to be better next time.

STUDENT: What message would you like to give to the youth?

DPO: Make a positive aim of your life, plan about it, start working hard and your sense of achievement will get you going. Never cheat and just focus on your aim and this may change the whole nation. **Youth should rise.**

The interview was wonderful and we respect his comments. We thank him for giving us a chance to join him and get benefited from his precious knowledge and time.

CHOSE LIFE, STOP SMOKING

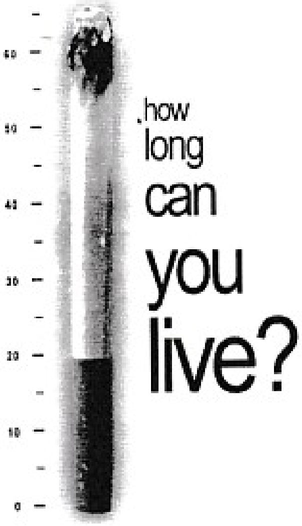

Mehreen (2nd Year, MBBS)

There are no good reasons to smoke. All the reasons given for smoking are self centered like addiction, boredom, curiosity, individual freedom, defiance, personal pleasure etc.

On the other hand there are plenty of good reasons not to smoke. All the reasons are for well being of mankind and life; saving our planet, consideration of others protecting the health of others and our own health.

Save our planet:

Smoking pollutes air, destroys forests, soil and water. Tobacco smoke contains over 4000 chemicals, many of which are poisonous which pollute the air and destroy the ozone layer.

Soil and ground water are polluted with fertilizers and insecticide to maintain tobacco crop. Large areas of forests are destroyed yearly to plant tobacco and to feed the world's smoking habit.

Protect the health of others.

Did you know that two cigarettes in a closed room can cause 20 times more pollution than traffic in a city centre street? Out of the total smoke emitted by a cigarette, 75% goes straight into the air and 25% inhaled by the smoker, who promptly exhales about half of it so non smokers breathes nearly 90% of cigarette smoke, while standing near by a smoker.

Babies of the smoking mothers are more likely to be small at birth. Young children of smoking parents are twice as likely to suffer cough, cold, sore throat, bronchitis and pneumonia. Children of smokers are more likely to have poor physical and intellectual development.

Protect your own health.

Smokers like to say that since every one must die in one way or the other they choose to die by smoking. Very funny!

I agree but the sad truth when they start to get the complications of smoking in their 40's and 50's they suddenly discover how much they don't want to die.

The "dangers of smoking" are well documented.

- Smoking is one of four major risk factions for heart diseases. 40% of deaths due to hearth diseases, before age 65 are linked to smoking.
- About 90% of deaths due to lung cancer occur in smokers. About 30-70% of cancer of mouth, throat, gullet, kidney, bladder and pancreas are linked to smoking.
- Smoking cause's chronic bronchitis and emphysema. Earliest sign of chronic bronchitis is called "Smokers Cough".
- Smoking doubles the risk of getting stomach and duodenal ulcers thus, increase the risk of dying from ulcer bleeding.
- Smoking ruins general health i.e. reduces the relation time, stains teeth, with out smoking smokers get hand tremors, feel uneasy, irritable and cannot concentrate.

Smoking shortens life:

Each cigarette smoked shortens life by about 5 minutes. A heavy smoker can shorten his life by as much as 15 year.

How to stop smoking?

No one can force you to stop smoking. The decision is yours. Once you decide you want to stop, half the battle is won. Just set your mind to it and follow these tips.

- Choose a date to stop
- Choose a way to stop

There are 3 ways.

1. Cold turkey: Smoke as usual until the day before your stop date. On your stop date, stop smoking entirely.
2. Cutting down slowly: Cut down on the no. of the cigarette you smoke each day until you reach zero on your stop date.
3. Smoking cessation program: Join an organized group to help you.

What if you fail to stop?

Yes, it happens. Some ex-smokers do fail and go back to smoking again. But all is not lost. It is just a temporary set back. Remember! If you want to stop smoking, half the battle is won. So, if at first you don't succeed, try, try again.

INTRODUCTION IMCI

(INTEGRATED MANAGEMENT OF CHILDHOOD ILLNESS)

From: (IMCI) module ***Introduction***

By Dr. Aftab Ahmed Memon ,Demonstrator / RMO,**Faculty of Community Medicine**

Pneumonia, Diarrhea, Malaria, Measles and Malnutrition cause more than 70% of deaths in children below the age of 5 years in developing countries.

Instead of separate guide lines for each illness, WHO and UNICEF used updated technical findings, to describe the management of these illnesses in a set of integrated (combined) guidelines for each of illness. Then a training package to teach integrated case management process was developed.

Health worker can consider all of Childs's symptoms and not overlook any problem, HW can determine if child is severely ill and needs urgent referral, if not can follow guidelines. Disease specific guidelines fit in to a comprehensive and efficient process.

The Case Management Process:

To assess the child or young infant there is a series of charts, which shows sequence of steps to provide information for performing them.

Assess the child, classify the illness, identify the treatment, council the mother, case management process two months to five year and young infant below two months.

Purpose of the Training Course:

Training course is designed to teach the case management to doctors, nurses and other health workers who see sick children and infant. It is for first level facility such as clinic health center or an OPD of hospital.

Course Methods and Materials:

In addition to case management charts there is series of booklets called modules which explain each step, titled as:

- Introduction
- Assess and Classify the sick child age two months to five years
- Identify treatment
- Treat the child
- Council the mothers
- Management of the sick young infants age below two months
- Follow up
- Photograph
- Guideline module

Exercise with user friendly photographs and videos, clinical sessions at near by clinics
To observe and practice managing sick children.
By the end of course you will have:
Experience managing children according to case management process and can feel comfortable continuing at your own clinic.
Facilitator guides through activities and exercises with modules, lead group discussions, review your individual work, to supervise practice during clinical sessions and to discuss questions and problems.

The Holy Quran ....

10. 'Abd al Razzaq al-Muqarram in "*Maqtal al Hussain*"Chapter 52. Quoting the words of Hazrat Hussain ibn Ali at the martydom of Hurr al-Riyahi

"He has been killed as prophets and the offspring of prophets are killed"

"This text is quoted from p. 118 of *Taallum al-Zahra'* of Raiyy ad-Din al-Qazwini, from p. 135, Vol. 13, of al-Nu'mani's *Ghayba.* According to p. 256, Vol. 6, of al-Tabari's *Tarikh* and p. 30, Vol. 4, of Ibn al-Athir's book, as well as al-Mufid's book *Al-Irshad...*"

11. *Sahih Tirmidhi*, V2, P86, V9, P74–75: Narrated from the Prophet (s.a.w.w):

"Even if the entire duration of the world's existence has already been exhausted and only one day is left before the , God will expand that day to such a length of time, as to accommodate the kingdom of a person out of who will be called by my name and my father's name. He will then fill the Earth with peace and justice as it will have been filled with injustice and tyranny before then."

STILL A NOBLE PROFESSION?

Anum Hameedi
(Final Year MBBS)

Ever since, I chose medical science over computer science in 9th grade. I became ever more focused to become a doctor one day – here I am, standing on the brink of my graduation. I look back to pay salute to this nation, to our ideology that has brought me here. You must be wondering, what on earth our nation had to do with me being a doctor? I assure you, by the end of this article, you will think exactly the way I do. – Working as a doctor, all around the world is considered as a noble act. Why it is so? Don't we laughingly doubt it ourselves? We sure do. Even the majority of us think we do it for money. I don't buy that. We are humans. We have families to feed and we have children to educate. So charging for our services doesn't mean that the intention is money only.

Medical studies are by far the most expensive, time taking and tough. Routine is maintained to become a professional in the world – lets take an example, let's select the most advanced country in the world, the United State of America. Medical studies are the more expensive but the reward is even better because according to the surveys, out of top 10 most paid professionals, 7 are doctors.

Secondly, the gap between the financial requirements of a medical degree to that of a business management (MBA) is not as great as here in Pakistan - so you can doubt the love for humanity of those doctors working in such countries but here in Pakistan. Medical studies are more expensive. Now, how much a doctor (MBBS) gets? It is definitely not even comparable to what engineers and management professionals get. Secondly we do put in more time. 6 years for our degree as compared to 4 years for engineering degree (B.E / B.S).

So, what motivates the young generation of students of Pakistan to dream of becoming a doctor? When they can get fame by becoming an artist, they can get rich by becoming an engineer or a businessman. But still they choose to become a doctor because they care! Though it is no more fashionable chant that we love humanity, or we are philanthropists. There is this goodwill that all regardless of anything has encouraged us to be doctors.

In the end, it's not appropriate to state that Medicino is not a noble profession. It is the best profession to follow.

10 Funny Facts

Fahad Asif (1st Year)

1. If you yell for 8 years, 7 months and 6 days, you'd produce enough sound energy to heat one cup of coffee (hardly seems worth it).
2. Human heart creates enough pressure when it pumps out to the body that it could squirt blood 30 feet (oh my God).
3. A cockroach can live up to 9 days without its head before it starves to death (creepy what a sluggish life without head).
4. Banging your head against a wall consumes 150 calories an hour (please do not try this at home… may be at COLLEGE).
5. A catfish has over 27,000 taste buds. (Imagine what could be tasty at the bottom of the sea).
6. Right handed people, on average, live 9 years more than left handed people (are you glad to be right handed?).
7. Elephant is the only animal that cannot jump.
8. Cat's urine glows under black light (wonder who was paid to figure that out).
9. An ostrich's eye is bigger than its brain (I know some people of that kind).
10. Star fish has no brain (I always thought that some humans are the only exceptions).

Golden Words

Muhammad Shahab Hanif
(1st Year, MBBS)

(1) In life I hope to be remembered by my kindness, not popularity. I hope to bring a piece of joy to someone's day, not a rude comment. I hope to dedicate my life to helping others, and I hope to make the world a better place not to just chits. **Heather C.**

(2) No financial compensation is enough to rob you of your life and health. People loose sight of this fundamental truth and lose their lives in the desperate grasp for financial reward. Happiness has its own reward and is not found in monetary gain.

(3) I am enough of an artist to draw freely upon my imagination. Imagination is more important than knowledge. Knowledge is limited, imagination encircles the world. **Albert Einstein**

(4) People are like stained glass windows. They sparkle and shine when the sun is out, but when the darkness sets in, their true beauty is revealed only if there is a light from within. **Elizabeth Kuble Ross**

(5)As we encounter obstacles, let them inspire our creativity. If we lose a valued possession, let us recognize that God is clearing a space in our lives for something of a greater value, or more important reminding us to keep material things in their proper perspective. Purpose of life is to embrace our divinity and learn to love.

(6)In tragedy and despair, when a night seems to have fallen, hope can be found in the realization that the companion of night is not another night, the companion of night is day, that darkness gives way to light, and that death rules only half of creation, life the other half. **Dean R. Koontz**

(7)I don't know what your destiny will be but one thing I do know the only ones among you who will be really happy are those who have sought and found how to serve. **Schweitza Albert**

(8)When you meet someone better than yourself, turn your thoughts to becoming his equal. When you meet someone not as good as you are look within and examine your own self. **Conrucius.**

(9)Each man is an architect of his own destiny. **Appius Claudius Cacus.**

(10)Have courage for the great sorrows of life and patience for the small ones and when you have laboriously accomplished your daily task, go to sleep in peace, God is awake. **Victor Hugo.**

(11)Always dream and shoot higher than you know how to. Don't bother just to be better than your contemporaries or predecessors. Try to be better than yourself. **Faulkner, Witliam**

(12)Slow down and enjoy life, its not only the scenery you miss by going too fast, you also miss the sense of where you are going and why. **Cantor Eddic.**

(13)Happiness is not a station you arrive at, but a matter of traveling. **Runbeck, Margaret.**

An Accidental Chat.......

Me: How can I get the best out of life?

Socrates: Face your past without regret. Handle your present with confidence. Prepare for the future without fear.

Me: One last question. Sometimes I feel my prayers are not answered.

Socrates: There are no unanswered prayers. At times there is something better given to you than what you ask for. Only you don't know that.

Me: Thank you for this wonderful chat.

Socrates: Well. Keep the faith and drop the fear. Don't believe your doubts and doubt your beliefs. Life is a mystery to solve not a problem to resolve. Trust me. Life is wonderful if you know how to live.

"Life is not measured by the number of breaths we take but by the moments that took our breath away!

"I feared being alone until I learned to like myself. I feared failure until I realized that I only fail when I don't try. I feared success until I realized that I had to try in order to be happy with myself. I feared people's opinions until I learned that people would have opinions about me anyway..."

EUTHANASIA

M. Fahad Asif
(1ST Year MBBS)

It refers to the practice of ending a life in a painless manner on dying person's desire or for his benefit e.g. for saving him from an intractable pain. Many different forms of euthanasia can be distinguished, including animal euthanasia and human euthanasia, and within the latter, voluntary and involuntary euthanasia. Voluntary euthanasia and physician-assisted suicide have been the focus of great controversy in recent years.

Euthanasia may be conducted with consent (voluntary euthanasia) or without consent (involuntary euthanasia). Involuntary euthanasia is conducted where an individual makes a decision for another person incapable of doing so. The decision can be made based on what the incapacitated individual would have wanted, or it could be made on substituted judgment of what the decision maker would want were he or she in the incapacitated person's place, or finally, the decision could be made by assessing objectively whether euthanasia is the most beneficial course of treatment. In any case, euthanasia by proxy consent is highly controversial, especially because multiple proxies may claim the authority to decide for the patient and may or may not have explicit consent from the patient to make that decision.

Euthanasia may be conducted passively, non-actively, and actively. Passive euthanasia entails the withholding of common treatments (such as antibiotics, chemotherapy in cancer, or surgery) or the distribution of a medication (such as morphine) to relieve pain, knowing that it may also result in death. Passive euthanasia is the most accepted form, and it is a common practice in most hospitals. Non-active euthanasia entails the withdrawing of life support and is more controversial. Active euthanasia entails the use of lethal substances or forces to kill and is the most controversial mean. An individual may use a euthanasia machine to perform euthanasia on him / her.

Assisted suicide is a form of euthanasia where the patient actively takes the last step in their death. "Assisted suicide" is contrasted with "active euthanasia" where the difference between providing the means of euthanasia and actively administering lethal medicine is considered more important. For example, Swiss law on assisted suicide allows assisted suicide, while all forms of active euthanasia (like lethal injection) remain prohibited.

Since the 19th Century, euthanasia has sparked intermittent debates and activism in North America and Europe. According to medical historian Ezekiel Emanuel, it was the availability of anesthesia that ushered in the modern era of euthanasia. In 1828, the first known anti-euthanasia law in the United States was passed in the state of New York, with many other localities and states following suit over a period of several years. After the Civil War, voluntary euthanasia was promoted by advocates, including some doctors. Support peaked around the turn of the century in the US and then grew again in the 1930s.

Islam categorically forbids all forms of suicide and any action that may help another to kill them. It is forbidden for a Muslim to plan, or come to know through self-will, the time of his own death in advance. The precedent for this comes from the Islamic prophet Muhammad (SAW) having refused to bless the body of a person who had committed suicide. If an individual is suffering from a terminal illness, it is permissible for the individual to refuse medication and/or resuscitation. Other examples include individuals suffering from kidney failure who refuse dialysis treatments and cancer patients who refuse chemotherapy.

We are the students of medicine and it is a matter to regret that besides studying this course we never concentrate to think on the ethics of medicine which is a vast area to stress on. Still there are thousands of doctors roaming in this world who don't even know the name of Euthanasia then what will they do when a situation will come? Friends! We are supposed to learn the ethics of what we study; practicing medicine should be our aim, not just cramming.

Who are we now?

Anum Hameedi (Final Year MBBS)

Let me give you a taste of what you must have gone through at some point in your life. People do appreciate that we have selected such a noble and respected field, even if they don't know anything about medicine and medical colleges, they do tend to ask about our institution, don't they? But they concerned, when they get to know that you're studying in the interiors of Sindh.

Do surroundings really have an impact on our studies? Does the fact, the institution is situated in rural areas of a province; mean that the students are submissive to that of the colleges located in the urban areas? Well, I think we have many advantages studying in Mirpurkhas than those students studying in larger cities like Karachi, Lahore & Islamabad. First it is much more peaceful and safe in Mirpurkhas than the larger cities full of crimes. Second the atmosphere is academically charged and faculty and students are highly motivated. Third the poor patients treated virtually free at 600 bedded Muhammad Medical College Hospital are extremely cooperative and this is great help in clinical learning. Fourth there is no discrimination on the basis of language, religion or gender. In fact I have found it a very safe and friendly atmosphere for girls.

What makes a good institution, good? What makes it reputed? The alumni do. So, didn't the graduates from these institutions, clear USMLE, PLAB, FCPS tests with remarkable success? So, basically, the institutions have every ingredient to be regarded as one of the best colleges in Pakistan, but unfortunately, the location overshadows the success of their alumni.

There is a great contradiction between the mindset; firstly every Pakistani wants the nation to be educated and it is only possible if more and more colleges and universities are build in rural areas of our motherland because the facilities provided in the urban areas are already good enough to cater the whole city, then there's this scrupulous and groundless thinking that institutions located in the interiors cant produce good and qualified professionals.

It is generally believed that changing the thinking of a nation is the hardest thing to change. So why should anyone dare to? Honestly, it's easier than it seems like; the answer to every question lies within ourselves, why don't we stand up and be counted? Let's change the mentality of this nation for ourselves and for the future. So many talented professionals that have and will graduate from these kinds of institutions.

If you really are interested in getting into higher studies then working hard from any college will help you throughout your professional lives so disprove them by working harder than you ever did and reach a point where everyone would look up to you, as a role model.

Lastly it's not where you study that counts.. neither is it what you study that counts, the only thing that matters is how well you study and have you become what you once aimed to be.

Serve this skepticism as a source of motivation that will help you take great strides towards success in life and hereafter.

What are we equal to?

He asked her about the contents. "When we were to be married," she said, " my grandmother told me, the secret of a happy marriage was to never argue. She told me that if I ever got angry with you, I should just keep quiet and crochet a doll."

The little old man was so moved; he had to fight back tears. Only two precious dolls were in the box. She had only been angry with him two times in all those years of living and loving. He almost burst with happiness.

"Honey," he said, "that explains the dolls, but what about all of this money? Where did it come from?"

"Oh," she said, "that's the money I made from selling the dolls."

AN ACCIDENTAL CHAT WITH SOCRATES, THE WISE MAN

(The author while chatting on phone accidentally gets connected to the other world. Socrates picks up and advises him how to live in today's panic stricken world)

Socrates: Hello. Did you call me?

Me: Called you? No.. Who is this?

Socrates: This is SOCRATES. I heard your describing your problems. So I thought I will chat.

Me: I do pray. Just makes me feel good. I am actually busy now. I am in the midst of something.

Socrates: What are you busy at? Ants are busy too.

Me: Don't know. But I can't find free time. Life has become hectic. It's rush hour all the time.

Socrates: Sure. Activity gets you busy. But productivity gets you results. Activity consumes time. Productivity frees it.

Me: I understand. But I still can't figure out. By the way, I was not expecting YOU to buzz me on instant messaging chat.

Socrates: Well I wanted to resolve your fight for time, by giving you some clarity. In this net era, I wanted to reach you through the medium you are comfortable with.

Me: Tell me, why has life become complicated now?

Socrates: Stop analyzing life. Just live it. Analysis is what makes it complicated.

Me: why are we then constantly unhappy?

Socrates: Your today is the tomorrow that you worried about yesterday. You are worrying because you are analyzing. Worrying has become your habit. That's why you are not happy.

Me: But how can we not worry when there is so much uncertainty?

Socrates: Uncertainty is inevitable, but worrying is optional.

Me: But then, there is so much pain due to uncertainty.

Socrates: Pain is inevitable able, but suffering is optional.

Me: If suffering is optional, why do good people always suffer?

Socrates: Diamond cannot be polished without friction. Gold cannot be purified without fire. Good people go through trials, but don't suffer. With that experience their life become better not bitter.

Me: You mean to say such experience is useful?

Socrates: Yes. In every term, Experience is a hard teacher. She gives the test first and the lessons afterwards.

Me: But still, why should we go through such tests? Why can't we be free from problems?

Socrates: Problems are Purposeful Roadblocks Offering Beneficial Lessons (to) Enhance Mental Strength. Inner strength comes from struggle and endurance, not when you are free from problems.

Me: Frankly in the midst of so many problems, we don't know where we are heading..

Socrates: If you look outside you will not know where you are heading. Look inside. Looking outside, you dream. Looking inside, you awaken. Eyes provide sight. Heart provides insight.

Me: Sometimes not succeeding fast seems to hurt more than moving in the right direction. What should I do?

Socrates: Success is a measure as decided by others. Satisfaction is a measure as decided by you. Knowing the road ahead is more satisfying than knowing you road ahead. You work with the compass. Let others work with the clock.

Me: In tough times, how do you stay motivated?

Socrates: Always look at how far you have come rather than how far you have to go. Always count your blessing, not what you are missing.

Me: What surprises you about people?

Socrates: When they suffer they ask, "why me?" When they prosper, they never ask "Why me". Everyone wishes to have truth on their side, but few want to be on the side of the truth.

Me: Sometimes I ask, who am I? why am I here? I can't get the answer.

Socrates: Seek not to find who you are, but to determine who you want to be. Stop looking for a purpose as to why you are here. Create it. Life is not merely a process of discovery but a process of co-creation.

Cont. on page 16

Good One to smile

1. A FOOLish man tells a woman to STOP talking, but a WISE man tells her that she looks extremely BEAUTIFUL when her LIPS are CLOSED.

2. One GOOD way to QUIT Smoking:

Before Marriage - Smoke only whenever you are SAD,

After Marriage - Smoke only whenever you are HAPPY

3. Three FASTEST means of Communication :

a. Tele-Phone
b. Tele-Vision
c. Tell to Woman

Need still FASTER - Tell her NOT to tell ANY ONE.

4. A man got 2 wishes. He asked for the Best Woman.

Next moment, he had the Best Wine and Mother Teresa next to him.

Moral: BE SPECIFIC

5. Let us be generous like this : Four Ants are moving through a forest.

They see an ELEPHANT coming towards them.

Ant 1 says : we should KILL him.

Ant 2 says : No, Let us break his Leg alone. Ant 3 says : No, we will just throw him away from our path.

Ant 4 says : No, we will LEAVEÊ him becauseÊ he is ALONE and we are FOUR.

6. If you do NOT have a wife - You are missing SOME thing in your life.

If you HAVE a wife - You are missing EVERY thing in your life.

7. Question : When do you CONGRATULATE someone for their MISTAKE.

Answer : On their MARRIAGE.

8. Why American Government do NOT allow a Man to MARRY 2 Women.

Because as per US Constitution, you can NOT be PUNISHED TWICE for the same Mistake.

"A Ship is always safe at the shore - but that is NOT what it is built for" - Albert Einstein.

MEDICAL JOKES

Muhammad Talha Malik (4th Year MBBS)

1. A man goes to his doctor and says, "I think my wife's hearing isn't as good as it used to be. What should I do?" The doctor replies, "Try this test to find out for sure. When your wife is in the kitchen doing dishes, stand fifteen feet behind her and ask her a question, if she doesn't respond keep moving closer asking the question until she hears you".

The man goes home and sees his wife preparing dinner. He stands fifteen feet behind her and says "What's for the dinner, honey?" He gets no response, so he moves two feet ahead and asks again. Still no response, he moves to five feet, still no answer. Finally he stands directly behind her and says", Honey what's for dinner?" She replies, "For the fourth time, I Said Chicken."

2. Doctors at a hospital in Brooklyn New York have gone on strike. Hospital officials say they will find out what the Doctors demand is as soon as they can get a Pharmacist over there to read the Picket signs!

3. The difference between a neurotic and a psychotic is that, while a psychotic thinks that 2+2=5, a neurotic knows the answer is 4, but it worries him.

4. A man speaks frantically into the phone, "My wife is pregnant, and her contractions are only two minutes apart!"

"Is this her first child?" the doctor questions.

"No, you idiot" the man shouts. "This is her husband".

BECAUSE I'M A MAN

- Because I'm a man, I must hold the television remote control in my hand while I watch TV. If the thing has been misplaced, I may miss a whole show looking for it. Though one time I was able to survive by holding a calculator.
- Because I'm a man, when the car isn't running very well, I will pop the hood and stare at the engine as if I know what I'm looking at. If another man shows up, one of us will say to the other, "I used to be able to fix these things, but now with all these computers and everything, I wouldn't know where to start."
- Because I'm a man, when I catch a cold I need someone to bring me soup and take care of me while I lie in bed and moan. You never get as sick as I do, so for you this isn't an issue.
- Because I'm a man, I can be relied upon to purchase basic groceries at the store, like milk or bread. I cannot be expected to find exotic items like "Cumin" or "Tofu." For all I know these are the same thing. And never, under any circumstances, expect me to pick up anything for which "feminine product" is a euphemism.
- Because I'm a man, when one of our appliances stops working I will insist on taking it apart, despite evidence that this will just cost me twice as much once the repair person gets here and has to put it back together.
- Because I'm a man, I don't think we're all that lost, and no, I don't think we should stop and ask someone. Why would you listen to a complete stranger - I mean, how in the world could he know where we're going?
- Because I'm a man, there is no need to ask me what I'm thinking about. The answer is always either women or sports, though I have to make up something else when you ask, so don't.
- Because I'm a man, I do not want to visit your mother, or have your mother come visit us, or talk to her when she calls, or think about her any more than I have to. Whatever you got her for mother's day is okay, I don't need to see it. And don't forget to pick up something for my mommy, too!
- Because I'm a man, you don't have to ask me if I liked the movie... Chances are, if you're crying at the end of it ~ I didn't.
- Because I'm a man, I think what you're wearing is fine. I thought what you were wearing five minutes ago was fine, too. Either pair of shoes is fine. With the belt or without it looks fine. Your hair is fine. You look fine. Can we just go now???
- Because I'm a man and this is, after all, the year 2009, I will share equally in the housework. You just do the laundry, the cooking, the gardening, the cleaning, and the dishes. I'll do the rest.

★★★★★★★★

Lawyers should never ask a grandma a question if they aren't prepared for the answer

In a trial, a prosecuting attorney called his first witness, a grandmotherly, elderly woman to the stand. He approached her and asked, 'Mrs. Khalida Sheikh, do you know me?' She responded,

'Why, yes, I do know you, Mr. Qureshi. I've known you since you were a boy, and frankly, you've been a big disappointment to me. You lie, and you manipulate people and talk about them behind their backs. You think you're a big shot when you haven't the brains to realize you'll never amount to anything more than a two bit paper pusher. Yes, I know you.'

The lawyer was stunned. Not knowing what else to do, he pointed across the room and asked, 'Mrs. Khalida Sheikh, do you know the defence attorney?'

She again replied, 'Why yes, I do. I've known Mr. Siddiqui since he was wearing pampers, too. He's lazy, bigoted, and he has a drinking problem. He can't build a normal relationship with anyone, and his law practice is one of the worst in the entire province. Yes, I know him.'

The defence attorney nearly died.

The judge asked both counsellors to approach the bench and, in a very quiet voice, said, 'If either of you idiots asks her if she knows me, I'll send you both to the electric chair.

What are we equal to?

Equation 1:

Human = eats + sleeps + does mental work + enjoys
Donkey = eat + sleep

Therefore,
Human = Donkey + does mental work + enjoys
Therefore,
Human - enjoys = Donkey + does mental work

In other words,
Human that doesn't know how to enjoy = Donkey that does mental work

============ ========= =========

Equation 2:

Men = eat + sleep + earn money
Donkeys = eat + sleep

Therefore,
Men = Donkeys + earn money

Therefore,
Men - earn money = Donkeys

In other words,
Men that don't earn money = Donkeys

============ ========= ========

Equation 3:

Women = eat + sleep + spend
Donkeys = eat + sleep

Therefore,
Women = Donkeys + spend

Therefore,
Women - spend = Donkeys

In other words,
Women that don't spend = Donkeys

============ ========= ========

To Conclude:

From Equation 2 and Equation 3
Men that don't earn money = Women that don't spend.

So, Men earn money not to let women become Donkeys! (Postulate 1)

And, Women spend not to let men become Donkeys! (Postulate 2)

So, we have?
Men + Women = Donkeys + earn money + Donkeys + spend money

Therefore from Postulates 1 and 2, we can conclude
Man + Woman = 2 Donkeys that live happily together!

A man and woman had been married for more than 60 years. They had shared everything. They had talked about everything. They had kept no secrets from each other except that the little old woman had a shoe box in the top of her closet that she had cautioned her husband never to open or ask her about.

For all of these years, he had never thought about the box, but one day the little old woman got very sick and the doctor said she would not recover.

In trying to sort out their affairs, the little old man took down the shoe box and took it to his wife's bedside.

She agreed that it was time that he should know what was in the box. When he opened it, he found two crocheted dolls and a stack of money totaling Rs. 95,000.

Cont. on page 18

GEORGE CARLIN

George Carlin- comedian of the 70's & 80's(His wife recently died) wrote this message.

The paradox of our time in history is that we have taller buildings but shorter tempers, wider Freeways,Êbut narrower viewpoints. We spend more, but have less, we buy more, but enjoy less. We have bigger houses and smaller families, more conveniences, but less time. We have more degrees but less sense, more knowledge, but less judgment, more experts, yet more problems, more medicine, but less wellness.

We drink too much, smoke too much, spend too recklessly, laugh too little, drive too fast, get too angry, stay up too late, get up too tired, read too little, watch TV too much, and pray too seldom.

We have multiplied our possessions, but reduced our values. We talk too much, love too seldom, and hate too often.

We've learned how to make a living, but not a life. We've added years to life not life to years. We've been all the way to the moon and back, but have trouble crossing the street to meet a new neighbor. We conquered outer space but not inner space. We've done larger things, but not better things.

We've cleaned up the air, but polluted the soul. We've conquered the atom, but not our prejudice. We write more, but learn less. We plan more, but accomplish less. We've learned to rush, but not to wait. We build more computers to hold more information, to produce more copies than ever, but we communicate less and less.

These are the times of fast foods and slow digestion, big men and small character, steep profits and shallow relationships. These are the days of two incomes but more divorce, fancier houses, but broken homes. These are days of quick trips, disposable diapers, throwaway morality, one night stands, overweight bodies, and pills that do everything from cheer, to quiet, to kill. It is a time when there is much in the showroom window and nothing in the stockroom. A time when technology can bring this letter to you, and a time when you can choose either to share this insight, or to just hit delete...

Remember; spend some time with your loved ones, because they are not going to be around forever.

Remember, say a kind word to someone who looks up to you in awe, because that little person soon will grow up and leave your side.

Remember, to give a warm hug to the one next to you, because that is the only treasure you can give with your heart and it doesn't cost a cent.

Remember, to say, 'I love you' to your partner and your loved ones, but most of all mean it. An embrace will mend hurt when it comes from deep inside of you.

Remember to hold hands and cherish the moment for someday that person will not be there again.

Give time to love, give time to speak! And give time to share the precious thoughts in your mind.

AND ALWAYS REMEMBER:

Life is not measured by the number of breaths we take, but by the moments that take our breath away.

Khatab-e-Zainub (a.s) in Yazid Darbar (court)

After she saw Yazid disrespecting the head of her brother (as) with a cane. She stood and said:

"God says, and He says the truth, the end of miscreants will be awful, those who belied the signs of God and mocked them. Oh Yazid, do you feel that you have made our life miserable and existence impossible? And you think that God has dishonoured us and that you have been honoured and elevated? This apparent success of yours is the result of grandeur of your might and lofty status for which you are proud.... You feel that you have conquered the whole world and your affairs are organised and that our domain is now under you control...

Wait! Wait! Let not your ignorance make you so elated for have you not heard God's words - Let not those who disbelieve think that our giving them respite is good for themselves. We only give respite to them so that they may increase in sins and for them is a disgraceful chastisement. (3:177)

Oh you the son of freed slaves! Is this your justice that the ladies of your house remain veiled and we the Prophet's daughters should be paraded from place to place? You have thus insulted our dignity....

Oh Yazid! Your misdeed has proved your rebellion against God.... And this action of yours comes as no surprise from a person whose ancestors chewed the liver of such saintly martyrs. The descendants of such enemies of God should naturally be the most deadly!

Oh Yazid! You are happily disrespecting the teeth of Husain even though it was the place of kissing for the Holy Prophet!

Oh Yazid! You did what you wished, but remember that you have cut your own skin, In the near future you will be taken in the presence of the Holy Prophet. On that occasion you will be burdened with the sins of the misdeed committed by you shedding the blood of his progeny and dishonouring the sanctity of his family.

Oh Yazid! It does not befit you to get inflated with joy after slaying the Prophet's progeny and reckon not those slain in the way of God to be dead: nay! Alive they are with their Lord, being sustained, rejoicing in what God has granted them" (2:168)

Oh Yazid! Feel not elated with our defeat, for you will have to pay the penalty of it on the day when you will be rewarded for your misdeeds. God is not unjust to anyone. We trust in Him. He is our place of refuge. In Him we seek sanctity and with Him rest our hopes!

You can never reach the level of our lofty position, nor can you destroy our remembrances, nor can you wipe out the ignominy you have earned for yourself by your abominable and vile performance. Your decisions are poor and your days are numbered. Your party will disperse the day when the Announcer will announce - 'GOD'S CURSE BE ON TYRANTS AND TRANSGRESSORS'

Bismillahir Rahmanir Rahim

The Holy Qur'an & its Message for Humanity

Syeda Fatima Muhammad

We sent Our Messengers with clear evidence, and sent with them the Book and the Balance so that people would maintain justice... (Surah al-Hadid 57:25)

All books have a message. All divine books have roughly the same message, i.e. to worship whichever divine authority claims authorship of that book. Dedicated seekers of truth need discerning minds in order to sift through these often conflicting ideologies to reach a satisfying conclusion. One way is to read the message that book is bringing to its readership. Does the message reflect principles that appeal to common sense? Are they consistent with the laws of nature? Are there absurdities that do not stand the test of time? Is the Lord of that book one worthy of worship or simply an all-powerful bully? An ideal answer takes all these into account when examining the message of such a book. And a book claiming to be the Word of the Creator would indeed have a message that is both unique yet appeals to the entire human race.

The Quran asks many things of its followers. It asks all of them to adhere to certain principles of faith called "aqaaid" and orders the performance of certain duties called "faraaiz." But how do we summarize the message of the Quran? What does it boil down to? All the morality, the miracles, the parables, the requirements and the recommendations...what is the major code they are all a minor part of? What is the branch they stem from? What, in fact, is the one thing that if a person perfects it could make him or her one of the "Khayr ul-Bariyyah" (best of people) mentioned in Surah al-Bayyinah? (1)

The message of the Quran is the lesson Allah has been teaching humanity since its inception. The message is that of justice.

We can examine this message by following the twin threads Allah uses in the Quran to elaborate on His lessons- via parables and statements. The parables go from the beginning of the history of humanity. The statements examine the characteristics of those the stories talk about. Combining the Quran's tactics of relating stories in parables and expanding on principles in statements we can see how true the words of Amir al-Momineen Hazrat Ali(a.s) are:

"Justice is the essence of the people's welfare as well as the adherence to the Divine path."

(Qisarul Jumal)

To examine the message of Islam from the very beginning, we open the Quran at Surah Baqra and read the story of the first human being. Allah creates Adam. Allah educates Adam. Allah proves the wisdom behind the creation of humanity to the Angels by having Adam preach to them the names. There is the incident with Iblis- the first rebellion. Humanity has made itself an enemy. Allah promises that His true servants will not be swayed by Shaitan. Thus armed, Adam and Hawwa receive what will be humanity's first personal brush with justice versus injustice.

And We said: O Adam! Dwell you and your wife in the garden and eat from it a plenteous (food) wherever you wish and do not approach this tree, ***for then you will be of the unjust.***

(Surah al-Baqrah 2:35)

After they eat the fruit, they repent. Allah forgives them. Now humanity is not just equipped for the struggle for justice with knowledge and with warnings but also with practical experience.

Allah then blesses them with children. In the story of Habeel and Qabeel we find that they both give offerings in the name of Allah. But only Habeel's gets accepted. Qabeel threatens to murder Habeel. Habeel's response is recorded in the Quran:

If you will stretch forth your hand towards me to slay me, I am not one to stretch forth my hand towards you to slay you, surely I fear Allah, the Lord of the worlds:
Surely I wish that you should bear the sin committed against me and your own sin, and so you would be of the inmates of the fire, ***and this is the recompense of the unjust.***

(Surah al-Ma'idah 5:28-29)

Then come the people of Nuh, of Hud, of Salih, of Lut, of Shuayb. (2) When Ibrahim is made an Imam he asks his Lord whether Imamate will continue in his generations. Allah replies yes, but not with those who are without justice. (3) Firawn and his followers are called unjust. (4) The worshippers of the Golden Calf are called unjust. (5) ' (6) Isa preaches to his people but the rebellious of them try to slay him. The Quran calls the killers of the Prophets unjust. The Holy Prophet (s.a.w.w) was plagued by the unjust disbelievers and even more unjust hypocrites. There are entire chapters of the Quran condemning his enemies.

Having examined the Quran's view of the history of humanity we can see a trend of justice perpetually struggling with injustice. But what constitutes injustice? What makes an unjust person?

...and whoever exceeds the limits of Allah these it is that are the __unjust__.

(Surah al-Baqrah 2:229)

The unjust are in clear error (31:11). Allah does not guide them (2:258). Allah does not love them (3:57). They are proud people (46:20). The unjust people are friends with each other (45:19). The unjust will not be successful (6:21). The unjust will never prosper (12:23). The unjust turn away from the communications of Allah (6:157). They make up lies against Allah (6:93). Allah does not forgive them (4:168). Allah forgives the unjust only after they accept their injustice and do good after evil. (27:11).

A deeper insight can be gained when we see the word used in the Quran for injustice. The word is "zulm" which literally means darkness A universal human trait is the tendency to avoid the dark and to yearn towards the light. Scientists claim it is a primitive instinct from the times when humanity lived in caves and unknown dangers lurked in the night. Not only humans but most living things including plants and micro organisms, grow and move towards the light and away from the dark. Such is the word the Quran uses for lack of justice.

As for justice, all the Prophets were just people. As the verse of Ibrahim's covenant with Allah states, Imamate is only given to the just. In fact, Allah wants all of His creation to be just and treated justly; this command is incumbent on all He has created.

Allah does not wish injustice for any of His creatures.

(Surah Aale Imran 3:108)

Allah Himself is called al-Adl, i.e. the Just. The Quran says:

... and Allah is not unjust to them, but they are unjust to themselves.

(Surah Aale Imran 3:117)

Justice is discussed in the Quran on two notes. There is social justice and there is justice to oneself.

The Quran lays out specific and in some cases extensive rules on the topic of social justice. It talks about buying, selling, treating one's spouse, parent-children interaction, how to treat robbers and murderers and when to be merciful and forgiving. Rights may never be violated, even in the case of prisoners and criminals. In Surah Nisa we find the command:

Believers, be steadfast for the cause of Allah and just in bearing witness. Let not a group's hostility make you deviate from justice. Be just for it is closer to piety. Have fear of Allah. Allah is Well-Aware of what you do.

(Surah al-Ma'idah 5:8)

When the Quran talks about justice to oneself it is truly unique. The holy books and sacred philosophies of all other schools of thought in this world take sin into the context of man sinning against his god/gods. But Islam says the opposite- that sin is in fact man wronging himself. Allah is immune to any wrong we do.

"...And they did not do Us any harm, but they made their own souls suffer the loss."

(Surah al-Baqrah 2:57)

To summarise the universal message of the Quran, humanity was created by Allah for a purpose. Humanity can achieve this purpose by using the instrument Allah has given it called "Aql" to sift through the evidence presented by Allah in the form of Signs and Prophets to achieve full submission. But humanity is constantly faced with choices. We are given free will at each turn to decide what we will do. Will we do what our desires lead us to do? Will we stand up for what we believe in? Will we leave such serious topics for scholars and not give the question a second thought? To choose to exercise our free will for the right thing, even if it is simply

the act of questioning oneself what the right thing to do actually is, constitutes justice. Applying justice at every step of our decision making processes brings us closer to Allah. It can bring us from the lowest of the low to the highest of the high. It is justice that makes the Zoroastrian called Salman e Farsi embark on a journey beginning with his asking the question "Is what I'm worshipping right?" and ending with the Prophet (s.a.w.w) saying "Salman is part of my Ahlul Bayt." (7) It is justice that makes Abu Dharr the most truthful companion of the Prophet (s.a.w.w). (8) It is justice that makes Maisam prefer his tongue to be ripped out rather than curse Amir al-Momineen (a.s.). (9) It is justice that makes Hurr pay allegiance to Imam Hussain (a.s.) at the eleventh hour.(10) Justice calls to all, it is for us to decide to let our hearts hear it and our bodies submissive to it. And when Imam Mahdi (ajf) appears, it is the establishment of justice throughout the world that Allah has promised us.(11)

It is for those who are incapable of hearing the message of Allah that is the voice of justice reverberating from Hazrat Adam through the generations until the time of the Imam of our Age, Imam Mehdi (ajf) that the Quran says

"And the parable of those who disbelieve is as the parable of one who calls out to that which hears no more than a call and a cry; deaf, dumb (and) blind, so they do not understand."

(Surah al-Baqrah 2:171)

REFERENCES

1. **[98:7]** (As for) those who believe and do good, surely they are the -best of men.

2. [9.70] Has not the news of those before them come to them; of the people of Nuh and Ad and Samood, and the people of Ibrahim and the dwellers of Madyan and the overthrown cities; their apostles came to them with clear arguments; so it was not Allah Who should do them injustice, but they were unjust to themselves.

3. **[2.124]** And when his Lord tried Ibrahim with certain words, he fulfilled them. He said: Surely I will make you an **Imam** of men. Ibrahim said: And of my offspring? My covenant does not include the unjust, said He.

4. [**8.54**] In the manner of the people of **Firon** and those before them; they rejected the communications of their Lord, therefore We destroyed them on account of their faults and We drowned **Firon**'s people, and they were all unjust.

5. **[2.51]** And when We appointed a time of forty nights with Musa, then you took the **calf** (for a god) after him and you were unjust.

6. [**7.148**] And Musa's people made of their ornaments a **calf** after him, a (mere) body, which gave a mooing sound. What! could they not see that it did not speak to them nor guide them m the way? They took it (for worship) and they were unjust.

7. Ibn Atheer, has quoted the Prophet in his book, *Tarikh Kamil*, vol. 2, p. 122....Narrated from the Prophet (s.a.w.w.):

"Salman is one of us. He is a member of our household."

(Restatement of the History of Islam and Muslims, byÊSayed Ali Asgher Razwy, Chapter 26, The Battle of the Trench)

8. Tirmidhi in *Manaqib,* 35 and Ibn Majah in *"Muqaddima,"* 11... Narrated from the Prophet (s.a.w.w.):

"There is no person under the sky and in the world who is more truthful than Abu Dharr."

9. Maizam was forced by the rulers of the time to curse Hazrat Ali. When he refused he was tied to a tree, his hands were nailed to it and his tongue cut off. *"The companions of the Prophet and their Followers: Maitham al-Tammar "* by Kamal al-Sayyid, "

and

Nafasul Mahmoom" by Shaikh Abbas Qummi

Cont. on page 14

Heaven on earth

Clear blue "SKY"
Few dark "CLOUDS" generating
Gentle cool "BREEZE"
Soft 'SUN" rays
Singing "BIRDS"
"TREES" with newly born leaves
"FLOWER" loaded trees
Lush green pine "HILLS"
Wheat crop dancing in the "FIELDS"
Fresh water "STREAMS"
Snow covered "MOUNTAINS"
And
A lot more
People call it "HEAVEN"
We call it "**SWAT**"

"Aye ALLAH hamaray SWAT ko phir se Jannat bana". (Ameen)

Ahsan Khalid - Final Year MBBS

Magical Voice

When I was born
I heard a sound
And till today
It knows no bound

In the morning
In the middle of the night
When the sunshine's bright
Or when it dims its light
The magical sound
Knows no bound

It has an unconscious control
I stand up ready, on the floor
The AZAAN… I obey its sound
Mesmerizing, it knows no bound.

Farha Sattar - 2nd Year MBBS

I WANT MY SMILE BACK!

So many misconceptions
A relationship full of complications…
In an attempt to get rid of these frustrations,
I told him that I wanted my smile back!
Drowning deep in depression.

There was no way to escape all the tensions…
In a final attempt to get rid of the aggression,
I told him that I want my smile back!
But even after so much suffering,

DEEP DOWN
I know my heart was silently screaming,
I couldn't let him go… oh no, I could never,
Still I left him telling him that I wanted my smile back!
But how I was to know
That letting him go,
Would snatch my smile away forever.

Haider Ali - 2nd Year, MBBS

As dear as life can ever be, the end is near dear me!!!

Even though I don't fear, I still think the end is near:
Our lives to us are very dear.
If we cannot achieve our goals,
Don't be sad, make your teachers glad.
Sum them up what you achieved from them.
Make them proud every now and then.
At least they achieved a nicked if not time.
Ask your friends, show them gratitude,
As they were there when you needed them.
Give them a shoulder to cry on,
Give them a heart to rely on.

As for your parents, show them how good you can be,
Show them what they want to see.

As for God, pray to Him, and don't do any sin
May He be pleased with you,
And never let the end come near you.

Kiran Mahmood - 4th year MBBS

SUPER MOM

Mom, you're a wonderful mother,
So gentle, yet so strong
The many ways you show your care
Always makes me feel I belong

You're patient when I'm foolish,
You give guidance when I ask.
It seems you can do almost anything.
You're the master of every task.

You're dependable source of comfort.
You're my cushion when I fall,
You help in times of trouble,
You support me whenever I call.

I love you more than you know.
You have my complete respect.
If I had my choice of mothers,
You'd be the one I'd select.

Sheharyar Ajmal, - 3rd Year, MBBS

Me...

My lust for life... it stimulates
The feelings of love... it radiates
My zest for life... is unrestricted
Has no belief... in the predicted
My thirst for life... is only quenched
By my emersion... to remain entrenched
My pursuit of life... defies limitation
Dreams of belonging... and not isolation
My fear of life... at times immeasurable
The courage to conquer... is truly pleasurable
My strength in life... is appreciation
I do not stumble... on expectation
My faith in life... comes from believing
Rewards come from giving... and not in receiving
My goal in life... is to be realistic
Helplessly and hopefully... stay optimistic
My aspirations in life... to touch the unreachable
Humbly remain... the proud but the teachable
To do it well... and to do it true

M. Fahad Asif, 1st Year MBBS

Follow your dream …

Trouble arrives in measures
And we stack it up real high,
until we're convenient
We have no reason to try
If you feel defeated
You're absolutely wrong
For it you follow your dream,
You could never lose for long
Ignore the minor set backs
That pile up and trouble you,
or you will build a mountain
Out of the stones hurled at you
The future holds great promise,
Your destiny unknown,
But GOD is always helping,
And you're never alone
Swirl bravely towards your goal,
Let nothing darken the way
You can change your tomorrow
If you seek your dream today.

Burhan Rasheed, - 4th Year MBBS

Road to Success…

The road to success is not straight
There is a cure called FAILURE
A loop called CONFUSION
Speed bumps called BAD FRIENDS
Red lights called ENEMIES.
Caution light called FAMILY.
You will have flat tire called JOBS.
But

If you have a spare wheel called DETERMINATION
An engine called PERSERVANCE
Insurance called FAITH
A driver called GOD
You will definitely make it to splice called "SUCCESS"
Have a blessed life…

Ameen…

Zeenat Khatoon, First Year MBBS

My Mother

Once I sat beside my desk,
wanted to have some rest.
A thought hit upon my mind;
and it totally changed my mind.
I thought, who made me a baby,
a man of words and much worthy;
Who made me a delicate boy;
a bold and a courageous guy?
My heart answered, "Your Mother".
Whose arms felt like feather,
whose eyes were always attached to me
So that nothing bad happens to me.
My mother is like that star;
which shows me the way at any hour.
She serves as moonlight,
when my life is caught by dark night.
After spending my life in false thought.
At last the truth has been caught,
Mother is a gift from God.
Sealed with affection by my Lord
I always pray for that ocean of love
peaceful and calm like a dove.
Till the end of my life and tears;
I'll remember her in all my prayers.

Nighat Nazar, 1st Year MBBS

FLUCTUATING MOMENTS

As I grew up I've
learnt that even the
person that wasn't supposed to let u
down probably will
You'll have your heart
broken and You'll break
other's too.
You'll fight with your
best friend
You'll cry cuz
time is flying
Take a lot of pics
Laugh too much
Forgive & love like
u have never, since hours
Life comes with
no guarantees
no timeouts
no second chances.
So live it fullest.
Tell someone
what they mean to u
Dance in the rain
Hold some one's hand.
Comfort a friend
Take chances
Fall in love
Live every moment
Because every moment
that u spend is a
second of happiness
that you'll never get back.

Fareeh Sana - 4th Year MBBS

The sense, the feel

You think, you sense,
You touch, you feel,
You cry when tense,
You love, you heal

Sense all that surrounds you
Feel that's all around you,
Be careful with what and how you deal,
Wrongly done you hurt,
Sensibly done you heal.

The pain, the sorrow, the grief, the heartache
The madness the thoughts, the anguish, the tears,
The dawn that brings you all this, you sense,
The time they be one,
You feel.

The games played by hearts of two
The other senses you feel it too,
The love, the respect and care it brings with it,
You are without it, you hurt, and you are a part it of,
You heal.

The worldly madness you sense,
The heartache, the sadness you feel,
Why is time running out on me?
Selfishly done you might hurt,
Selflessly done, you heal

Kiran Mehmood, 4th Year MBBS

Lessons of life…

I feared being alone
Until I learned to like myself.

I feared failure
Until I realized that I only
Fail when I don't try.

I feared success
Until I realized
That I had to try
In order to be happy
With myself.

I feared people's opinions
Until I learned that
People would have opinions
About me any way.

I feared rejection
Until I learned to
Have faith in myself.

I feared pain
Until I learned that
It's necessary
For growth.

I feared the truth
Until I saw the
Ugliness in lies.

I feared life
Until I experienced
Its beauty.

I feared death
Until I realized that it is
Not an end, but a beginning.

I feared my destiny
Until I realized that
I had the power to change my life.

I feared hate
Until I saw that
It was nothing more than
Ignorance.

I feared love
Until it touched my heart
Making the darkness fade
Into endless sunny days.

I feared growing old
Until I realized that
I gained wisdom every day.

I feared the future
Until I realized that
Life just kept getting Better.

I feared the past
Until I realized that
It could no longer hurt me.

I feared the dark
Until I saw the beauty
Of the straight.

I feared the light
Until I learned that the
Truth would give me Strength.

I feared changes
Until I saw that
Even the most beautiful butterfly
Had to undergo a metamorphosis
Before it could fly.

Burhan Rasheed- 4th year MBBS

What is life

Life is a challenge
Accept it
Life is a struggle
Meet is
Life is an adventure
Dare it.

Life is a sorrow
Over come it
Life is a tragedy
Face it

Life is a duty
Perform it
Life is a mystery
Unfold it
Life is a game
Play it

Life is a song
Sing it
Life is a bliss
Taste it

Life is an opportunity
Consume it
Life is a dream
Realize it
Life is a promise
Fulfill it.

Life is a love
Enjoy it
Life is a beauty
Worship it.
Life is a light
Light it

Life is a flower
Smell it
Life is a gift
Give it
Life is a book
We are words.

Jasim Gul,4th Year MBBS

Slightly Different Dreams

Grasp the single beam of light
That leads you to desire,
Fear not the vines that come your way,
Dread not the swampy mire,
For all the stars and every sky
Throw light upon the clouds,
Preventing them from slipping past
Into the midnight shroud
Lose not that hope, that single chance,
Those Slightly Different Dreams,
Then watch your heart's wings rise up high,
Into the light-filled beams.

Syeda Ailia Muhammad

Stop all the clocks, cut off the telephone

I have been asked to select a poem of my choice for English section of Messiah. Wystan Hugh Auden is known for writing poetry that says something truthful about life. He has written an unusual response to death in "Stop All the Clocks, Cut Off the Telephone." Critics say that the title itself demands that seemingly unreasonable actions be carried out. The first emotion that is pictured, in this funeral dirge, is that of the complete shut down of all the senses as the finality of this tragic loss is realized. In addition to the incredible sense of personal loss, the poet extends the suffering of this hurt person to the way he/she views his/her physical world. The normal, private activities of life must be repressed, as the speaker's grief has presumably interrupted the normalcy of his/her own life. The fact that the speaker isolates himself/herself from everything implies the state of being shocked.

A grieved person often finds it hard to come to term with the normalcy of the world. Dil to mera udas hay Nasir- Shehr kion saen saen kerta hay. This poem is probably the best description o9f such situation so far. It is one of my all time favourites. Read and enjoy. Syed Razi Muhammad

Stop all the clocks, cut off the telephone,
Prevent the dog from barking with a juicy bone,
Silence the pianos and with muffled drum
Bring out the coffin, let the mourners come.

Let aeroplanes circle moaning overhead
Scribbling on the sky the message He Is Dead,
Put crepe bows round the white necks of the public doves,
Let the traffic policemen wear black cotton gloves.

He was my North, my South, my East and West,
My working week and my Sunday rest,
My noon, my midnight, my talk, my song;
I thought that love would last for ever: I was wrong.

The stars are not wanted now: put out every one;
Pack up the moon and dismantle the sun;
Pour away the ocean and sweep up the wood.
For nothing now can ever come to any good.

-W.H. Auden (1907-1973)

Childhood

A memory so vivid,
A childhood beloved.
So close you are to my heart, sweet one,
When hopes and dreams were so real,
And there was always someone stronger
Who'd pick you up when you cried.

What pleased the ones you nurtured, oh beloved childhood?
Sweet words, and kisses,
And sweet food,
And colour everywhere, and an infinite trust
In the entire neighbourhood.
And someone warm to hug, and the nursery rug,
And knowing you were good.

Dear childhood, what made you what you were?
It was trust, and forgiveness,
And presents and sharing,
And crunching the autumn leaves under your feet,
Melting, melting,
Fall into spring,
Never caring that time has no retreat.

Beloved childhood, now but a tender thought,
Your sweetness turns us bitter, distressed, overwrought,
Your memory is painful, but an empty sigh,
We see your miracles in every child's face.
Live on, cruel childhood, continue this grace,
This mesmerizing age, this beautiful stage,
While we try to run life's age-old race.

Syeda Ailia Muhammad

Nature

Nature gives us a smile,
When we see the beautiful river Nile
Passing through North Africa
The one who made nature was Allah

In nature there are trees, rivers, flowers, fields and animals
In deserts there are no streets so the rides they use are camels
Bakar Eid is on the Islamic calendar
We sacrifice sheep and goats for that is Gods order

Nature is full of beauty
Protecting it is our duty
Some factories let out pollution
Let's stop this destruction

Let us have peace on this planet
And enjoy every climate
Let's plant more trees
And have victory

Sakina Muhammad Age: 10

CONTENTS

1.	Editorial	Dr. Syed Razi Muhammad	01
2.	MMC, Begining of an end to dark ages	Prof. Dr. S. Zafar Abbas	03
3.	Before Swords...	Jawad Rafiq (3rd Year MBBS)	06
4.	Jannah	Manzoor Hussain (3d Year MBBS)	08
5.	Sindhi Language	Maher Sajid Yar Khan (3rd Year, MBBS)	09
6.	*We always hear the rules from the......		10
7.	Jokes		10
8.	An eve with DPO	Jam Kashif Imran & Jawad Rafiq (3rd Year)	11
9.	Chose Life, Stop Smoking	Mehreen (2nd Year, MBBS)	13
10.	Introduction IMCI	Dr. Aftab Ahmed Memon	14
11.	Still a noble profession?	Anum Hameedi (Final Year MBBS)	15
12.	10 Funny Facts	Fahad Asif (1st Year)	15
13.	Golden Words	Muhammad Shahab Hanif (1st Year)	16
14.	Euthanasia	M. Fahad Asif (1st Year)	17
15.	Who are we now?	Anum Hameedi (Final Year MBBS)	18
16.	An accidental chat with		19
17.	Good one to smile		20
18.	Medical Jokes	Muhammad Talha Malik (4th Year)	20
19.	Because I'm a man		21
20.	Lawyers should never ask a.........		21
21.	What are we equal to?		22
22.	George Carlin		23
23.	Khatab-e-Zainab (a.s)		24
24.	The Holy Qur'an & its Message for.......	Syeda Fatima Muhammad	25
25.	Have on earth	Ahsan Khalid (Final Year)	28
26.	Megical Voice	Farha Sattar (2nd Year)	28
27.	I want my smile back	Haider Ali (2nd Year)	28
28.	As dear as life can	Kiran Mahmood (4th Year)	29
29.	Super Mom	Sheharyar Ajmal (3rd Year)	29
30.	Me...	M. Fahad Asif (1st Year)	29
31.	Follow Your Dream.....	Burhan Rasheed (4th Year)	30
32.	Road to success....	Zeenat Khatoon (First Year)	30
33.	My Mother	Nighat Nazar (1st Year)	30
34.	Fluctuating Moments	Fareeh Sana (4th Year MBBS)	31
35.	The sense, the feel	Kiran Mehmood (4th Year MBBS)	31
36.	Lesson of life...	Burhan Rasheed (4rth Year MBBS)	32
37.	What is life	Jasim Gul (4th Year MBBS)	33
38.	Slightly Different Dreams	Syeda Ailia Muhammad	33
39.	Stop all the clocks, cut off the telephone	W.H. Auden (1907-1073)	34
40.	Childhood	Syeda Ailia Muhammad	35
41.	Nature	Sakina Muhammad (Age 10)	35

MESSIAH

2009-2010

A magazine of the MMCians

PATRON-IN-CHIEF:

MRS. RAZIA ALI MUHAMMAD
(CHAIRPERSON, MFT)

UNDER GUIDANCE OF:

PROF. SYED RAZI MUHAMMAD
(MANAGING TRUSTEE, MFT)

PATRONS:

DR. A.H. MUHAMMAD (TRUSTEE)
ENGR. S. TAQI MUHAMMAD(TRUSTEE)
DR. S. ZAFAR ABBAS (TRUSTEE)
MR. IBRAIM SOOMRO (TRUSTEE)

ENGLISH SECTION

CHIEF EDITOR:

DR. AASIA BATOOL IMAM

EDITOR:

BURHAN RASHEED
(4TH YEAR MBBS)

SUB-EDITOR:

ANUM HAMEEDI (FINAL YEAR MBBS)
AYESHA IDREES (FINAL YEAR MBBS)
NOMAN MAJEED (3RD YEAR MBBS)
FATIMA HAMEED (2ND YEAR MBBS)
MR. ADNAN RAJPUT (Secretary M.T)